مساجد کے فضائل و مقاصد

امامت واذان کا بیان

تولیت وانتظام

(وقف۔ تعمیر۔ آمدنی۔ مصالح مسجد۔ صفائی)

مرتب

تقریظ

مفتی عبد المجید صاحب

نائب رئیس دار الافتاء

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا (القرآن)

اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ (الحديث)
دین سراسر خیر خواہی ہے۔

احکام المساجد

مساجد کے فضائل و مقاصد	مسجد کے احکام
امامت واذان کا بیان	تولیت وانتظام

(وقف۔ تعمیر۔ آمدنی۔ مصالح مسجد۔ صفائی)

مرتب

مفتی مطیع الرحمن

تقریظ

مفتی عبد المجید مد ظلہ
نائب رئیس دارالافتاء
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ادارۃ النصیحۃ
مکان نمبر 746، پی آئی بی کالونی کراچی
موبائل: 0321-2044292

نام کتاب:............ احکام المساجد

مؤلف:............ مفتی مطیع الرحمٰن

ضخامت:............ ۲۵۶

کمپوزنگ:............ فاروق اعظم سروسز

سن اشاعت:............ ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ

طباعت............ النصیحہ پرنٹر اینڈ پبلیشر 0321-9258029, 0313-9258029

اسٹاکسٹ

اِدَارَۃُ النَّصِیحَۃ

مکان نمبر746 پی آئی بی کالونی کراچی

موبائل: 0321-2044292،

مکتبہ السعید

برانچ (۱) بالمقابل جامعہ فاروقیہ کراچی

برانچ (۲) الفرقان پلازہ، دوکان نمبر۱

نزد تبلیغی مرکز مدنی مسجد، کراچی

فون: 021-8340224، موبائل: 0300-3524717

دیگر ملنے کے پتے

☆ ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان ☆ ادارۃ الانور کراچی ☆ بیت العلوم لاہور،

☆ اسلامی کتب خانہ کراچی ☆ بیت الاشاعت کراچی ☆ مکتبہ رحمانیہ لاہور

☆ مکتبہ رشیدیہ راولپنڈی ☆ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ☆ مکتبہ فاروقیہ پشاور

☆ مکتبہ سید احمد شہید لاہور ☆ دارالاشاعت کراچی

فہرست مضامین

باب اول ۳۸

مساجد کے فضائل و مقاصد ۳۸

باب دوم ۷۷

مساجد کے احکام ۷۷

باب سوم ۱۷۳

تولیت وانتظام ۱۷۳

تقریظ

استاذی المعظم حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی

نائب رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حامدا و مصلیا و مسلما اما بعد!

دینِ اسلام میں مساجد کی اہمیت اور اس کا مرتبہ و مقام بدیہی اور مسلم ہے جس میں دورائیں نہیں ہوسکتیں۔ تاہم اس کے احکامات اور منتظمین کے فرائض اور ائمہ و خدام مساجد کے فرائض و حقوق سے عموماً لاپرواہی برتی جاتی ہے اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں مساجد کے احکام کے ساتھ انتظامیہ کی راہ نمائی اور ائمہ کرام و خدام مسجد کے فرائض و حقوق کو واضح انداز میں بیان کیا جائے۔

بحمد اللہ اس ضرورت کو ہمارے عزیز مولانا مفتی مطیع الرحمٰن زید علمہ نے احسن انداز میں پورا فرمایا ہے ان شاء اللہ کتاب اپنے موضوع پر مفید ثابت ہوگی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے کتاب کو ان کے لیے اور ان کے والدین اور اساتذہ کرام کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

محمد عبدالمجید دین پوری صاحب

۱۹ر صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

۱۵ر فروری ۲۰۰۹ء

تقریظ

استاذی المکرّم مولانا ارشاد احمد فاروقی صاحب مدظلہ العالی

بسم اللّٰہ وکفٰی والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی آلہ وازواجہ وذریتہ واھل بیتہ وعزتہ وعلینا معھم اجمعین!

اما بعد! مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ مسلمانوں کے لیے دینی، دنیاوی، معاشرتی و اخلاقی تمام ضرورتوں کے پورا ہونے کا مرکز ہے۔ اس مرکز سے مسلمان کا سروشتہ ایسا مربوط اور مضبوط ہے کہ اس سے جدائی مسلمان کے تصور سے باہر ہے۔ اسی شدت ارتباط کو رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا: مسلمان کے لیے مسجد ایسی ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی ہے۔ اس تعلق میں مزید رسوخ کے لیے آپ ﷺ نے مسجد کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں۔

علماء نے مساجد کے احکام و فضائل کے لیے مختلف رسالے تحریر فرمائے تاکہ مسجد میں ان احکام و آداب کی رعایت کی جائے ورنہ ایسا نہ ہو کہ نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہو جائے۔ ان احکام و آداب کے ساتھ کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جن سے واقف ہونا ضروری ہے اور جن سے عدم واقفیت آج کل کے پیچیدہ مسائل رونما کر رہی ہے۔ یہ مسائل امام و مؤذن، خادم، اہلِ کمیٹی اور اہلِ محلّہ سے متعلق ہیں۔ یہ مسائل بڑی کتب فتاویٰ وغیرہ میں تو موجود ہیں لیکن ان کتب تک ایک عام آدمی کی رسائی مشکل ہے۔

اس بناء پر ضرورت تھی کہ ایک کتاب میں آسان طرز سے تمام مسائل کو بھی احکام و فضائل کے ساتھ مختصراً یکجا کر دیا جائے۔ زیرِ نظر کتاب میں مولوی مفتی مطیع الرحمٰن سلمہ نے اسی ضرورت کو بہت ہی عمدگی کے ساتھ پورا کیا ہے۔ ماشاء اللہ آسان زبان میں

تمام ضروری مسائل کو احکام و آداب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور ہر بات کو کتب فقیہہ معتبرہ کے حوالوں سے مزید مستحکم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آنعزیز کی اس سعی و کوشش کو مقبول و منظور فرمائیں اور اس کتاب کو مقبول خواص و عوام فرمائیں اور آنعزیز کے لیے مزید شرف قبولیت کا ذریعہ و ذخیرہ آخرت فرمائیں۔

بندہ

ارشاد احمد فاروقی عفی عنہ

۷/صفر ۱۴۳۰ھ

۴/فروری ۲۰۰۹ء

عرضِ مؤلف

مساجد روئے زمین کا سب سے بہتر حصہ ہیں ملتِ اسلامیہ میں مساجد کا ایک نہایت عظیم و بلند مقام ہے کہ احتراماً انہیں بیت اللہ (اللہ کا گھر) کہا جاتا ہے اسلام اور مسلمانوں کا مرکزی مقام اوران کی زندگی کا محور مساجد کو بنایا گیا ہے اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر اترنے کے بعد سب سے پہلے عبادت کے لیے بیت اللہ بنایا۔

﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ ﴾ (آل عمران: آیت ۹۶)

ترجمہ: ''بلاشبہ سب سے پہلا گھر وہ ہے جو لوگوں کی عبادت کے لیے مکہ میں بنایا گیا۔''

اسی طرح آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد سب سے پہلے مسجد ہی کی بنیاد رکھی اوراس مسجد کو سارے عالم کے انسانوں کے لیے رشد و ہدایت کا مرکز بنایا قرآن وحدیث میں مسجد بنانے اوراس کے آباد کرنے کے فضائل بیان کئے گئے مسجد آباد کرنے والوں اوراس کے بنانے والوں کو ایمان والا کہا گیا جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے اس کے لیے عرش کے سائے کی خوشخبری سنائی گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔ آپ علیہ السلام نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے مساجد کے نظام کو ایسا مستحکم ومظبوط بنایا کہ مساجد رشد و ہدایت اوراسلام کی تبلیغ واشاعت، اصلاح وتربیت کا مرکز بنی رہیں۔

مولانا ظفیر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ مرکز اسلام کی یہ مسجد صرف رسمی مسجد نہ تھی بلکہ اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ تھی جہاں دین ودنیا کے سارے قوانین ترتیب پاتے تھے۔ (اس مسجد کے تربیت یافتہ حضرات ابوبکر وعمر جیسے حضور کے ساتھی و جانثار، خلیفہ عثمان

جیسے باحیا بزرگ، علی جیسے عالم و بہادر، عبد اللہ بن مسعود جیسے فقیہ، عبد اللہ بن عباس جیسے مفسر معاذ بن جبل جیسے زاہد اور ابوالدرداء جیسے تارک الدنیا تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین) الغرض وہ مسجد بیک وقت ایک زبردست دینی درسگاہ، علم و عرفان کا مرکز، اصلاح و تربیت کی خانقاہ، جہاد و دعوت کا زبردست ادارہ تھی اور چونکہ اللہ رب العزت نے آپ علیہ السلام کے ہر عمل کو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے نمونہ بنایا ہے اس اعتبار سے ہر مسجد کو مسجدِ نبوی ﷺ کے طرز و نمونہ پر ہونا چاہیے۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کے مذہبی انحطاط (کمی) کی وجہ سے مسجدیں بھی متاثر ہوئیں اور جیسا کہ آپ علیہ السلام نے پیشین گوئی کی تھی "مساجدهم عامرة و هي خراب من الهدىٰ" مسجدیں ظاہری طور پر آباد ہوں گی لیکن ہدایت (ہدایت والے اعمال) سے ویران رہیں گی۔ یہ پیشین گوئی آج سچی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے کہ آج عمومی طور پر مساجد کی ظاہری نقش و نگار و خوبصورتی و ظاہری انتظامات کی فکر کی جاتی ہے۔ لیکن مساجد ہدایت و مسجد نبوی والے اعمال سے خالی ہوتی جارہی ہیں حالانکہ شریعتِ مطہرہ میں مساجد کا ایک بہت بڑا مقام اس کے مقاصد فضائل، مسائل، احکام، آداب ہیں جن سے آج عمومی طور پر بے توجہی ہے عموماً مسجد جو کہ اللہ کا گھر و مقدس جگہ ہے اس کو عام جگہ کی طرح سمجھ لیا جاتا ہے اس بے توجہی و غفلت و ناواقفیت کی وجہ سے بعض دفعہ مسجد کا ماحول بے روح اور عام دنیاوی ماحول کی طرح ہو جاتا ہے۔ مسجد پر اجارہ داری کی وجہ سے لڑائی جھگڑے، اختلافات تک کی نوبت آجاتی ہے۔

ان تمام باتوں کو محسوس کرتے ہوئے استاذی المکرّم مفتی عبدالمجید صاحب (نائب رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن) نے اس ناکارہ کو آج سے چند سال قبل حکم دیا تھا کہ اس سلسلے میں چند اوراق لکھے جائیں جس میں مسجد کی تاریخ، مسجد کی ضرورت، وفوائد، و مقاصد و تعمیرِ مسجد کا اجر و ثواب، اس کے احکام، مصالح مسجد سے متعلقہ مسائل، مسجد انتظامیہ کا قیام، تولیت کے مسائل، ذرائع آمدنی، امامت و

اذان کے مسائل وغیرہ بیان کردیئے جائیں تاکہ مسجد کا مکمل وصحیح پہلو سامنے آسکے اور امام ومؤذن وانتظامیہ کمیٹی ونمازی سب مل کر اپنی مسجد کی ایسی فضا بنائیں کہ ہماری مسجد عملی اعتبار سے حضور علیہ السلام کی مسجد کے قریب تر ہو۔

استادِ محترم کے حکم سے کام تو آج سے چند سال پہلے ہی شروع ہو چکا تھا مگر اپنی بے بضاعتی وکم ہمتی وسستی کی وجہ سے کافی عرصہ یہ کاوش التواء وتاخیر کا شکار رہی جس پر میں اپنے آپ ہی کو قصور وار ٹھراتا ہوں بس اللہ نے اپنا فضل وکرم فرمایا کہ استادِ محترم کے حکم کی تعمیل میں یہ کام پورا ہوا، البتہ حضرتِ استاد کا حکم تھا کہ اس کو مختصراً رکھا جائے تاکہ پڑھنے والوں کے لیے مشکل ودشواری نہ ہو بندہ شاید اس حکم کو پورا نہ کرسکا اپنے ناقص گمان وخیال کے مطابق ممکن ہے کہ چند ایسی چیزیں داخل ہوگئی ہوں جو ضروری نہ ہوں یا کسی جگہ بے فائدہ تطویل ہوگئی ہو اس پر میں ایک طالب علمانہ حیثیت سے اوّلا اپنے استاد سے اور ثانیاً پڑھنے والوں سے معذرت خواہ ہوں کہ میرے اس عذر کو قبول فرما کر درگزر سے کام لیں اللہ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کتاب کو ایک مقدمہ اور چار ابواب پر منقسم کیا گیا ہے۔

بابِ اول:...... مساجد کے فضائل ومقاصد۔ اس باب میں مساجد کے فضائل ومقاصد کے علاوہ مسجد کا پہلا مقصد باجماعت نماز کی ادائیگی کے ذیل میں مسجد کی جماعت سے متعلقہ چند ضروری مسائل بھی لکھے گئے ہیں۔

باب دوم:...... مسجد کے احکام۔ اس باب میں وقف کے مسائل مصالح مسجد سے متعلقہ مسائل مسجد کی صفائی سے متعلق احکام کو بیان کیا گیا ہے۔

بابِ سوم:...... تولیت وانتظام۔ اس باب میں مسجد کی تولیت کا کون حقدار ہے؟ متولی کے اوصاف اس کے فرائض وذمہ داریاں کو بیان کیا گیا ہے۔

بابِ چہارم:...... امامت واذان کا بیان۔ اس باب میں امام کے اوصاف اس کے فرائض اس کی ذمہ داریاں امامت سے متعلقہ چند ضروری مسائل اور اذان سے متعلقہ

مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ استادِ محترم کی طرف سے دیئے گئے عنوانات وفہرست میں تاریخِ مساجد بھی شامل تھا اور یہ عنوان اولاً اس کتاب کے مسودہ کا حصہ وجزء بن کر اس میں شامل تھا لیکن کمپوزنگ وطباعت کے وقت اس حصہ کی شمولیت کی وجہ سے ضخامت و جسامت میں اضافہ ہوتا ہوا اور کتاب کے اصل مقصد سے انتقال ہوتا ہوا محسوس ہوا ان وجوہات کی بنا پر اپنے اساتذہ کرام کے مشورہ سے اس حصہ کو اس کتاب سے علیحدہ کر کے ایک مستقل رسالہ بنام تاریخ المساجد شائع کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ جلد از جلد اس ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے نافع الخلائق اور ذریعہ آخرت بنائے۔ آمین

حتی الامکان کوشش کی ہے کہ مسائل کا بیان حوالہ جات کے ساتھ ہو قرآن و حدیث کے حوالے اوپر متن میں اور فقہ کی کتابوں کے حوالہ نیچے حاشیہ میں دیے گئے ہیں اور کتابوں کی صفحات کے حوالہ مشہور مطبوعات کے ہیں۔ مشہور اور اکثر پیش آنے والی جزئیات لکھی گئی ہیں اس کے علاوہ اگر کسی پڑھنے والے کے ذہن میں کوئی مشہور مسئلہ ایسا ہو جس کا بیان کرنا ضروری ہو اور بیان سے رہ گیا ہو اس بارہ میں برائے مہربانی مطلع فرمادیں۔

یہ بندہ کی ایک طالب علمانہ کوشش ہے جس میں غلطیوں کا ہونا انتہائی ممکن ہے آپ حضرات سے عاجزانہ گذارش ہے کہ غلطی پر خواہ وہ تصحیح مسائل کے اعتبار سے ہو یا طباعت کے اعتبار سے یا عبارت کے اعتبار سے ہر قسم کی غلطی پر مطلع فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

میں اس سلسلہ میں اپنے استادِ محترم مولانا ارشاد احمد فاروقی صاحب کا انتہائی مشکور ہوں کہ حضرت نے مسوّدہ کو مکمل پڑھ کر بعض جگہ خود تصحیح فرمائی اور بعض جگہ کے لیے عمومی طور پر نشاندہی کر دی ہے ان کی رائے کی مطابق تصحیح کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔

اور اپنے برادرانِ محترم مولوی حفیظ الرحمٰن۔ مولوی عبید الرحمٰن کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس کی طباعت وتبییض ونظرِ ثانی میں بھرپور تعاون کیا۔ اللہ رب العزت ان سب حضرات کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو بھی ہر قسم کی غلطی سے پاک وصاف کر کے نافع الخلائق بنائے۔ مقبولیتِ عامہ نصیب فرما کر ذخیرہ آخرت بنائے۔ (آمین)

مطیع الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مسجد کا لغوی معنی

مسجِد بکسرا لجیم مفعل کے وزن پر اسم ظرف کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ ہے سجدہ کرنے کی جگہ اور فتح کے ساتھ مسجد مصدر میمی ہوگا جس کا ترجمہ ہے سجدہ کرنا اور قرآن مجید میں ہے ﴿ وَأَنَّ الْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ ﴾ (والجن: آیت ۱۸) یہ مساجد مسجد کی جمع ہے یہاں اس کے مشہور معنی یعنی مسجدیں مراد ہیں۔

مسجد کا شرعی معنی

"کل موضع من الأرض" زمین کا ہر پاک حصہ "مسجد" یعنی سجدہ کرنے کی جگہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جُعِلَتْ لِیَ الأرض مسجداً."

(بخاری شریف: ۱/۲۶)

ترجمہ: میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے اور یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے پہلے والے لوگ صرف اپنے عبادت خانوں یا مخصوص مقامات پر ہی نماز ادا کر سکتے تھے اور امت محمد یہ زمین کے ہر حصہ پر نماز ادا کر سکتی ہے بشرطیکہ اس جگہ کی پاکی کا مکمل یقین ہو اور چونکہ سجدہ نماز کے افعال میں سے سب سے بہترین عمل ہے کیونکہ بندہ اس میں اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اس لیے تسمیۃ الکل بافضل الاجزاء کے اعتبار سے اس کو مسجد کا نام دیا گیا ہے اور مَرْکِعْ وغیرہ نہیں کہا گیا۔

مسجد کا عرفی معنی

عرف میں مسجد کے لفظ کو اس جگہ ومکان کے لیے خاص کرلیا گیا جو عبادت گاہ پنج وقتہ باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کی گئی ہو عید گاہ، مدارس، مصلیٰ، رباط وغیرہ اس سے خارج ہیں کیونکہ یہ جگہیں اس کام کے لیے تیار نہیں کی جاتیں مسجد کے لیے کسی عمارت کا ہونا شرط نہیں ہے علامہ طحاوی رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ فرماتے ہیں۔[1]

مسجد کی ضرورت واہمیت

اللہ رب العزت نے انسان کو دنیا میں صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ ﴾

(سورۃ ذاریات: آیت ۵۶)

تَرجَمَہ: ''میں نے جنات وانسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصدِ اصلی وحقیقی صرف خدائے ''وحده لا شريك له'' کی عبادت ہے اس کے علاوہ انسان کی تخلیق کا کوئی مقصد نہیں ہے اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا کہ روئے زمین کو بنی آدم کی آبادی سے زینت بخش کر انسانیت کے سلسلے کو جاری فرمائے تو ابوالبشر حضرت آدم و حوا عَلَیْہِمَا السَّلَام کو دنیا میں اتار کر اپنے ارادہ کو وجود بخشا اور انسان کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی اور انسانیت کو صرف اس کی تخلیق کا مقصد اصلی عبادت کا ذمہ دار قرار دیا اور عبادت کی بجا آوری پر تمام ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کا وعدہ کیا چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

---

[1] ''وَأَعْلَمْ أَنْ لا يُشْتَرِطُ فی تحقق کونه مسجدالبناء'' (جمل:۴/۴۲۱)

﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ ﴾ (طٰہٰ: آیت ۱۳۲)

لہٰذا جب خدائے عزوجل کی عبادت اور اس کے آگے سر جھکانا ہی انسان کا مقصد اصلی ہے اور یہ ہی انسان کی دنیا میں سب سے بڑی ضرورت ہے کہ وہ اس دنیا میں عبادت کر کے اپنے خالق و مالک کو راضی کرے تو ضرورت پیش آئی ایک ایسی مخصوص جگہ کی جس سے خدا کی تکبیر و تسبیح و تقدیس کی صدائیں بلند ہوں اور اس گھر میں مسلمان مجتمع ہو کر یکسوئی کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کر سکیں اس کے آگے سر جھکا سکیں اس کے سامنے اظہارِ نیاز مندی و عاجزی کر سکیں ایسی جگہ کا نام شریعت کی اصطلاح میں مسجد رکھا گیا۔

مساجد سے متعلقہ قرآنی آیات

❶ ﴿ وَأَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا ﴿۱۸﴾ ﴾

(سورۃ الجن: آیت ۱۸)

ترجمہ: ”ساری مساجد اللہ کے لیے ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔“

یعنی مسجدیں صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں لہٰذا تم مسجدوں میں جا کر اللہ کے سوا کسی اور کو مدد کے لیے مت پکارو نیز یہ کہ دنیا کی ساری مسجدیں صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں اللہ کے علاوہ کسی انسان کا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔

❷ ﴿ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿۳۶﴾ ﴾ (سورۃ نور: آیت ۳۶)

ترجمہ: ”ایسے گھر جن گھروں کے متعلق اللہ نے حکم دیا ان کو بنانے کا ان کی تعظیم کا اور یہ کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے اور صبح و شام ان گھروں میں

اللہ کی تسبیح کو بیان کیا جائے۔"

جمہور مفسرین کے نزدیک بیوت سے مراد مسجدیں ہیں۔[1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک جماعت کا بھی یہ ہی قول ہے کہ اس سے مراد مساجد ہیں۔[2]

تفسیر کبیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ آیت میں بیوت سے مراد بلا تخصیص تمام مساجد ہیں۔[3]

رفعِ مساجد کا مطلب

"اَذِنَ" کے معنی اجازت دینے کے ہوتے ہیں اور اجازت دینے سے مراد اس کا حکم کرنا ہے تو یہاں پر "أَذن" بمعنی حکم ہے جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔[4]

عکرمہ مجاہد امام تفسیر نے فرمایا کہ رفع سے مراد مسجد کا بنانا ہے جیسے کعبہ کے بنانے کے متعلق ارشادِ ربانی ہے ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ﴾ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رفعِ مساجد سے مراد مساجد کی تعظیم واحترام ہے خلاصہ یہ کہ رفعِ مساجد کا مفہوم جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ مسجدیں بنائی جائیں اور انہیں ہر بری چیز سے پاک وصاف رکھا جائے اور ان کی تعظیم واحترام کیا جائے اور بعض حضرات نے اس میں مسجدوں کی ظاہری شان وشوکت

---

[1] جیسا کہ احکام القرآن لأبن العربی میں ہے۔ اختلفت فی البیوت علیٰ ثلثة اقوال الاول انما المساجد وهو قول ابن عباس و جماعته. (۳۰۲/۲)

[2] احکام القرآن للجصاص میں ہے۔ وقال ابن عباس هذه البيوت هی المساجد و كذلك قال الحسن و مجاهد. (۴۲۳/۲)

[3] اكثرو المفسرين قالوا المراد من قوله (فی بيوت) المساجد وأن المراد هو جميع المساجد. (۳۹۷/۸)

[4] والمراد بالأذن الامر وبا لرفع التعظيم أی امر سبحانه بتعظيم قدرها. (۱۷۴/۱۰)

اور تعمیری بلندی کو بھی شامل قرار دیا ہے۔[۱] (معارف القرآن ۶/۴۲۶)

(آیت کی مزید تشریح ان شاء اللہ آگے بیان ہوگی)

۳ ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا ٱللَّهَ﴾ (التوبہ: آیت ۱۸)

ترجمہ: ”اللہ کی مساجد کو صرف وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈریں۔“

اس آیت مبارکہ میں مسجد کی اضافت اللہ نے اپنی طرف کی ہے کہ ”اللہ کی مسجدیں“ اس سے مسجد کی عظمت وشان وشوکت ظاہر ہوتی ہے نیز مسجد کے آباد کرنے کو ایمان والوں کا فعل اور اس کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔

۴ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ وَسَعَىٰ فِى خَرَابِهَآ﴾ (البقرۃ: آیت ۱۱۴)

ترجمہ: ”اس سے بڑا ظالم کون شخص ہوگا جو اللہ کی مساجد میں اس بات سے روکے کہ اس میں اللہ کا نام لیا جائے اور مساجد کی ویرانی کے لیے کوشش کرے۔“

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی مسجد میں لوگوں کو اللہ کا ذکر کرنے سے روکے یا کوئی ایسا کام کرے جس سے مسجد ویران ہو جائے تو وہ بہت بڑا ظالم ہے نیز مسجد کی عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو ہیبت وعظمت اور خشوع وخضوع کے ساتھ داخل ہو لہٰذا مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب

---

[۱] قال ابوبکر بن الحصاص یجوزان یکون المراد الأمرین جمیعا من رفعهما بالبناء و تعظیمها جمیعاً لأنها مبنیة لذکر اللہ والصلوۃ. (احکام القرآن:۳/۴۲۳)

حرام ہیں جیسے کھلے طور پر مسجد کو منہدم کرنا ویران کرنا، ایسے اسباب پیدا کرنا جس کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے یا مسجد میں آنے والے ذکر وغیرہ نہ کرسکیں یہ سب اس میں داخل ہے کیونکہ مسجد کی تعمیر و آبادی در و دیوار یا ان کے نقش و نگار سے نہیں بلکہ ان میں اللہ کا ذکر کرنے والوں سے ہے۔

❺ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَٰمِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَٰتٌ وَمَسَٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا ٱسْمُ ٱللَّهِ كَثِيرًا﴾ (سورۃ الحج: آیت ۴۰)

ترجمہ: ''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع فرماتا ہے تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے گرا دیئے جاتے۔''

اس آیت سے ثابت ہوا کہ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں ان کی حفاظت اللہ جل شانہ خود فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو جہاد کا حکم دینے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے عبادت خانے محفوظ رہیں اور اگر جہاد نہ ہو تو مساجد کو منہدم کر دیا جائے اور گرا دیا جائے اور اس کے مٹانے والوں کو اللہ خود تباہ و برباد کر دیتا ہے جیسے اَبرہہ نے جب مسجدِ حرام کو گرانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے خود انتقام لے لیا۔

ان آیاتِ مبارکہ سے مساجد کی عزت وعظمت بخوبی واضح ہوتی ہے کہ دنیا اور دنیا کی ساری جگہیں اللہ رب العزت کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور ساری کائنات خدا کی ہے کوئی ذرہ بھی اس کی قدرت وملکیت سے خارج نہیں لیکن دنیا میں کچھ خاص جگہیں ایسی ہیں جن کے متعلق اللہ رب العزت یہ اعلان فرمارہے ہیں کہ یہ میری ہیں وہ جگہیں کتنی عزت ومقبولیت کی حامل ہوں گی تو وہ مقدس دربار جس کو ہم مسجد کے مختصر لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ان کی نسبت اللہ رب العزت نے اپنی جانب فرمائی ہے اور ان کو اپنے ذکر اور اپنی یاد کے لیے مخصوص فرمایا ہے اور بلا شبہ یہ نسبت ساری نسبتوں سے افضل و

اعلیٰ ہے لہٰذا کائنات میں سب سے زیادہ شرافت و افضلیت مساجد کو ہی حاصل ہے کیونکہ ان کے متعلق خود قرآنِ کریم میں اللہ کا اعلان ہے کہ یہ مساجد میری ہیں۔

مسجد بنانے کے فضائل

آیات قرآنیہ

اللہ کے گھر کو بنانا انتہائی اجر و ثواب کا کام اور ایمان کی علامت ہے۔

❶......ارشادِ ربانی ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ ......﴾ (سورۃ التوبہ: آیت ۱۸)

یہ آیت مبارکہ گزر چکی ہے اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت مسجد بنانے والے اس کی تعمیر کرنے والے اس کی نگہداشت وحفاظت کرنے والے سب کو ایمان والا فرمارہے ہیں۔

❷......﴿ فِى بُيُوتٍ أَذِنَ ٱللَّهُ ......﴾ (سورۃ نور: آیت ۳۶)

اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو مسجد بنانے کا حکم دیا ہے اور امر کے بجائے اِذن کا لفظ استعمال کیا ہے جس کی بظاہر مصلحت یہ ہے کہ اس میں مؤمنین صالحین کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ کی مرضی حاصل کرنے کے خاطر ہر نیک کام کے لیے ایسے مستعد و تیار ہونے چاہئیں کہ حکم کی ضرورت ہی نہ پڑے صرف اس کے منتظر ہوں کہ کب ہمیں اس کی اجازت ملے اور ہم یہ سعادت حاصل کریں۔ (روح المعانی)

احادیث نبویہ

❶......حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"عن عثمان رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم منْ بنی للّٰهِ مسجداً بنیٰ اللّٰه له بیتا فی الجنة." (مشکوۃ ۱/۶۸)

تَرجَمہ: ''آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کے لیے مسجد بنائی اللہ رب العزت اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔''

❷ ...... صحیحین کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر کا ارادہ کیا تو بعض لوگوں نے اس کو ناپسند سمجھا اور چاہا کہ اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''انکم اکثر تم وانی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول من بنیٰ مسجدا یبتغی بہ وجہ اللّٰہ بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنۃ.'' (بخاری:۱/۶۴)

تَرجَمہ: ''تم نے تو حد ہی کر دی جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کی رضا طلب کرتے ہوئے مسجد بنائے اللہ رب العزت اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔''

❸ ...... بخاری شریف کی روایت میں (مثلہ) کا لفظ زائد ہے کہ اللہ رب العزت اس کے لیے اس کے مثل جنت میں گھر بنائیں گے۔

❹ ...... ''عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من بنی لِلّٰہِ مسجداً کمفحص قطاۃ أو اصغر بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنۃ.'' (ابن ماجہ:۵۴)

تَرجَمہ: ''جس شخص نے اللہ کے لیے بٹیر کے گھونسلے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی مسجد بنائی اللہ رب العزت اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔''

❺ ...... ''عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا قالت أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم امر ببناء المسجد فی الدوروأن تنظّف و تطیب.'' (مشکوٰۃ:۶۹)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجد بنانے کا حکم دیا اور اس بات کا کہ مسجدوں کو پاک و صاف رکھا جائے۔''

❻ ......صحیح بخاری حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ:

''أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أمر ببناء المسجد.''

(بخاری:۱/۶۴)

ترجمہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنانے کا حکم دیا۔''

حدیث شریف میں لِلّٰہ کا لفظ ہے لہٰذا اخلاص ضروری ہے

ہر عمل کے اللہ کے یہاں قبول ہونے اور اس کے درست ہونے میں نیت کا اہم دخل ہے مسجد بنانا اور اس کی تعمیر کرنا اور اس کے لیے اپنا مال اور روپیہ خرچ کرنا بہت اونچا عمل اور بہت زیادہ کارِ خیر ہے کہ اس عمل کا ثواب آدمی کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا اس لیے حدیث شریف میں اس طرف متوجہ کیا کہ اتنا اونچا کام کرنے سے پہلے آدمی کو اپنی نیت کی اصلاح کر لینی چاہیے خالص اللہ کی رضا کے لیے اور اس کی خوشنودی کے خاطر مسجد بنائی جائے لوگوں کو دکھانے اور اپنی شہرت و نام پیدا کرنے کا جذبہ نہ ہو یا کوئی فاسد نیت شاملِ حال نہ ہو اگر تعمیر مسجد جیسے اہم کام میں نیت فاسد ہوگی تو یقیناً اس بری نیت کا اثر اس کے ثواب پر پڑے گا۔

مسجد پر اپنا نام لکھنا

اس لیے علماء نے کہا ہے کہ جو شخص مسجد بنا کر اس پر اپنا نام لکھتا ہے تاکہ تشہیر کا ذریعہ بنے یہ اس کے اخلاص کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔[1]

---

[1] شرح مشکوۃ میں ہے: ''لا خراج مابنی للریاء والسمعۃ ولذا قیل من کتب اسمہ علی بنائہ دل ذلک علی عدم الأخلاص.'' (مرقاۃ:۲/۱۹۳)

لیکن اگر یہ عمل تشہیر کی غرض سے نہ ہو علامتی طور پر یا ویسے ہی نام لکھ دیا جائے تو حرج نہیں ہے۔
تفسیر مدارک اور تفسیر احمدی میں ہے۔
"کل مسجد بنی مباھاۃ أو ریاء او سمعۃ أو لغرض سواء ابتغاء وجه اللّٰه أو بمال غیرِ طیب فھو لا حق بمسجد ضرار."
ترجمہ: "جو مسجد باہمی فخر ریا کاری یا نام ونمود یا غرضِ فاسد کے لیے بنائی جائے کہ جس میں اللہ کی خوشنودی مقصود نہ ہو یا وہ مسجد حلال مال سے نہ بنائی گئی ہو تو وہ مسجد مسجدِ ضرار کے مشابہ ہوگی۔"
(احمدی: ۲/۳۸۳، مدارک: ۲/۲۶۰)

مثلہ سے کونسی مماثلت مراد ہے

حدیث مبارکہ میں مثلہ کا لفظ آیا ہے کہ اس کے مثل جنت میں گھر بنے گا اس مثلہ کا کیا مطلب ہے؟ کہ مثل کا مطلب یہ تو ہو نہیں سکتا جیسی مسجد دنیا میں بنائی گئی ہو لمبائی چوڑائی شکل وصورت میں جنت کا گھر بھی ویسا ہی ہوگا کہ دنیا کا گھر تو اینٹ چونا پتھر وغیرہ کا ہوگا اور جنت میں تو ایسے گھر کا ہونا محال ہے بلکہ جنت کے متعلق ارشاد ہے:
"فلا عین رأت ولا أذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر"
جنت میں ایسی نعمتیں ہیں جو نہ کسی کان نے سنی نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال بھی گزرا اس مماثلت کی مختلف توجیہات محدثین نے بیان کی ہیں۔

معارف السنن میں ہے والمراد بھا معاً الأخلاص وقال ابن الجوزی من کتب اسمه علیٰ المسجد الذی یبنیه کان بعیدامن الأخلاص. (۳/۲۹۹)

❶......علامہ ابن الحجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ مثلیت باعتبار کمیت ہے اور زیادت باعتبار کیفیت کے ہے:

"ان المثلية بحسب الكمية والزيادة بحسب الكيفية."

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی قول کے موافق علامہ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مثلیت فقط نام میں ہے نہ کہ مقدار میں کہ جس طرح دنیا میں بنانے والے نے گھر بنایا اللہ رب العزت اس کے لیے بھی جنت میں گھر بنائیں گے تو بیت (گھر) کے نام میں مثلیت ہے باقی جنت کا گھر کیسا ہوگا، دنیا کی تنگی اور آخرت کی وسعت کے اعتبار سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے مختصراً یہ کہ اس بناء (یعنی مسجد بنانے) کا بدلہ جنت میں بھی بناء یعنی گھر بننے سے ہی ملے گا۔[1]

علامہ بدرالدین عینی نے بھی یہی جواب دیا ہے کہ مثلہ سے مراد یہ ہے کہ وہ بدلہ عمل کی جنس یعنی بناء سے ملے گا نہ کہ اس کے غیر سے "ان الجزاء من جنس العمل لا من غيره."

❷......علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مماثلت باعتبارِ ثواب کے ہے کہ جنت کے اس گھر کی فضیلت بقیہ جنت کے گھروں پر ایسی ہوگی جیسے مسجد کی فضیلت باقی دنیا کے گھروں پر ہوتی ہے۔[2]

"فضله علٰى ماسواه من بيوت الجنة كفضل المسجد علٰى بيوت الدنيا."

---

[1] مرقاۃ میں ہے: ويوا فقه قول ابن الجوزى مثله فى الأسم لافى المقدار اى بنىٰ له بيت كما بنٰى بيتاً فجزاء هذه الجنة من جنس البناء لا من غيره مَع أن التفاوت حاصل قطعاً بالنسبة الٰى ضيق الدنيا وسعة العقبىٰ. (۱۹۲/۲)

[2] معارف السنن میں ہے: مثله فى الجنة قال الشيخ الما ثلة فى الثواب وانه يكون فضله على بيوت الجنة كفضل المسجد علىٰ بيوت الدنيا و باالجملة ليست المماثلة سعة وضيقاً و شكلاً و قدراً كما قيل. (۳۰۲/۳)

معارف السنن میں علامہ بنوری رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ نے اسی قول کو اپنے استادِ محترم علامہ انور شاہ کاشمیری رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ کی طرف منسوب کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

مرقاۃ میں ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ نے بھی صاحب الروضۃ کے حوالے سے یہ ہی قول نقل کیا ہے۔ (۱۹۳/۲)

۳......علامہ یوسف بنوری رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ معارف السنن میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ یہ مماثلت فقط عمل میں ہے کہ جیسے اس نے اللہ رب العزت کے لیے مسجد بنائی ویسے ہی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے یعنی مسجد کا بنانے والا مخلوق عاجز بندہ ہے اور جو گھر جنت میں بطور بدلہ کے بنایا جائے گا اس کا بانی خالق جلیل ہے پھر یہ مکان دنیا میں اور وہ مکان جنت میں دونوں گھروں کا فرق بہت واضح ہے کہ خالق و مخلوق کی بناء کیسے برابر ہوسکتی ہے؟ اور دنیا کے گھر اور آخرت کے گھر کی تعمیر کیسے برابر ہوسکتی ہے؟ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس جواب کا مَرجع علامہ بدرالدین عینی رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ کا جواب ہی ہے بس فرق اتنا ہے کہ یہاں پر بناء معنی مصدری میں ہے۔[1]

---

[1] معارف السنن کی عبارت ملاحظہ ہو:

والأحسن عندی مایقال أن المثلیة فی العمل نفسه و البناء بالمعنیٰ المصدری أی أنِ اللّٰہ سبحانه و تعالٰی بنٰی له بیتاً فی الجنة کما هو بنٰی للّٰہ مَسجداً فکما أن العبد خصص خالقه ببناء بیت لوجهه فکذلك اللّٰہ سبحانه و تعالٰی یخصصه ببناء بیت له خاصةً و ظاهر أن بناء کل حسب مقدرته و منزلته و حسب کل مکانٍ ودارٍ فبانی المسجد مخلوق ضئیل و بانی البیت جزاء هو خالقه الجلیل ثم هذا فی الدنیا و ذلك فی الجنة و تفاوت ابنیة الدارین واضح جلی فکیف یستوی بناء خالق و بناء مخلوق و کیف یستوی بناء دار الدنیا و بناء الدارا لآخرة فشتان مابنیهما ومرجع هذا وانِ کان إلٰی ما ذکروه من الجزاء من جنس العمل غیرأنه أریدهناك بأعتبار المعنیٰ المصدری.

والحاصل أن المثلیته فی الفعل دون المفعول علیٰ ماذکرته وهی فی المفعول علیٰ ما ذکروا وأنِ کان هو فی الجنس دون النوع والشخص فلیتنبّه. (۳۰۳/۳)

(کمفحص قطاۃ) مسجد میں بقدرِ وسعت حصہ

مسجد بنانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی ایک شخص ہی پوری مسجد بنائے تو وہ مستحقِ اجر ہے ورنہ نہیں بلکہ معمولی حصہ خواہ وہ جسمانی ہو یا مالی وہ بھی موجب اَجر ہے کہ جس سے جو ہو سکے مدد کرے اور اللہ سے کامل ثواب کی امید رکھے ابن ماجہ کی روایت میں (کمفحص قطاۃ) بیٹر کے گھونسلے کے برابر کے الفاظ ہیں۔

اور بیٹر کا گھونسلہ تو بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے اتنی جگہ پر تو ایک شخص بھی نماز نہیں پڑھ سکتا اس لیے اکثر علماء نے تو اس روایت کو مبالغہ پر محمول کیا ہے لیکن بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی جماعت مسجد بنانے میں شریک ہو، اور ان میں سے ہر ایک کے حصے میں اتنی مقدار یعنی بیٹر کے گھونسلے کے برابر جگہ آئے تو بھی ان سب کو مکمل ثواب ملے گا یعنی ان میں سے ہر ایک کے لیے جنت میں محل تعمیر ہوگا۔[1]

جسمانی مدد کرنا بھی ثواب وسنت ہے

جس طرح مالی مدد کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اسی طرح جسمانی مدد کرنے والوں کو بھی ثواب ملتا ہے بلکہ جسمانی مدد تو سنت ہے انبیاء علیہم السلام نے اپنے ہاتھ سے تعمیرِ مسجد میں حصہ لیا ہے حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام نے اپنے ہاتھوں سے کعبہ کی تعمیر کی جس کا واقعہ قرآن میں موجود ہے مسجد قباء ومسجد نبوی کی تعمیر میں امام الأنبیاء وسرور کائنات خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود حصہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اینٹیں اٹھا کر لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی

---

[1] فأشكل عليهم شرحه واضطربت فيه اقوالهم وذ كركل منها أن اكثر العلماء حمله على المبالغة لأن المكان الذى تفحص القطاة عنه لتضع فيه بيضها أوترقد عليه لايكفى مقداره للصلوة فيه وممّا قالو أن يشترك جماعة فى بناء مسجد فتقع حصة كل واحد منهم ذلك المقدار. (معارف السنن:۳/۳۰۴)

شریک کار رہے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی تندھی کے ساتھ دو دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا (تو شفقت ومحبت سے) ان کے سر کی مٹی جھاڑنے لگے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

”عن أبی سعید قال کنا نحمل لبنة لبنة وعمار لبنتین فرآه النبی صلی اللہ علیه وسلم فجعل ینفض التراب عنه.“

(بخاری:۱/۶۴)

اجرت لے کر کام کرنے والے کا حکم

البتہ جو شخص اپنی پوری اجرت لے کر کام کرے گا وہ اس فضیلت وثواب کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ بظاہر یہ اخلاص کا فقدان اور للّٰہیت کے نہ ہونے کی دلیل ہے ہاں اگر اس نے واقعی کچھ رعایت کی ہو یا کسی نیک نیت سے کام کیا ہو تو امید کی جاسکتی ہے کہ فی الجملہ اسے کچھ ثواب مل جائے گا۔[1]

مسجداً کی تنوین تنکیر کے لیے ہے

مسجداً کی تنوین تنکیر کے لیے ہے چھوٹی بڑی مسجد دونوں کو شامل ہے[2] ثواب حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جو بڑی مسجد بنائے گا اس کو ہی ثواب ملے گا بلکہ چھوٹی مسجد بنانے والوں کو بھی یہ ہی ثواب ملے گا چنانچہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔

---

[1] جیسا کہ معارف السنن میں ہے: ”فمن بناه بالأجر لایحصل له هذ الوعد نعم یوجر فی الجملة.“ (۳/۲۹۹)

[2] معارف السنن میں ہے: ”مسجداً التنوین فیه للتنکیر لیعم کل مسجد صغیراً کان أو کبیراً“ (معارف:۳/۲۹۹)

"قدروی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من بنی للّٰہ مسجداً صغیراً کان أو کبیراً بنی للّٰہ لہ بیتاً فی الجنۃ."

(ترمذی: ص۷۳)

ترجمہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے لیے مسجد بنائے چھوٹی ہو یا بڑی اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔"

انتہت المقدمۃ

بابِ اوّل

مساجد کے فضائل ومقاصد

مذکورہ بالا اوراق سے مساجد کی اہمیت وعظمت وضرورت بخوبی واضح ہوتی ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلے جو گھر بنا وہ بیت اللہ تھا پھر حضور علیہ السلام نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد سب سے اول مسجدِ قباء اور مسجدِ نبوی کی تعمیر فرمائی اپنا گھر بعد میں بنایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل میں قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے نمونہ تھا کہ اپنا گھر بنانے سے پہلے کسی محلّہ وبستی کی آبادی میں سب سے پہلے اللہ کا گھر (مسجد) بنائی جائے اور مزید برآں فضائل بیان کر کے مسجدیں بنانے کی ترغیب دی گئی تا کہ ہر مسلمان خوشی خوشی اللہ کے گھر کی تعمیر میں حصہ لے سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے تمام شعبے اپنی مسجد سے پوری کر کے مسجدِ نبوی کو رشد وہدایت تعلیم وتعلّم، دعوت وتبلیغ، وعظ ونصیحت کا مرکز بنا کر باقی تمام مساجد کے لیے عملی نمونہ پیش کیا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عمارت کی ایک خاص قسم جس کا نام مسجد ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کیا ہوا ایک نظام ہے سب سے پہلے جو مسجد مدینہ منورہ میں بنائی گئی وہ پانچوں وقت کے نماز کی جگہ بھی تھی اس میں صفہ کا مدرسہ بھی تھا اسی کے ملحقہ حصہ میں مسافر بھی ٹھہرائے جاتے تھے زخمیوں کے لیے خیمہ بھی اسی حصے میں گاڑا جاتا تھا مقدمات بھی اسی عمارت میں طے ہوتے تھے بس ہمیں جو کچھ کرنا ہے سب کا عملی نمونہ اس پہلی مسجد میں قائم کر دیا گیا۔ انہی کاموں کے آج بھی مساجد میں کرنے کی ضرورت ہے شریعتِ مطہرہ میں مساجد کا قیام بے حد ضروری واہم

ہے کہ ہر انسان کی دین و دنیا کی فلاح و بہبود و ترقی اسی نظامِ مسجد سے وابستہ ہے اسی وجہ سے آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے مسجد کو آباد کرنے مسجد سے تعلق رکھنے کے بے شمار فضائل منقول ہیں کہ ان فضائل کو سن کر ہر مسلمان کے دل میں مسجد کو آباد کرنے کا مسجد میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کا شوق پیدا ہو اور اللہ سے تعلق میں دن بدن اضافہ ہو۔ ذیل میں اس سلسلے کی چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

احادیثِ نبویہ کی روشنی میں مساجد کا مقام

❶ ...... عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم احب البلاد الٰی اللّٰه مساجدها و ابغض البلاد الٰی اللّٰه اسواقها. (مسلم شریف:۱/۲۳۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو سب سے زیادہ محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے مبغوض (ناپسند) جگہیں بازار ہیں۔

مساجد آسمان والوں کے لیے چمکتی ہیں

❷ ...... عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال المساجد بيوت اللّٰه فی الأرض تضیء لاهل السماء كما تضیء نجوم السماء لأهل الأرض. (مجمع الزوائد:۲/۱۱۰)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مساجد آسمان والوں کے لیے ایسے چمکتی ہیں جیسے زمین والوں کے لیے ستارے۔

مسجدیں آخرت کا بازار ہیں

❸ ...... عن ابی الدرداء رضی اللّٰه عنه قال قال رسول صلی اللّٰه عليه وسلم المساجد سوق من اسواق الآ خرة من دخلها كان ضيفا

للّٰہ قراہ الجنة و تحفته الکرامة. (کنز العمال، ماخوذ از روضۃ المساجد:ص ۱۸)

آپ ﷺ نے فرمایا مسجدیں آخرت کا بازار ہیں جو اس میں داخل ہوا وہ اللہ کا مہمان ہے اس کی مہمان نوازی جنت اور اس کا تحفہ عزت ہے۔

مسجد میں جانے پر جنت میں مہمان نوازی

❹ ...... عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم من غدا الٰی المسجد اور اح اعداللّٰه له نزلاً من الجنة كلما غدا او راح. (بخاری:۱/۹۱)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح یا شام مسجد جاتا ہے جب بھی جائے جتنی مرتبہ جائے ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمان نوازی کا انتظام فرماتے ہیں۔

مسجدوں سے تعلق ایمان کی علامت ہے

❺ ...... عن ابی سعيد الخدری رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم اذا رائيتم الرجل يتعا هدالمسجدفا شهدوا له بالا يمان فان اللّٰه يقول وانمايعمر مساجد اللّٰه الخ۔ (مشکوۃ:۶۹)

آپ ﷺ نے فرمایا جب کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کا عادی ہے تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دے دو۔

مسجد کی طرف جانے والے کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے

❻ ...... عن ابی امامه رضی اللّٰه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ثلثة كلهم ضامن علٰی اللّٰه رجل خرج غازياً فی سبيل اللّٰه فهو ضامن علٰی اللّٰه حتی يتوفاه فيدخله الجنة او يرده بما نال من

اجر وغنيمة ورجل راح الٰى المسجد فهو ضامن علٰى اللّٰه ورجل دخل بيته بسلام فهو ضامن علٰى اللّٰه. (مشکوۃ:۷۰)

آپ علیہ السلام نے فرمایا تین شخصوں کا اللہ ضامن ہے

① ......ایک وہ شخص جو اللہ کے راستے میں مجاہد بن کر نکلا تو اس کی حفاظت اللہ کے ذمّہ ہے حتیٰ کہ اسے موت دے کر جنت میں داخل کر دے یا اسے مالِ غنیمت کے ساتھ لوٹا دے۔

② ......ایک وہ شخص جو مسجد کی طرف جائے اس کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے۔

③ ......ایک وہ شخص جو اپنے گھر میں سلام کر کے داخل ہو اس کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے۔

صبح وشام مسجد میں جانا جہاد میں داخل ہے

❼ ...... عن ابى امامة رضى اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لغدو والرواح الٰى المسجد من الجهاد فى سبيل اللّٰه.

(رواہ الطبرانی۔ مجمع الزوائد: ۲/۱۴۷)

آپ علیہ السلام نے فرمایا صبح وشام مسجد جانا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے میں داخل ہے۔

مسجد سے محبت اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے

❽ ...... عن ابى سعيد الخدرى رضى اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من ألف المسجد ألفه اللّٰه. (مجمع:۱۳۵)

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص مسجد سے محبت رکھتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔

مسجد ہر متقی کا گھر ہے

❾ ...... عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول المسجد بیت کل تقی و تکفل اللّٰہ لمن کان المسجد بیتہ بالروح و الرحمۃ و الجواز علی الصراط الی رضوان اللّٰہ الی الجنۃ. (رواہ الطبرانی وقال اسنادہ حسن۔ مجمع:۲/۱۳۴)

آپ علیہ السلام نے فرمایا مسجد ہر متقی کا گھر ہے اور جس کا گھر مسجد ہو اللہ نے اس کے لیے ذمہ داری لی ہے اس بات کی کہ اسے راحت دوں گا اس پر رحمت کروں گا پل صراط کا راستہ آسان کر دوں گا اپنی رضا نصیب کروں گا اور اسے جنت عطا کروں گا۔

مسجد والے اہل اللہ ہیں

❿ ...... عن انس رضی اللّٰہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ان عمار بیوت اللّٰہ عز وجل ہم اہل اللّٰہ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۱۱۵)

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے گھروں کو آباد کرنے والے اللہ والے ہیں۔

مسجد کے کھونٹے

⓫ ...... عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان للمساجد اوتادا الملائکۃ جلساؤھم ان غابوا یفتقدونھم و ان مرضوا عادوھم وان کانوا فی حاجۃ اعانوھم. (رواہ احمد:۲/۴۱۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ مسجد کے کھونٹے ہیں (یعنی کثرت سے مسجد میں رہتے ہیں) فرشتے ان کے ہم نشیں ہوتے ہیں اگر وہ مسجدوں میں موجود نہ ہوں تو

فرشتے ان کو تلاش کرتے ہیں اگر وہ بیمار ہو جائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں اگر وہ کسی ضرورت کے لیے جائیں تو فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں۔

مسجد میں بیٹھنے والا فائدے سے خالی نہیں

۱۲ ...... عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم جليس المسجد علٰى ثلاثِ خصال اخ مستفاد اوكلمة محكمة أو رحمة منتظرة. (مسند احمد:۲/۴۱۸)

آپ ﷺ نے فرمایا مسجد میں بیٹھنے والا تین فائدوں میں سے ایک نہ ایک فائدہ ضرور حاصل کرتا ہے۔ کسی بھائی سے ملاقات ہو جائے تو دینی فائدہ حاصل ہو جاتا ہے یا کوئی حکمت کی بات سننے کی مل جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت مل جاتی ہے جس کا ہر مسلمان کو انتظار ہوتا ہے۔

مسجد کو لازم پکڑو

۱۳ ...... عن معاذ رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال اياكم والشعاب و عليكم بالجماعة والعامة والمساجد.

(رواہ احمد:۵/۲۳۲)

آپ ﷺ نے فرمایا گھاٹیوں میں علیحدہ علیحدہ ٹھہرنے اور متفرق ہونے سے بچو اجتماعیت اور عام لوگوں میں رہنے کو اور مسجد کو لازم پکڑو۔

اندھیروں میں بکثرت مسجد جانے والوں کو مکمل نور کی خوشخبری

۱۴ ...... عن بريدة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم بشروا المشائين فی الظلم الی المساجدبالنور التام يوم القيٰمة. (مشکوٰۃ:۶۹)

آپ ﷺ نے فرمایا جولوگ اندھیروں میں بکثرت مسجد کی طرف جاتے ہیں ان کو قیامت کے دن کے پورے پورے نور کی خوشخبری سنادو۔

مسجد کی طرف باوضو جانے کے فضائل

⓯ ...... عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من تطهر فی بيته ثم يمشی الی بيت من بيوت اللّٰه يقتضی فريضة من فرائض اللّٰه كانت خطواته احدا هما تحط خطيئة والاخری ترفع درجة. (مسلم:۱/۲۳۵)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف جائے کسی فریضہ کی ادائیگی کے لیے تو ایک قدم پر اس کا گناہ معاف ہوتا ہے اور دوسرے قدم پر اس کا درجہ بلند ہوتا ہے۔

مسجد کی طرف آنے جانے کے ہر قدم پر ثواب

⓰ ...... عن ابی بن كعب رضی اللّٰه عنه قال كان رجل لا اعلم ابعد منه من المسجد و كان لا تخطئه صلٰوة فقيل له اوقلت لواشتريت حمارا تركبه فی الظلماء اوفی الرمضاء قال مايسر بی ان منزلی الٰی جنب المسجد انی اريد ان يكتب لی ممشای الٰی المسجد و رجوعی اذارجعت الٰی اهلی فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قد جمع اللّٰه لك ذالك كله. (مسلم:۱/۲۳۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص میرے علم کے مطابق مسجد سے سب سے زیادہ فاصلہ پر رہتے تھے مگر ان کی ایک نماز بھی نہیں نکلتی تھی (یعنی ہر نماز میں حاضر) لوگوں میں سے کسی نے یا میں نے ان سے کہا کہ آپ ایک سواری (گدھا) کیوں نہیں خرید لیتے کہ رات کی تاریکی میں اور دوپہر کی گرمی میں سوار

ہو کر آجایا کریں تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اس کی خواہش نہیں کہ میرا گھر مسجد کے قریب ہو جائے میری تو تمنا یہ ہے کہ اسی طرح آنے جانے کے ہر قدم پر مجھے ثواب ملے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ نے تمہارے لیے ایسا ہی آنے اور جانے کا ثواب جمع کر دیا۔

جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے

⓱ ...... عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم سبعة يظلهم اللّٰه فی يوم لا ظل الا ظله امام عادل ورجل شاب نشاء فی عبادة اللّٰه ورجل قلبه معلق بالمسجد اذا خرج منه حتی يعود اليه. (مشکوۃ:۶۸)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن سات آدمی اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے اس میں سے ایک وہ ہے جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے اگر کسی ضرورت سے باہر جائے تو واپس مسجد میں آنے کا خواہش مند ہو۔

مسجد مضبوط قلعہ ہے

⓲ ...... عن عبدالرحمٰن بن مقفل رضی اللّٰه عنه كنا نتحدث ان المسجد حصن حصين من الشيطان. (مرقاۃ:۲/۱۸۳)

عبداللہ بن مقفل بیان کرتے ہیں ہم آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ مسجد شیطان سے بچنے کے لیے ایک مضبوط قلعہ ہے۔

مسجد میں آنے والا اللہ کا زائر ہے

⓳ ...... عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال المساجد بيت اللّٰه فی

الارض وحق علٰی المزور ان یکرم زائرہ. (مرقاۃ:۲/۱۸۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مساجد زمین میں اللہ کا گھر ہیں اور میزبان کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ مہمان کا اعزاز واکرام کرے۔

مسجد میں نماز کا انتظار کا ثواب

۲۰ ...... عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال الملائکة تصلی علٰی احد کم مادام فی مصلاه مالم یحدث اللهم اغفرله اللهم ارحمه لا یزال احد کم فی صلاة ماکانت الصلاة تحبسه لا یمنعه ان ینقلب الی اهله الا الصلاة.

(بخاری:۱/۹۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک آدمی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ اس کو معاف فرما اس پر رحم فرما اور جب تک نماز کے انتظار میں رہے نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

مسجد سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا معمول

مذکورہ بالا فضائل کی بناء پر صحابہ کرام مسجد میں جانے اور مسجد میں آداب کے ساتھ وقت گزارنے کا بہت اہتمام فرماتے تھے اس کے ساتھ ساتھ مسجد کی صفائی ستھرائی اور اس کی خدمت کو بھی ازخود کارِ سعادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔

۱ ......حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کے دن مسجدِ نبوی کو دھونی دیا کرتے تھے۔

۲ ......حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا جو کہ بصرہ کے نگران تھے۔

”ان یتخذ للجماعة مسجداً وللقبائل مسجدا فاذا کان یوم الجمعة انضمو الی مسجد الجما عة.“(حیاۃ الصحابہ:۳/۱۵۳)

کہ جماعت کی ادائیگی کے لیے اور ہر قبیلے کے لیے علیحدہ مسجد بنائی جائے لیکن جمعہ کے دن سب جامع مسجد میں آ کر جمعہ پڑھیں۔

۳...... حضرت عمر و حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ثواب سمجھ کر مسجدِ نبوی کی توسیع کی۔

۴...... صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ نے دور سے چل کر اہتمام کے ساتھ مسجد آنے اور جانے کو باعثِ اجر و ثواب سمجھا اور حضور عَلَیْہِ السَّلَامُ نے اس کو درست و صحیح قرار دیا۔

۵...... حضرت ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ چل رہا تھا وہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھ رہے تھے حتیٰ کہ مسجد میں داخل ہو گئے پھر کہا اے ثابت کیا جانتے ہو کہ میں اس طرح کیوں چلا میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں پھر فرمایا اس لیے تاکہ نماز کی طرف قدم زیادہ ہو جائیں۔

(حیاۃ الصحابہ: ۳/۱۵۴)

۶...... حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مسجد میں لگے ہوئے ایک حلقہ کے پاس کھڑے ہوئے فرمایا تمہیں کس چیز نے بٹھایا ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم بیٹھ کر اللہ کا ذکر کر رہے تھے حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دوبارہ تاکیداً پوچھا کہ واقعۃً اسی لیے بیٹھے تھے پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور عَلَیْہِ السَّلَامُ بھی اسی طرح ایک حلقہ کی طرف نکلے تھے اور یہ ہی سوال کیا تھا کہ کیوں بیٹھے ہو انہوں نے بھی یہ ہی جواب دیا تھا کہ اللہ کا ذکر حمد و ثناء کے لیے بیٹھے ہیں اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے قسم دے کر اس کی تاکید کی تھی پھر فرمایا کہ میں نے کسی تہمت کے لیے تمہیں قسم نہیں دی لیکن جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر کر رہے ہیں۔

(حیاۃ الصحابہ: ۳/۱۵۹)

۷...... ابوہریرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بازار والوں سے فرمایا تم یہاں کیا کر رہے ہو مسجد میں حضور عَلَیْہِ السَّلَامُ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے لوگ دوڑتے ہوئے گئے اور واپس آ کر

کہنے لگے کہ ہم نے تو وہاں کچھ تقسیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ابو ہریرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ تم نے وہاں کیا دیکھا کہنے لگے کہ ہم نے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے کسی کو قرآن پڑھتے ہوئے کسی کو حلال وحرام کا تذکرہ کرتے ہوئے پایا ابو ہریرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے فرمایا یہی تو نبی عَلَیْہِ السَّلَامُ کی میراث ہے۔ (حیاۃ الصحابہ:۱۶۲/۳)

۸ ...... سعد بن معاذ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ زخمی ہوئے تو آپ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے ان کا خیمہ مسجد میں ہی لگوایا۔ (حیاۃ الصحابہ:۱۶۳/۳)

۹ ...... جب کبھی تیز ہوا (آندھی) چلتی یا سورج و چاند گرہن ہوتا آپ عَلَیْہِ السَّلَامُ اور صحابہ مسجد ہی کی طرف دوڑتے تھے۔

۱۰ ...... آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے صحابہ مسجد میں پیاز لہسن اور بدبودار چیز کھا کر آنے کو مسجد میں تلوار سونتنے کو تھوکنے کو مسجد میں گم شدہ چیز کے اعلان کرنے کو اور انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بیٹھنے کو ناپسند سمجھتے تھے۔

۱۱ ...... حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب مسجد کی طرف نکلتے تو فرماتے مسجد میں شور مچانے سے اور فضول بات کرنے سے بچو اور فرماتے کہ ہماری مسجد میں آوازوں کو بلند نہ کیا جائے اور اگر کسی کو بلانا ہوتا تو کنکری مار کر اپنی طرف متوجہ کر کے اشارہ سے بلواتے تھے۔

۱۲ ...... صحابہ کرام کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی مسجد میں حلقہ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے اچانک آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ حجرہ سے نکلے حلقوں کی طرف دیکھا پھر قرآن والوں کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ (حیاۃ الصحابہ:۱۶۱/۳)

۱۳ ...... حضرت علی المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مسجد میں کچھ شور سنا کہ لوگ قرآن پڑھ اور پڑھا رہے تھے تو حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہو یہ ہی لوگ آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو زیادہ محبوب تھے۔

۱۴ ...... حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ابن معاویہ کندی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا کہ ملکِ شام کی مسجد میں مختلف مجالس ہوتی ہیں اور ہر مجلس میں مختلف قوموں کے لوگ

ہوتے ہیں اور لوگ ان میں بیٹھ کر خیر کے اعمال سیکھتے ہیں اوران کے بارے میں مذاکرہ کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تک تم ایسے رہو گے خیر پر رہو گے۔

(حیاۃ الصحابہ: ۳/۱۶۳)

⓯......آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے وفدِ بنی ثقیف کو مسجد میں ہی ٹھہرایا۔

مسجد کے مقاصد

قرآنِ پاک کی آیاتِ مبارکہ واحادیثِ نبویہ اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں مساجد کا ایک مکمل نظام ہے جو انتہائی اہمیت واعلیٰ حیثیت کا حامل اور مرکزی وکلیدی کردار کا مالک ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اس کا بہترین عملی نمونہ بن کر ہمارے سامنے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مسجد صرف رسمی مسجد نہ تھی (کہ پنج وقتہ نمازوں کے بعد بند ہو جائے) بلکہ یہ اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ تھا دارالعلوم، دارالعسکر، دارالاحسان، دارالتربیت، دارالدعوۃ والتبلیغ کے تمام کام اسی مسجد میں انجام پاتے تھے کہ بیک وقت وہ مسجد عبادت گاہ، مدرسہ، خانقاہ، معسکر، مرکزِ دعوت وتبلیغ، تمام حیثیتوں کی حامل تھی ضرورت اس بات کی ہے تمام مساجد کی اصلاح ہو اور ہر مسجد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا عملی نمونہ پیش کرے کہ اسلامی معاشرے کی اصلاح اور دین کی ترقی وانسانیت کی ہدایت فلاح و بہبود کا راز اسی میں مضمر (پوشیدہ) ہے۔

مقاصدِ مسجد سے متعلق قرآنی آیات واحادیث نبویہ

❶......ارشادِ ربانی ہے:

﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿٣٦﴾﴾ (سورۃ النور: ۳۶)

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ نے اولاً مساجد بنانے اوران کی تعظیم کرنے اوران کی صفائی ستھرائی رکھنے کا حکم دیا اور ثانیاً مساجد کے مقاصد کو بیان کیا کہ ان مسجدوں میں اللہ

کا ذکر کیا جائے اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کی جائے۔

مفسرین رَحِمَہُمُ اللہُ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ شریفہ میں ”یذکر فیھا اسمہ“ میں ہر قسم کا ذکر شامل ہے تسبیح، تحمید، نفلی نماز، تلاوتِ قرآن وعظ و نصیحت، علمِ دین کی تعلیم علومِ دینیہ کے تمام مشاغل، تمام علمی حلقے سب اس میں داخل اور مقاصدِ مسجد میں شامل ہیں۔[1]

”یسبح لہ فیھا بالغد و الآصال“ سے مراد نمازوں کی ادائیگی ہے کہ اکثر مفسرین رَحِمَہُمُ اللہُ عَلَیْہِ نے اس تسبیح کو نماز پر محمول کیا ہے پھر بعض کے نزدیک اس سے پانچوں نمازیں مراد ہیں اور ان دو وقتوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ ان وقتوں کی فضیلت اور شرف کا زیادہ ہونا ہے یا یہ کہ ان دو وقتوں میں مشاغل کی کثرت کی وجہ سے نماز میں آنا مشکل ہوتا ہے اس لیے اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا اور بعض مفسرین رَحِمَہُمُ اللہُ عَلَیْہِ نے اس کو فجر و عصر کی نماز پر محمول کیا ہے کہ شروع میں یہ ہی دو نمازیں واجب تھیں بعد میں زیادتی کی گئی۔[2]

❷ ...... حدیثِ نبوی ہے:

---

[1] تفسیر کبیر میں ہے: اختلفوا فی المراد من قولہ (ویذکر فیھا اسمہ) فالقول الاول انہ عام فی کل ذکر والثانی ان یتلٰی فیھا کتابہ والثالث لا یتکلم فیھا بما لا ینبغی والاول اولٰی لعموم اللفظ. (۳۹۶/۸)

روح المعانی میں ہے: والمراد بذکر اسمہ تعالٰی شانہ ما یعم جمیع اذکارہ تعالٰی وجعل من ذالك المباحث العلمیة. (روح:۱۷۶/۱۰)

[2] تفسیر کبیر میں ہے: اختلفوا فی ھذہ التسبیح فالاکثرون حملوہ علٰی نفس الصلاة ثم اختلفوا فمنھم من حملہ علٰی کل الصلوات الخمس ومنھم من حملہ علٰی صلاتی الصبح والعصر فقال کانتا واجبتین فی ابتداء الحال ثم زید فیھما. (کبیر:۳۹۷/۸)

روح المعانی میں ہے: والمراد بہ اما ظاھر اوالصلاة لاشتمالھا علیہ وروی ھذا عن ابن عباس والحسن والضحاك وافراد ھما بالذکر لشر فھما و کونھما اشھر ما یقع فیہ المباشرة للاعمال. (روح:۱۷۶/۱۰)

"عن انس رضی اللّٰہ عنه قال بينما نحن فی المسجد مع رسول صلی اللّٰه عليه وسلم اذجاء اعرابی فقام يبول فی المسجد فقال اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم مه مه. فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم لاتزرموه دعوه فتركوه حتی بال ثم ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم دعاه فقال له ان هذه المساجدلا تصلح لشئی من هذا البول و القذروانماهی لذكراللّٰه والصلاة و قرأة القرآن." (مشکوۃ:۵۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسے روکنا چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو اسے نہ روکو جب اس نے پیشاب کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا کر فرمایا کہ ان مسجدوں میں پیشاب کرنا گندگی وغیرہ ڈالنا کسی طرح بھی مناسب نہیں یہ مسجدیں تو اللہ کا ذکر تلاوتِ قرآن اور نماز باجماعت کی ادائیگی کے لیے بنی ہیں۔

مسجد کا پہلا مقصد باجماعت نماز کی ادائیگی

شریعتِ اسلام میں توحید وایمان کے بعد سب سے پہلا حکم و درجہ نماز کا ہے قرآنِ مجید کی بے شمار آیات و کثیر احادیثِ نبویہ میں نماز کے فضائل واہتمام کو بیان کیا گیا ہے اور نہ پڑھنے پر وعیدیں بھی بہت ہیں حتیٰ کہ نماز کے چھوڑنے کو کفر وایمان کے درمیان فرق قرار دیا گیا ہے اور جہاں نماز پڑھنے کا حکم اور اس پر فضائل اور نہ پڑھنے پر وعیدیں ہیں وہیں قرآنِ پاک واحادیثِ نبویہ کے الفاظ واضح طور پر بتلاتے ہیں کہ مردوں کے

لیے نمازوں کی ادائیگی مسجد میں باجماعت ہی مطلوب ہے اسی وجہ سے جماعت کے بارے میں تاکید وفضائل اور جماعت کے چھوڑنے پر وعیدیں بھی منقول ہیں۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

❶ ...... ﴿وَٱرْكَعُواْ مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾﴾ (سورۃ بقرہ:۴۳)

ترجمہ: ”رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔“

روح المعانی میں ہے ”ای صلوا مع المصلین“ مفسرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے باجماعت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔[1]

❷ ...... ﴿وَأَقِيمُواْ وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَٱدْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾ (سورۃ الاعراف:۲۹)

ترجمہ: ”سیدھا کرو اپنے چہرے کو ہر مسجد کے پاس اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ عبادت اسی کے لیے خالص ہو۔“

روح المعانی و احکام القرآن اور تفسیر احمدی میں منقول ہے کہ اس آیت میں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا حکم ہے۔[2]

❸ ...... صلاۃ الخوف کی آیت: ﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ ٱلصَّلَوٰةَ﴾ (سورۃ النساء: آیت ۱۰۲)

اس آیت میں خوف و جنگ کی حالت میں بھی باجماعت نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا ہے۔ علامہ ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

”امرهم بالجماعة حال الخوف يدل علىٰ وجوبها حال الأمن بالاولىٰ.“ (التعلیق الصبیح:۲/۳۴)

---

[1] دیکھیے بیضاوی:۱/۱۷، روح المعانی:۱/۲۴۷، تفسیر کبیر:۱/۴۸۷، کشاف:۱/۵۳

[2] احکام القرآن للجصاص میں ہے: والثانى فعل الصلوة فى المسجد وذلك يدل علىٰ وجوب فعل المكتوبات فى جماعة لان المساجد مبنية للجماعات. (احکام القران للجصاص:۱/۳۱۱۰)

کہ خوف کی حالت میں جماعت کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ حالتِ امن میں تو بدرجہ اولیٰ نماز باجماعت واجب ہوگی علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہ عَلَیْہِ لکھتے ہیں کہ نماز باجماعت کے وجود پر اس آیت سے بہترین استدلال ہے۔ (ابن کثیر:۱/۵۱۹)

۴ ...... جماعت کے چھوڑنے پر وعید ہے۔

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾﴾ (سورۃ ن: آیت ۴۲)

تَرجَمہ: ''کہ قیامت کے دن ان لوگوں پر ندامت و ذلت چھائی ہوئی ہوگی ان کی آنکھیں شرم یا خوف کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں گی۔''

کعب احبار رَحِمَہُ اللّٰہ عَلَیْہِ و علامہ ابراہیم التیمی رَحِمَہُ اللّٰہ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ یہ وعید ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کو اذان و اقامت کے ذریعہ فرض نماز کی طرف بلایا جاتا تھا پھر بھی وہ بغیر عذر کے جماعت سے پیچھے رہ جاتے تھے۔

(التعلیق الصبیح ۲/۳۴)

اور بے شمار احادیثِ مبارکہ ہیں جن سے باجماعت نماز مسجد میں ادا کرنے کی فضیلت و اہتمام اور ترغیب ثابت ہوتی ہے ذیل میں نمونہ کے طور پر چند احادیث ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے مزید کے لیے فضائل کی کتب دیکھ لی جائیں۔

۱ ...... مسلم شریف کی روایت ہے:

''عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال صلاۃ الجماعة افضل من صلاۃ الفذ بسبع و عشرين درجة.'' (رواہ مسلم:۱/۲۳۱)

''آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے اجر و ثواب میں ستائیس درجہ زیادہ ہے۔''

۲ ...... مسلم شریف کی روایت ہے:

''من سره ان يلقى الله غدا مسلماً فليحافظ علىٰ هولاء الصلوات حيث ينادى بهن فان الله شرع لنبيكم سنن الهدىٰ وانهن من سنن الهدىٰ ولوا نكم صليتم فى بيوتكم كمايصلى هذا المتخلف فى بيته لتركتم سنة نبيكم ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم.'' الخ (مسلم:۱/۲۳۲)

''کہ جس شخص کو یہ بات خوش کرے کہ وہ کل (قیامت کے دن) اللہ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملاقات کرے تو ان نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان دی جاتی ہے (یعنی مساجد میں) کہ اللہ نے تمہارے نبی ﷺ کے لیے ہدایت کی سنتوں کو مشروع فرمایا ہے اور نماز کو باجماعت ادا کرنا سنن ہدیٰ میں سے ہے اگر تم اپنے گھر میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں (منافق) پڑھتا ہے تو تم بلاشبہ اپنے نبی کی سنت کو چھوڑنے والے بنو گے اور اگر تم اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے تو یقیناً گمراہی میں پڑو گے۔''

نیز احادیثِ مبارکہ میں باجماعت نماز کی ادائیگی کو مغفرت کا اللہ کے خوش ہونے کا اللہ کی حفاظت میں آنے کا اور نماز باجماعت کی کثرت کو اللہ کی محبوبیت بڑھنے کا ذریعہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

جماعت کے چھوڑنے پر وعید

احادیثِ مبارکہ میں بغیر عذر کے نماز چھوڑنے پر وعیدیں ہیں کہ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جو لوگ جماعت کے وقت گھروں میں ہوں ان کے گھروں کو جلا دوں۔ (بخاری:۱/۷۹)

اور فرمایا جو لوگ اذان کی آواز سن کر بلا عذر مسجد میں نہیں جاتے ان کی نماز قبول

نہیں ہوتی یعنی ثواب نہیں ملتا۔ (مشکوۃ:۹۷)

اور اللہ کے منادی مؤذن کی آواز سن کر نماز کے لیے نہ جانے کو ظلم اور کفر و نفاق کا عمل قرار دیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام جماعت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"لماثقل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم واشتد به وجعه استاذن ازواجه فی ان یمرّض فی بیتی فأذن له فخرج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بین رجلین تخط رجلاہ فی الارض." (بخاری:۱/۳۲)

"کہ جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام بیمار ہوئے اور آپ کا مرض بڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کی اجازت سے میرے گھر میں بیماری کے دن گزار رہے تھے تو اس حالت میں بھی آپ علیہ الصلاۃ والسلام دو آدمیوں کا سہارا لے کر (مسجد جانے کے لیے) نکلے اور یہ حالت تھی کہ زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں مبارک اچھی طرح جمتا بھی نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔"

صحابہ کا اہتمامِ جماعت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"لقد رأیتنا و مایخلف فی الصلاۃ الامنافق قد علم نفاقه او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتیٰ یأتی الصلاۃ."

"کہ ہم تو اپنا یہ حال دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہوتا تو وہ تو

جماعت سے رہ جاتا تھا ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے سے گھسٹتا ہوا جا سکتا تھا وہ بھی صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔"

اور اس کے علاوہ بھی صحابہ کے اہتمام جماعت کے بے شمار قصے ہیں کہ آیت "لا تلهيهم تجارة" انہیں صحابہ کی تعریف میں نازل ہوئی تھی جو اذان کی آواز سن کر دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف دوڑتے تھے۔

جماعت کی حیثیت وحکم

احناف کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنتِ مؤکدہ قریب الواجب ہے اور بعض نے اس کو واجب بھی کہا ہے کہ اس کے چھوڑنے پر وعیدیں بڑی سخت ہیں۔[1]

پورا محلّہ جماعت کو چھوڑ دے

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی علاقہ شہر یا محلّہ والے بالکلیہ جماعت کو چھوڑ دیں تو اولاً ان کو سمجھایا جائے نہ مانیں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔[2]

جو شخص جماعت چھوڑنے کا عادی ہو

فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ جو شخص کسی شرعی عذر کے بغیر جماعت کا چھوڑنے والا ہو اور اس کا عادی بن چکا ہو تو اس کے پڑوسیوں واہل محلّہ کی ذمہ داری ہے کہ اسے سمجھائیں اس کے جماعت سے غیر حاضر ہونے پر خاموشی اختیار نہ کریں ورنہ وہ شریعت کی نظر میں گناہ گار ہوں گے اور ایسے شخص (جو باجماعت نماز نہ پڑھنے کا عادی

---

[1] فتاویٰ شامی میں ہے: والجماعة سنة مؤكده للرجال قال الزاهدی ارادوا بالتاكيد الوجوب. (شامی:۱/۵۵۲، بحر:۱/۳۴۴، عالمگیری:۱/۸۳)

[2] بحر میں ہے: لا يرخص لاحد فی تركها بغير عذر حتی لو تركها اهل مصر يؤمرون بها فأن ائتمروا والا يحل مقاتلتهم. (بحر:۱/۳۴۵)

ہو) کی گواہی مردود قرار دی جائے گی اور وہ شخص سزا کا مستحق ہوگا۔[1] کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسجد کی نماز سے غیر حاضری گناہِ کبیرہ ہے کہ اگر گناہِ کبیرہ نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھروں کے جلانے وگرانے کی تہدید (دھمکی) نہ فرماتے۔

عذر سے کیا مراد ہے

آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ عذر سے کیا مراد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی خوف ہو یا بیماری ہو لہٰذا ایسا مرض جو کہ نماز کے لیے جانے سے مانع ہو یا کسی دشمن یا جانور وغیرہ کا خوف ہو تو ان اعذار کی بناء پر جماعت چھوڑنا جائز ہو جاتا ہے ترمذی کی ایک روایت میں بارش کو بھی عذر شمار کیا ہے اسی طرح بہت بوڑھا جو چلنے پر قادر نہ ہو یا وہ نابینا جس کے ساتھ کوئی رہبر نہ ہو یہ بھی معذورین میں داخل ہیں اور مرض سے مراد ایسا مرض جس کی وجہ سے تیمّم کرنا جائز ہو جائے۔ (از بذل المجہود: ۱/۳۱۳)

جماعت چھوڑنے کے بیس اعذار

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظم میں ان بیس اعذار کو جمع کیا ہے جن کی وجہ سے جماعت چھوڑنے پر گناہ نہیں ہوگا۔

① ...... برص ② ...... اپاہج ③ ...... اندھاپن ④ ...... بیماری ⑤ ...... بارش (بشرطیکہ شدید ہو) ⑥ ...... کیچڑ ⑦ ...... شدید سردی جو نقصان پہنچانے والی ہو ⑧ ...... ہاتھ پاؤں کٹا ہوا ہونا ⑨ ...... فالج زدہ ہونا ⑩ ...... کسی بوڑھے کا چلنے سے عاجز ہونا ⑪ ...... ایک ہاتھ یا ایک پیر کا کٹا ہوا ہونا ⑫ ...... سفر کا ارادہ کرنا ⑬ ...... کسی ظالم کی طرف سے مال پر خوف کا ہونا ⑭ ...... یا قرض خواہ کی طرف سے خوف ہونا ⑮ ...... موجود کھانے کی خواہش ⑯ ...... تاریک رات میں سخت ہوا ⑰ ...... کسی تکلیف دہ

---

[1] بحر میں ہے: يجب التعزير على تاركها بغير عذرٍ ويأثم الجيران بالسكوت وترد شهادته. (بحر: ۱/۳۴۵)

مرض کے لاحق ہونے کا خطرہ (۱۸۔۱۹)...... پیشاب یا پائخانہ کا تقاضہ (۲۰)...... کسی فقہی کام میں مشغول ہونا۔ (شامی:۱/۵۵٦)

عذر کی وجہ سے جماعت چھوڑنے پر ثواب کی تفصیل

ان میں سے وہ اعذار جو واقعتاً جماعت میں حاضر ہونے سے مانع ہیں جیسے شدید مرض، بڑھاپا، فالج زدہ ہونا اگر ان تین اعذار میں سے کسی عذر کی وجہ سے جماعت میں حاضر نہ ہوسکا اور اگر یہ اعذار نہ ہوتے تو اس کی نیت جماعت میں حاضر ہونے کی تھی تو اس کو جماعت کا ثواب ملے گا۔

البتہ ان تین اعذار کے علاوہ جو اعذار ہیں چونکہ وہ مانع نہیں ہیں کہ اگر جانا چاہے تو جا سکتا ہے اس وجہ سے ان اعذار کی وجہ سے جماعت کے چھوڑنے پر گناہ تو نہیں ہوگا لیکن جماعت کا ثواب بھی نہیں ملے گا آپ ﷺ نے عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا صحابی سے فرمایا "لا اجدلك رخصة" میں آپ کے لیے رخصت نہیں پاتا یعنی اس بات میں کہ جماعت میں حاضر ہوئے بغیر آپ کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے میں اس کی رخصت نہیں پاتا کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عتبان بن مالک نابینا صحابی کو جماعت سے حاضری کی رخصت دی تھی۔[1]

خلاصہ...... یہ ہے کہ مذکورہ تین اعذار کے علاوہ باقی اعذار میں کوشش و ہمت کر کے مسجد کی جماعت میں حاضر ہونا چاہیے تا کہ ثواب زیادہ ملے اور اگر ان اعذار کی وجہ سے نہ جا سکے تو گناہ نہیں ہوگا مذکورہ بالا اعذار کے علاوہ دیگر مصنوعی اعذار سستی، نیند، کاروباری مشغولیت، گھریلو مشغولیت اپنے شہر میں ہی سفر وغیرہ ان اعذار کی وجہ سے جماعت کا

---

[1] فتاویٰ شامی میں ہے: من غير حرج فبالحرج يرتفع الاثم ويرخص فى تركها ولكنه يفوته الافضل. واذ انقطع عن الجماعة لعذر من اعذارها وكانت النية حضورها لو لا العذر يحصل له ثوابها والظاهر ان المراد به العذر المانع كالمرض والشيخوخة. والفلج بخلاف نحو المطر والعمىٰ. (شامی:۱/۵۵۴)

چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

جماعت سے متعلق چند مسائل

اگر کوئی شخص ریاح کا مریض ہے اپنے گھر پر نماز پڑھنے میں عذر پیش نہیں آتا اور مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھنے میں وضوٹوٹ جاتا ہے یا سردی کی وجہ سے فوراً پیشاب آنے لگتا ہے یا اس قسم کا کوئی اور مرض ہے اس کے لیے جماعت چھوڑ کر گھر میں اکیلے ہی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے اسے گھر پر ہی جماعت کا ثواب ملے گا۔

کون سا مرض جماعت سے مانع ہے

بذل المجھود میں ہے ایسا مرض جس کی وجہ سے تیمّم کرنا جائز ہو جائے مثلاً سخت بخار یا جسم کے کسی حصہ پر شدید زخم یا پاؤں کی ہڈی کا ٹوٹا ہوا ہونا وغیرہ ایسے مرض کی وجہ سے جماعت چھوڑی جاسکتی ہے معمولی مرض جس میں مسجد جانے پر قادر ہو اس کی وجہ سے جماعت نہ چھوڑی جائے۔

بڑھاپا، فالج زدہ ہونا

بہت بوڑھا جو مسجد جانے پر قادر نہ ہو یا جسم فالج زدہ ہو چکا ہو ان کے لیے بھی جماعت چھوڑنے کی گنجائش ہے انشاء اللہ نیت پر ہی مسجد و جماعت کا ثواب ملے گا۔

پیشاب، پاخانہ یا بھوک کی وجہ سے ترکِ جماعت

نماز باجماعت تیار ہو اور بھوک کی شدت ہو کھانا بھی بالکل تیار ہو یا پیشاب، پائخانہ کی حاجت ہو تو ان حاجتوں کو نماز باجماعت پر مقدم کیا جاسکتا ہے البتہ اس کی عادت بنالینا اور اس کی وجہ سے عموماً جماعت کا چھوڑنا مناسب نہیں۔

ملازم کے لیے جماعت کا چھوڑنا

جو شخص ملازمت پیشہ ہو اس کے لیے اپنی ملازمت کی وجہ سے جماعت کا چھوڑنا

جائز نہیں جن کے پاس ملازمت کر رہا ہے اگر وہ جماعت سے روکیں تو روکنے والے سخت گناہ گار ہیں۔ اللہ کی نوکری (نماز کا ادا کرنا) سب سے پہلے ہے جہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہو اس ملازمت کو چھوڑ دیا جائے نماز با جماعت کو نہ چھوڑا جائے۔

دوکانداری کی وجہ سے جماعت کا چھوڑنا

بعض دفعہ نماز کے وقت میں دوکانداروں کے پاس خریدار آ جاتا ہے اور وہ اس میں مشغول ہو کر جماعت کو ضائع کر دیتے ہیں یا ویسے ہی دوکان پر بیٹھے رہتے ہیں اس انتظار میں کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی خریدار آ جائے یا کسی ایک کو دوکان پر چھوڑ جاتے ہیں کہ تم بعد میں نماز پڑھ لینا یہ سب صورتیں نماز کا اہتمام نہ ہونے اور دنیا سے محبت اور آخرت سے بے رغبتی اور اللہ رب العزت کی ذات پر بے اعتمادی کی دلیلیں ہیں صحابہ کرام و سلف کا معمول رہا ہے اذان کی آواز سنتے ہی سب کاروبار بند اب اللہ نے اپنی طرف بلا لیا اللہ کا حکم پورا کریں گے نماز پڑھیں گے اللہ بہتر سے بہتر برکت والی روزی دے گا لہٰذا اذان کی آواز سنتے ہی یا وقت ہوتے ہی تمام دنیاوی مصروفیات و مشغولیات کو چھوڑ کر مسجد کی طرف چل پڑیں اور نماز با جماعت ادا کریں۔

دوکان والوں کا مختلف مساجد میں نماز پڑھ لینا

بعض حضرات مساجد میں نماز کے مختلف اوقات ہونے کی بناء پر اپنی نمازوں کی ترتیب بناتے ہیں کہ ایک ساتھی ایک بجے والی نماز پڑھ لے دوسرا ڈیڑھ بجے والی بظاہر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں با جماعت نماز ادا کر لیں گے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معمول تجارت بند کر کے نماز ادا کرنے کا تھا بہر حال نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے۔

مسجد دور ہونے کی وجہ سے جماعت کا چھوڑنا

بعض علاقوں خصوصاً (بیرون ممالک) میں مساجد کافی فاصلے پر ہوتی ہیں پنج وقتہ نمازوں میں حاضری مشکل ہو جاتی ہے تو چونکہ حرج کی وجہ سے جماعت چھوڑی جاسکتی ہے اور مسجد کا دور ہونا بھی ایک حرج ہے لہٰذا مسجد کے دور ہونے کی وجہ سے جماعت چھوڑی جاسکتی ہے۔

دوری کا کتنا فاصلہ حرج کا ذریعہ ہے

مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو قیاس کیا ہے تیمّم کے مسئلہ پر کہ پانی ایک میل کے اندر تلاش کیا جائے اگر پانی ایک میل سے باہر ہو تو وہاں تک جانا ضروری نہیں تیمّم کرنا درست ہے تو معلوم ہوا کہ ایک میل کا سفر طے کرنے میں حرج ہے لہٰذا جس شخص کے گھر سے مسجد کا فاصلہ ایک میل (ڈیڑھ کلومیٹر تقریباً) ہو اس کے لیے جماعت میں حاضر نہ ہونے کی گنجائش و اجازت ہے اس میں سواری کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۳۸۵)

راستہ میں سفر کرتے ہوئے جماعت کا وقت ہو جائے

اگر اپنے شہر میں ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو سفر شروع کرنے سے پہلے ہی اس کا اہتمام و خیال رکھیں کہ جماعت فوت نہ ہو جائے اور اگر راستہ میں جماعت کا وقت ہو گیا اور سواری اپنی ہے تو راستہ میں کسی مسجد میں رک کر باجماعت نماز ادا کرلیں اور اگر کسی عوامی ٹرانسپورٹ بس وغیرہ میں سفر کر رہے ہیں اور راستہ میں نماز کے لیے اترنے میں کوئی حرج نہیں تو بس وغیرہ سے اتر کر نماز باجماعت ادا کر کے پھر سفر شروع کرلیں۔

بدعتی امام وغلط عقیدہ رکھنے والے امام کی وجہ سے جماعت میں شرکت نہ کرنا

نماز باجماعت صحیح العقیدہ امام کی اتباع میں ادا کی جائے اور اس کے لیے اگر قریبی مسجد کو چھوڑ کر محلّہ کی کسی دوسری مسجد میں جانا پڑے تو چلے جائیں بدعتی امام کی اقتدا میں نماز نہ پڑھی جائے اور اگر قرب وجوار میں کوئی صحیح العقیدہ امام نہ ہو تو بدعتی کی ہی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے اس کی وجہ سے جماعت نہ چھوڑی جائے یہ نماز اگرچہ مکروہِ تحریمی ہے مگر اس کا لوٹانا ضروری نہیں یہ ایسے بدعتی کے بارے میں حکم ہے جو شرکیہ عقائد نہ رکھتا ہو۔

اگر امام بدعتی ہونے کے ساتھ ساتھ شرکیہ عقائد بھی رکھتا ہو مثلاً خدا کی طرح رسول کو بھی حاضر وناظر ماننا انسانوں کو متصرف فی الامور جاننا وغیرہ تو ایسے امام کے پیچھے قطعاً نماز نہیں ہوتی ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے بلکہ اکیلے ہی نماز پڑھ لی جائے یا ایسی صورت میں اگر فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو تو مسجد میں ہی اپنی جماعت کرالیں کیونکہ پہلی جماعت کالعدم (نہ ہونے کے برابر) ہے اس وجہ سے یہ جماعت دوسری جماعت کے حکم میں نہ ہوگی اگر فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو (جیسا کہ عموماً ہوتا ہے) اور قریب میں کوئی صحیح العقیدہ امام کی مسجد بھی نہیں تو اس صورت میں اہلِ حق کسی گھر میں جمع ہوکر اپنی جماعت کرلیں یہ علیحدگی چونکہ نفسانیت کی وجہ سے نہیں شرعی مسئلہ کی وجہ سے ہے اس وجہ سے انشاء اللہ پورا ثواب ملے گا حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ایک عرصہ تک مکہ مکرمہ میں گھر میں نماز ادا فرمائی اللہ سے دعا کیجیے صبر واستقلال سے کام لیجیے اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا۔

لہٰذا اوّلاً اس کی تحقیق ضروری ہے کہ امام صرف بدعات میں مبتلا ہے یا شرکیہ عقائد بھی رکھتا ہے اور اگر اس کی تحقیق نہ ہو سکے اور غالب گمان سے اندازہ بھی نہ ہو سکے مثلاً

سفر وغیرہ میں راستہ میں کہیں اتفاق ہوگیا ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کا تو ایسی صورت میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے جماعت کو نہ چھوڑا جائے اگر دل مطمئن ہو جائے تو بہت اچھا اور اگر دل مطمئن نہ ہو تو اس نماز کو لوٹا لیا جائے۔

محلّہ کی مسجد سے جماعت کے فوت ہو جانے کے بعد کا حکم

اگر مسجد پہنچ کر معلوم ہوا کہ جماعت ہو چکی ہے تو دوسری مسجد میں جماعت کی تلاش میں جانا واجب نہیں ہاں اگر یقین ہو کہ دوسری مسجد میں جماعت مل جائے گی تو دوسری مسجد چلے جانا اچھا ہے اور اگر اپنی ہی مسجد میں اکیلے نماز پڑھ لی تو بھی جائز ہے۔[1]

مسجد کی جماعت فوت ہونے کی صورت میں دوسری جماعت

اگر کسی عذر کی وجہ سے مسجد کی جماعت فوت ہو جائے تو مسجد میں دوسری جماعت نہ کروائی جائے کہ یہ پہلی جماعت پر اثر انداز ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے اور اگر کبھی کسی قوی عذر کی وجہ سے جماعت فوت ہو جائے تو گھر میں یا مسجدِ شرعی سے باہر فنائے مسجد میں جماعت کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں مگر اس کی عادت نہ بنائی جائے۔ (از رحیمیہ: ۱۵۴/۴)

گھر والوں کے ساتھ جماعت کرنا

کسی عذر کی بناء پر مسجد کی جماعت فوت ہوگئی یا شرعی عذر کی بناء پر مسجد میں نہ جا سکے تو گھر والوں کو جمع کر کے جماعت کر لینا بہتر ہے اور اس پر بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا اگر دوسرے مرد ہوں تو جماعت کا عام طریقہ ہوگا اور اگر دوسرے مرد با جماعت نماز پڑھ چکے تو گھر کی محرم عورتیں بیوی والدہ بہن وغیرہ کے ساتھ با جماعت

---

[1] فتاویٰ شامی میں ہے: فلا یجب علیه الطلب فی المساجد بلاخلاف بین اصحابنا بل ان اتی مسجداً للجماعة آخر فحسن وان صلی فی مسجد حیه منفرداً فحسن. (شامی: ۵۵۵/۱)

نماز ادا کرلی جائے ایک عورت ہو تب بھی وہ مرد کے پیچھے کھڑی ہو مگر بلا عذرِ شرعی گھر میں نماز پڑھنے کی عادت بنالینا گناہ ہے اور عادت بنانے والا سخت گناہ گار ہے۔[1]

دوکانداروں کا مسجد میں دوسری جماعت کی عادت بنالینا

جماعت کی اہمیت وتاکید وفضیلت اور مقصد کے پیشِ نظر مسجد میں دوسری جماعت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے جماعت کی اہمیت و عظمت نکل جائے گی اور ذہن میں یہ بات ہوگی کہ اپنی مرضی وآسانی کے مطابق جب چاہیں گے چند لوگوں کو جمع کر کے اپنی جماعت کرالیں گے اور یہ چیز جماعت کے افراد کم ہونے کا اور جماعت کی اہمیت کے دلوں سے نکلنے کا ذریعہ بنے گی حضرت حسن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ صحابہ کی جب جماعت فوت ہو جاتی تو بعض دوسری مسجدوں میں جماعت کو تلاش کرتے اور بعض اپنی اسی مسجد میں تنہا ہی نماز پڑھ لیتے تھے۔[2]

لہٰذا دکانداروں کا یا راہ گیروں کا مسجد میں دوسری جماعت کی عادت بنالینا غلط اور گناہ اور جماعت کی اہمیت نہ ہونے پر دلالت ہے اور اس عمل کی وجہ سے جو مفاسد و خرابیاں پیدا ہوں گی (دل سے اہمیت کے نکل جانے اور تقلیل جماعت کی صورت میں) اس کے ذمہ دار دوسرے جماعت کرنے والے ہوں گے کیونکہ پہلی جماعت میں غیر حاضری کسی شرعی عذر کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ عموماً دنیوی مشاغل کی وجہ سے ایسا ہوتا

---

[1] فتاویٰ شامی میں ہے: وذکر القدوری یجمع باھلہ ویصلی بھم یعنی وینال ثواب الجماعۃ. (شامی: ۱/۵۵۵)

[2] مبسوط سرخسی میں ہے: واذا دخل القوم مسجداً قد صلی فیہ اھلہ کرھت لھم ان یصلوا الجماعۃ بأذان واقامۃ ولکنھم یصلون بغیر اذان ولا اقامۃ. لحدیث الحسن قال کانت الصحابۃ اذا فاتتھم الجماعۃ فمنھم من اتبع الجماعات ومنھم من صلی فی مسجدہ بغیر اذان ولا اقامۃ. (مبسوط سرخسی: ۱/۲۸۰)

ہے اس لیے اس سلسلے کو ختم کرنا ضروری ہے اگر باجماعت نماز پڑھنی ہو تو گھر جا کر اہلِ خانہ کے ہمراہ جماعت ادا کر لیں یا وہ دکاندار مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ چھپ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں بشرطیکہ کوئی شرعی عذر ہو لیکن اس کی عادت نہ بنائی جائے۔

مسجد کے علاوہ مارکیٹ یا دفتر وغیرہ میں جماعت کرانا

❶ ...... گذشتہ تفصیل سے واضح ہوا کہ اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو مسجد میں ہی جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری اور اہم ہے اور اگر کسی کا کوئی شرعی عذر ہو جو حقیقتاً اس کے مسجد جانے سے مانع ہو تو وہ گھر پر ہی نماز پڑھ لے اسے انشاء اللہ اس کی نیت پر جماعت کا ثواب مل جائے گا مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ پر جماعت کرانے کی مختلف صورتیں ہیں۔

❷ ...... ایسے چند لوگ جو واقعتاً معذور ہوں اور ان کی معذوری مسجد جانے سے مانع ہو تو ایسے معذور لوگ کسی پوشیدہ جگہ پر اپنی جماعت کرا سکتے ہیں لیکن اس میں کسی غیر معذور کو شریک نہ کیا جائے۔

❸ ...... اگر مجلس میں معذورین غیر معذورین دونوں شریک ہوں تو غیر معذورین لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے کر اس کی فضیلت بتا کر مکمل مسئلہ سے آگاہی کر کے ان کو مسجد ہی بھیجا جائے کہ غیر معذورین کے لیے مسجد جانا ضروری اور غیر مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ و بدعت ہے۔

❹ ...... شرعی عذر کے علاہ کسی اور عذر کی وجہ سے یا سستی کی وجہ سے مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ گھر دفتر دوکان وغیرہ میں جماعت کر لینا بدعت و مکروہ ہے۔

❺ ...... بڑی بلڈنگوں اور سینٹروں میں نماز باجماعت کے لیے جو جگہ مقرر کی جاتی ہے اور اس میں باقاعدہ نماز کے اوقات وغیرہ مقرر ہوتے ہیں نماز باجماعت کے اعتبار سے وہ جگہ مسجد ہی کی طرح ہے اس جگہ کی جماعت صحیح ہے بدعت و مکروہ نہیں ہے۔

❻ ...... گھر کا کوئی ایک فرد معذور ہے تو وہ جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے دوسرے مردوں کو مسجد جانے سے نہ روکے کہ ان کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا ہو جائے گی بلکہ وہ اکیلا خود نماز پڑھے یا گھر کی عورتوں کے ساتھ جماعت ادا کرلے دونوں صورتوں میں اسے انشاء اللہ باجماعت نماز کا ثواب مل جائے گا اور دوسرے افراد کو روکنے کی صورت میں وہ سب مسجد کے ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

❼ ...... کسی مجلس یا تقریب میں کوئی مولوی صاحب یا امام صاحب شریک ہوں تو لوگ سمجھتے ہیں امام صاحب یا عالم صاحب تو موجود ہیں جماعت یہیں ہو جائے گی مولوی صاحب بھی وہیں جماعت کرا لیتے ہیں یہ عمل کسی طرح بھی درست نہیں کہ کسی جگہ عالم یا امام صاحب کا موجود ہونا اس جگہ جماعت کے جواز اور مسجد میں غیر حاضری کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں بلکہ عالم و امام تو مقتدا ہیں ان کی ذمہ داری ہے عوام کو صحیح مسئلہ سے آگاہ کرنا اور اپنے عمل سے کر کر دکھلانا لہٰذا اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو عوام عالم اور امام سب مسجد میں ہی جا کر باجماعت نماز ادا کریں۔

❽ ...... اگر کوئی مقتدا عالم، امام اور پیر وغیرہ اپنی کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے معذورین کے ساتھ مل کر اپنی جماعت کرا رہے ہیں ہے تو خفیہ مقام پر جماعت کرائے کھلی جگہ پر جماعت کرانا یا غیر معذورین کا معذورین کی جماعت میں شریک ہونا بدعت و مکروہ ہے۔[۱]

دوسروں کو نمازی بنانے کی غرض سے مسجد کی جماعت چھوڑنا

بعض مارکیٹ و دفاتر میں چند دوکاندار یا چند دفتر والے آپس میں کسی جگہ جمع ہو کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں جماعت کرانے کی وجہ سے بہت سے نماز نہ پڑھنے والے بھی نماز پڑھ لیتے ہیں تو دوسروں کو نمازی بنانے کے

---

[۱] فتاویٰ شامی میں ہے: وان مذهب الامام الحلوانی بذلك (بان يجمع اهله فی بيته) لا ينال ثواب الجماعة وانه يكون بدعة و مكروها بلا عذر. (شامی:۱/۵۵۶)

لیے یہ عمل درست نہیں بلکہ ان سب کو تلقین و تبلیغ کر کے دعوت دے کر مسجد میں ہی لے جانے کی کوشش کی جائے اور خود بھی مسجد میں باجماعت نماز پڑھی جائے اگر آپ کی دعوت و سمجھانے کے باوجود کوئی نہیں جاتا تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں اس لیے دوسروں کو نمازی بنانے کی غرض سے مسجد کی جماعت چھوڑنا اور وہیں اپنی جماعت کرالینا جائز نہیں۔

نوافل یا سنت پڑھتے ہوئے جماعت کا کھڑا ہو جانا

فجر کی سنتوں کا حکم دوسری سنتوں سے مختلف ہے اگر فجر کی سنت پڑھنے کے بعد امام کو تشہد میں پالینے کی امید ہو تو ستون وغیرہ کے پیچھے یا مسجد سے باہر کسی اوٹ میں فجر کی سنتیں پڑھ لی جائیں اور اس کے بعد جماعت میں شریک ہوا جائے اور اگر سنتیں پڑھ کر امام کو تشہد میں پانے کی امید نہ ہو تو سنتیں چھوڑ کر جماعت میں شامل ہوا جائے اور سنتیں طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھی جائیں فجر کی سنتوں کے علاوہ باقی سنت و نوافل میں جماعت کے وقت کا خیال رکھا جائے وقت کم ہو تو سنتیں شروع ہی نہ کی جائیں اور اگر اتنا وقت ہو کہ پہلی رکعت کے فوت ہونے سے پہلے جماعت میں شامل ہو سکتا ہے تو سنت و نوافل پڑھ لی جائیں اور اگر جماعت کھڑی ہونے سے قبل سنت یا نفل شروع کر چکا ہے تو دو رکعت پر سلام پھیر کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے اگر ظہر کی چار رکعت پڑھ رہا ہے تو بھی دو رکعت پر سلام پھیر کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے البتہ اگر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا ہے تو چار رکعت مکمل کر کے امام کے ساتھ شامل ہو۔

ثواب کی زیادتی مسجد کی جماعت کے ساتھ مخصوص ہے

احادیثِ مبارکہ میں باجماعت نماز پڑھنے پر جو زیادتی منقول ہے پچیس گنا یا ستائیس گنا اس سے مراد وہ جماعت ہے جو مسجد میں ادا کی جائے۔ علامہ ابن حجر رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ لکھتے ہیں:

''مقتضاہ ان الصلاۃ فی المسجد جماعۃ تزید علٰی الصلاۃ فی البیت اوالسوق جماعۃ او فرادیٰ.''

(فتح الباری:۳/۱۴۳)

''کہ جماعت کی نماز جومسجد میں پڑھی جائے وہ اس نماز سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے جوگھر میں یابازار میں پڑھی جائے خواہ باجماعت ہو یا تنہا۔''

اور مزید لکھتے ہیں: ''بل الظاھر ان التضعیف المذکور مختص بالجماعۃ فی المسجد'' کہ ظاہر یہ ہی بات ہے کہ چند در چند ثواب کی زیادتی مسجد کی جماعت کے ساتھ ہی خاص ہے امام بخاری رَحِمَہُ اللہ عَلَیْہِ نے ایک تعلیق قائم کی ہے کہ حضرت اسود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی جب جماعت فوت ہوجاتی تو وہ دوسری مسجد چلے جاتے۔ (بخاری:۱/۸۹)

حافظ ابن حجر رَحِمَہُ اللہ عَلَیْہِ لکھتے ہیں کہ بظاہر امام بخاری رَحِمَہُ اللہ عَلَیْہِ کی اس تعلیق کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس باب میں جو فضیلت وثواب کی زیادتی مذکور ہے وہ اس باجماعت نماز کے لیے متعین ہے جو مسجد میں پڑھی جائے وہ فضیلت گھر کی جماعت کے لیے نہیں ہے۔[1]

ان تصریحات کے بعد یہ ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ثواب کی زیادتی اسی جماعت کے لیے ہوگی جو مسجد میں ادا کی جائے اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے مسجد کی جماعت فوت ہوگئی اور گھر میں اپنی جماعت کرالی گئی یا شرعی معذورین نے گھر میں جماعت کرالی تو اس پر بھی انشاء اللہ مسجد کی جماعت کا ثواب مل جائے گا اور بغیر کسی عذر

---

[1] والذی یظھرلی ان البخاری قصد الاشارۃ بأثر الاسود و انس الی ان الفضل الوارد فی احادیث الباب مقصور علٰی من جمع فی المسجد دون من جمع فی بیتہ. الخ. (فتح الباری:۳/۱۱۴)

حافظ ابن قیم رَحِمَہُ اللہ عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ومن تامل السنۃ حق التأمل تبین لہ ان فعلھا فی المسجد فرض علی الاعیان الالعارض یجوز معہ ترک الجمعۃ والجماعات فترک حضور المسجد بغیر عذر کترک اصل الجماعۃ بغیر عذر.

کے مسجد کے علاوہ کہیں اور جماعت کرانے پر مسجد کی جماعت کا ثواب نہیں ملے گا۔

جماعت کی نماز میں سب سے افضل پہلی صف ہے

پہلی صف سے مراد وہ صف ہے جو امام کے پیچھے متصل ہوتی ہے احادیث میں صفِ اوّل کے فضائل وارد ہوئے ہیں چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے:

"لو یعلم الناس مافی الصف المقدم لاستھموا."

(بخاری:۱/۱۰۰)

"اگر لوگوں کو پہلی صف کا ثواب معلوم ہو جائے تو اس کے لیے قرعہ اندازی کریں۔"

ترمذی کی روایت ہے: "خیر صفوف الرجال اولھا." مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے فتاویٰ شامی میں ہے:

"خیر صفوف الرجال اولھا لانه روی فی الاخبار ان اللّٰه تعالٰی اذانزل الرحمة علٰی الجماعة ینز لھا اولا علٰی الامام ثم تجاوزعنه الٰی من بحذائه فی الصف الاول ثم الی المیا من ثم الی المیاسر ثم الی الصف الثانی."

(شامی:۱/۵۶۹)

"کہ اللہ رب العزت جب جماعت پر رحمت نازل فرماتے ہیں تو سب سے پہلے امام پر نازل فرماتے ہیں پھر ان لوگوں پر جو پہلی صف میں امام کے مقابل کھڑے ہوں پھر دائیں طرف والوں پر پھر بائیں طرف والوں پر۔"

جو پہلے آجائے صفِ اول پر اس کا حق

جو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے پہلے آئے پہلی صف میں اس کا پہلا حق ہے مسجد

میں اپنی جگہ مخصوص کر لینا اور بعد میں آنے پر زبردستی صفِ اول میں گھسنا یا پہلے آنے کے باوجود پیچھے بیٹھے رہنا اور بعد میں دھکے بازی کرنا لڑنا یہ تمام امور نازیبا اور مکروہ ہیں مسجد میں کسی کی جگہ مخصوص نہیں جو پہلے آ گیا صفِ اول میں اسی کا حق ہے۔

کسی عالم یا بزرگ کو پہلی صف میں جگہ دینا

اہل علم یا بوڑھوں کی تعظیم کے خاطر خود پیچھے ہٹ کر ان کو پہلی صف میں جگہ دینا بلاکراہت درست اور اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس میں ایثار و قربانی کا ثواب بھی ہے۔[1]

تکبیرِ تحریمہ

امام کی تکبیرِ تحریمہ سے پہلے مقتدی کا تکبیرِ تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لینا درست نہیں اگر مقتدی نے امام کی تکبیرِ تحریمہ سے پہلے تحریمہ کہہ دیا تو مقتدی کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

تکبیر اولیٰ میں شرکت کی حد

تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے کے بڑے فضائل ہیں تکبیرِ اولیٰ کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے صحیح اور درمیانہ قول یہ ہے کہ امام کے سورۃ فاتحہ ختم کرنے سے قبل تک تکبیر اولیٰ کی حد ہے۔[2]

جماعت میں شرکت کی حد

امام کے پہلے سلام کی میم سے قبل جس نے امام کے ساتھ نیت باندھ لی وہ جماعت میں شامل ہے اس کے بعد امام کی اقتداء صحیح نہیں۔

---

[1] شامی میں ہے: وان سبق احد الی الصف الاول فدخل رجل اکبر سنامنه او اهل علم ینبغی ان یتا خرو یقدمه تعظیما له فهذا یفید جواز ایثار القرب بلاکراهة. (شامی:۱/۵۶۹)

[2] شامی میں ہے: قیل بادراك الرکعة الاولی هذا اوسع وهوا الصحیح و قیل بادراك الفاتحة وهوا المختار. (شامی:۱/۵۲۶)

مسجد کا دوسرا مقصد۔ عبادت۔ ذکر اللہ۔ تلاوتِ قرآن

قرآن پاک کی آیت ﴿ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ الخ ﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد کے مقاصد میں سے اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے اس کی عبادت کی جائے قرآنِ پاک کی تلاوت کی جائے اللہ سے دعا مانگی جائے وغیرہ۔

اسی طرح حدیثِ نبوی میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد گزر چکا کہ یہ مساجد گندگی کے لائق نہیں ہیں بلکہ یہ مسجدیں تو ذکر اللہ اور تلاوتِ قرآن کے لیے بنائی جاتی ہیں نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں لگے ہوئے مختلف حلقوں کی طرف دیکھا اور قرآن والوں کے ساتھ بیٹھ گئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کی مسجد میں قرآن سیکھنے سکھانے کی آواز کو سنا تو فرمایا یہ ہیں وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اور اسی وجہ سے سلفِ صالحین کا معمول رہا ہے کثرت سے مسجد میں وقت گزارنے کا اور مسجد میں کثرت سے اللہ کی عبادت ذکر و تلاوت کرنے کا۔

مسجد میں بلند آواز سے ذکر و تلاوت کرنا

مسجد چونکہ سب کی اجتماعی جگہ ہے اور کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا حرام ہے اس لیے مسجد کی عبادت میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا جائے کہ ہمارے کسی عمل سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو اس وجہ سے اتنا زور سے ذکر کرنا یا تلاوت کرنا جس سے دوسرے نمازیوں کو یا عبادت گزاروں کو تشویش ہو ان کی عبادت میں خلل واقع ہو یہ عمل کسی طرح بھی جائز نہیں کہ اس میں مسلمان کو تکلیف دینا ہے۔[1]

---

[1] فتاویٰ شامی میں ہے: فی حاشیة الحموی عن الامامِ الشعرانی. اجمع العلماء خلفاً وخلفاً علٰی استحباب ذکر الجماعه فی المسجد وغیر ھا الا ان یشوش جھرھم علٰی نائم او مصل أو قاری. (شامی:۱/۶۶۰)

مسجد کا تیسرا مقصد، تعلیم و تعلّم (دین کا سیکھنا سکھانا)

مسجدِ نبوی ﷺ ہر وقت دینی و تعلیمی حلقوں سے آباد رہتی تھی دین کی تعلیم مسجد میں ہی ہوتی تھی چوتھی صدی تک مسجد و مدرسہ ایک ہی جگہ کا نام تھا تعلیمِ دین کے لیے کوئی علیحدہ عمارت نہ تھی آپ ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے دو حلقے لگے ہوئے تھے ایک ذکر اللہ کا دوسرا سیکھنے سکھانے کا آپ ﷺ نے فرمایا ''کلاھما علٰی خیر احد ھما افضل من صاحبہ'' دونوں حلقے بھلائی پر ہیں لیکن ایک دوسرے سے افضل ہیں بہرحال یہ لوگ یعنی ذکر اللہ کرنے والے اللہ سے دعا مانگ رہے ہیں اور اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں اگر اللہ چاہے تو ان کو دے چاہے تو نہ دے اور بہرحال یہ لوگ فقہ و علم خود بھی سیکھ رہے ہیں اور دوسروں کو بھی سکھا رہے ہیں بس یہ لوگ افضل ہیں اور مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے پھر آپ ﷺ خود بھی ان میں بیٹھ گئے۔ (مشکوۃ:۳۶)

حضرت جابر بن عبداللہ حضرت ابو ہریرہ حضرت ابو سعید الخذری حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ ابن عباس حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عقیل بن ابی طالب اور مدینہ کے سات فقیہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان سب کا حلقہء درس مسجدِ نبوی میں ہی ہوا کرتا تھا۔

تابعین میں سے ربیعۃ الرائے، اسلم عدوی، زید بن اسلم، عدوی نافع مولٰی ابن عمرو، علی بن حسین، ابوالزناد ین، زکوان محمد ابن ابی وہب، ابوجعفر باقر ہاشمی، محمد ابن یحیٰ انصاری، تین بھائی موسیٰ بن عقبہ ابراہیم بن عقبہ محمد بن عقبہ محمد بن عجلان، امام مالک وغیرہ۔ ان سب حضرات کی علمی مجلس و حلقہ بھی مسجدِ نبوی میں ہی ہوتا تھا ان کے علاوہ یہ حضرات جہاں گئے وہاں کی مساجد میں علمی حلقے قائم کیے۔

ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جامع مسجد دمشق میں عبدالرحمٰن بن غنم ابوادریس

خولانی واثلہ بن اسقع رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ اور ابوعمر و شیبانی رَحِمَهُ اللهُ عَلَیْهِ نے جامعِ مسجد کوفہ میں علمی حلقہ قائم کیا بہرحال صحابہ وسلف متقدمین و اکابر کا معمول رہا ہے مسجد کو علمی حلقوں سے آباد کرنے کا کہ اسی میں فائدہ زیادہ ہے بہ نسبت مدرسہ میں علمی حلقہ قائم کرنے کے کہ مسجد میں علمی حلقہ لگانے سے طلبِ علم کا ارادہ کرنے والے نہ کرنے والے دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ (المدخل: ۲/۲۰۲)

مسجد میں مدرسہ قائم کرنا

دین کا سیکھنا سکھانا مسجد کے مقاصد اور مسجد کے اعمال میں سے ہے اس لیے مسجد میں مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے البتہ اجرت لے کر پڑھانے والے معلم کا مسجد میں بلا ضرورت بیٹھ کر پڑھانا مکروہ ہے اگر کوئی ضرورتِ شدیدہ ہو اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو گنجائش ہے نیز بہت چھوٹے بچے جن کو مسجد کے آداب کا مکمل خیال وتمیز نہ ہو ان کو مسجد میں نہ پڑھایا جائے اور مسجد میں تعلیم دیتے ہوئے مسجد کے آداب کا مکمل خیال رکھا جائے کہ مسجد کی کسی بھی قسم کی بے احترامی نہ ہو اور اس کی صفائی کا مکمل اہتمام ہو نیز اس بات کا بھی خیال رہے کہ عبادت کرنے والوں کی عبادت میں اس کی وجہ سے خلل نہ آئے۔

مسجد میں فضائلِ اعمال کی تعلیم کرنا

مساجد میں تعلیمی سلسلہ بہت اہم ومفید اور مسجد کے اعمال میں سے ہے اور اس بات کا خیال رکھنا کہ نمازیوں کی نماز میں خلل اور تشویش واقع نہ ہو یہ بھی ضروری ہے لہٰذا ایسی صورت اختیار کی جائے کہ دونوں کام خوش اسلوبی سے انجام پا جائیں فریقین میں سے کسی کو بھی شکایت نہ ہو لہٰذا اس کی آسان اور بہتر صورت یہ ہے کہ نماز پڑھنے کی جگہ چھوڑ کر برآمدہ یا صحنِ مسجد میں تعلیم کی جگہ مقرر کی جائے کہ اس طرح دونوں کام جاری رہ سکتے ہیں اور سنت ونوافل پڑھنے والے بھی تعلیم کی جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھیں تعلیم کا عمل بہت مبارک عمل ہے اسے غنیمت سمجھا جائے اس میں شرکت کی جائے اس سے

ایمان تازہ وقوی ہوتا ہے اس سلسلے کو بند کرانے کی کوشش کرنا یا اس حلقے کو اچھا نہ سمجھنا درست نہیں۔ (از فتاویٰ رحیمیہ: ۹/ ۹۴، ۱۰۹)

مسجد میں مسائل سیکھنا

علمائے کرام وائمہ عظام کی جانب سے عوام الناس کو دینی مسائل (نماز، روزہ، زکوٰۃ) وغیرہ کے اہم وضروری مسائل سکھانے کا اہتمام ہونا چاہیے کہ اہل علم کی مجالس مسجدوں میں ہی منعقد ہوتی تھیں اور اس سے عوام کے اندر دینی مسائل سیکھنے کا شوق بیدار ہوگا۔ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "الفقیہ والمتفقہ" میں ایک فصل "تدریس الفقہ فی المساجد" کے نام سے قائم کی ہے اور اس سلسلے کے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔ (الفقیہ والمتفقہ للبغدادی: ۲/ ۱۲۹)

مسجد کا چوتھا مقصد: وعظ ونصیحت ورشد وہدایت

آپ ﷺ اپنے صحابہ کو مسجد میں ہی وعظ ونصیحت کرتے تھے اور جو کچھ کمی دیکھتے تھے وعظ ونصیحت کے ذریعہ سے دور کرنے کی کوشش فرماتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے فجر سے ظہر ظہر سے عصر عصر سے مغرب تک وعظ کہنا ثابت ہے۔ (مسلم: ۲/ ۲۹۰)

لیکن وعظ ونصیحت میں آپ ﷺ اس بات کا خیال فرماتے تھے کہ روز روز نہ ہو کہ لوگ اکتا نہ جائیں۔ (بخاری: ۱/ ۱۶)

نیز آپ ﷺ کی مسجد ساری دنیا کے انسانوں کے لیے رشد وہدایت کا مرکز تھی کہ تمام عالم میں عبادات اسلام کی کرنیں وشعاعیں اسی مسجد سے پہنچی ہیں دینِ حق کے تمام شعبے عبادات، معاملات، تعلیم وتعلّم، دعوت، جہاد، تزکیہ، اصلاحِ امت، دین کی نشر واشاعت، وغیرہ سب اسی مسجد سے اولاً زندہ ہوئے۔

اس کے علاوہ مسجد میں وفود وجماعتوں کی آمد مسجد سے لشکروں کی روانگی مقدموں

کا فیصلہ (عدالت) مریضوں کی تیمارداری مشورہ واعتکاف وغیرہ یہ بھی مسجد کے اعمال میں سے ہیں۔

تفصیل کے لیے دیکھئے حیاۃ الصحابہ اردو۳/۱۳۰ مسجد جنت کا باغ/۶۳

مساجد میں مقتدیوں کا اپنے ائمہ سے مسائل سیکھنا اور ائمہ کا درسِ قرآن و درسِ حدیث کا اہتمام کرنا یہ بھی مقاصدِ مسجد میں شامل ہے جس کو مختصراً ائمہ کے باب میں لکھا گیا ہے۔

مساجد کی اصلاح کی ضرورت

شریعتِ مطہرۃ میں مساجد کا نظام آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا قائم کردہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد اول مسجد قباء و مسجد نبوی کی بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھی اور مسجد کو اللہ رب العزت کا سب سے محبوب گھر قرار دیا قرآن پاک میں مساجد کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی اور مسجدیں بنانے کا حکم دیا آپ علیہ السلام نے مسجد بنانے کے فضائل بیان کیے مسجد کے اعمال کو قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا آپ نے اس کا عملی نمونہ اپنی مسجد میں کر کر دکھلایا صحابہ کرام اولیائے عظام متقدمین سلف وخلف کا مسجد کے ساتھ جو معمول رہا ہے اس کی کچھ نظیر بیان کر دی گئی ان سب سے بحیثیتِ مجموعی یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کا مسجد سے بخوبی تعلق ہونا چاہیے ہر محلّہ کی مسجد کا نظام صحیح بنیادوں پر استوار و مضبوط و مستحکم ہونا چاہیے ہر محلّہ کی مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی مسجد کے اعمال زندہ ہونے چاہئیں ہر مسجد کا امام وانتظامیہ اپنے اہل محلّہ کی اصلاح ورشد وہدایت کے لیے فکرمند ہو ہر امام نبی والے اخلاق وفکر سے متصف ہو صرف اسی ذریعہ سے ہی مسلمانوں کے دین واعمال محفوظ رہ سکیں گے اور دن بدن مسلمانوں کے دین واعمال کی اصلاح وترقی ہوتی چلی جائے گی اگر مساجد کا نظام درست وزندہ ہوگا تو محلّہ وبازاروں کا دین بھی زندہ وقائم ہوگا معاشرہ معیشت محلّہ بازار

وغیرہ سب دین وامن کا گہوارہ ہونگے۔

جبکہ آج ہمارے یہاں مسجد صرف چاردیواری وعمارت کا نام رہ گیا ہے مسجد کا عملی واصلاحی نظام انتہائی خستہ وکمزور ہوچکا۔ ساجد کی ظاہری اصلاح ونقش ونگار پر توجہ دی جاتی ہے لیکن مساجد کی باطنی اصلاح پر کوئی توجہ دینے والا نہیں بعض ائمہ کرام نے مساجد کو اپنی جاگیردار بنا کر اسے اپنے اختلافات چمکانے کا ذریعہ بنالیا بعض متولیانِ مسجد نے مسجد کو اپنی اجارہ داری وذاتی ملکیت سمجھ لیا اور محلّہ کے عوام کا مسجد سے اتنا تعلق رہ گیا کہ محلّہ کے چند لوگ آئے اور نماز پڑھ کر چلے گئے اور امام ونمازی دونوں کو مسجد سے جلد از جلد نکلنے کی فکر ہوتی ہے کہ مسجد میں ہمارا دل نہیں لگتا پنج وقتہ نماز کے لیے مسجد کھلی اور فوراً بند ہوگئی اور آج تو اللہ رحم کرے دین کی کمی اور خدا کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے شر پسندوں کے ہاتھوں سے مسجدیں بھی محفوظ نہیں رہیں مسجدوں کا احترام وآدب مکمل ختم ہوچکے ہیں احکامِ مسجد وآدابِ مسجد سے خواص وعوام سبھی ناواقف ہیں الا ماشا اللہ ان تمام حالات میں کیا امید کی جاسکتی ہے کہ جب مسجدیں مامون ومحفوظ نہ ہوں مسجد کا دین زندہ نہ ہو تو محلّہ بازاروں کا گھروں کا دین معاشرت معیشت تجارت ملازمت کا دین کیسے زندہ ہوگا؟

اس وجہ سے اس کتاب میں اپنے اساتذہ کے حکم سے مساجد کے مقاصد وفضائل کو بیان کر کے مسجد کے احکام وآداب ومسائل متولیانِ مسجد کے اوصاف ذمہ داریاں امامت سے متعلقہ ضروری مسائل اور امام کی ذمہ داریاں اذان وغیرہ کے مسائل کو یکجا جمع کرنے کی ایک عاجزانہ کوشش کی گئی ہے تاکہ مساجد کا صحیح حقیقی رخ اس کے مسائل وآداب اور فضائل ہمارے سامنے آسکیں دعا کریں اللہ رب العزت حق بات لکھنے اور کاتب وقاری سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی غلطیوں سے بچائے اور کمی وکوتاہی کو معاف فرمائے (آمین) ذیل میں مسجد کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

باب دوم

مساجد کے احکام

مواضع مسجد

ساری زمین کا مالکِ حقیقی اللہ رب العزت ہے لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ نے نظم ونسق برقرار رکھنے کے لیے اور زمین کو استعمال کرنے کے لیے اپنے بندوں کو عارضی ملکیت دی ہے اور شریعت کے احکام ومسائل میں بھی اس ملکیت کا اعتبار کیا گیا ہے اور اس سے بہت سے حقوق ومسائل نکلتے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کی ملکیت میں بغیر اجازت کے کوئی تصرف نہیں کرسکتا وغیرہ۔

مسجد کی تعمیر میں کسی کی حق تلفی نہ ہو

مسجدیں اللہ کا گھر ہیں کہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور یہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہیں ہیں کسی کا اس پر ذاتی حق نہیں ہوتا تو اس کے بنانے اور تعمیر کرنے میں سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کسی مسلمان کی حق تلفی نہ ہو کسی کو تکلیف نہ ہو اور پاک وصاف طریقے سے ایسی جگہ مسجد بنائی جائے کہ کسی کو بھی کسی قسم کا حقِ اعتراض نہ ہو کیونکہ حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

"ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا." (مشکوۃ:۲۴۱)

ترجمہ: "اللہ پاک ہے اور حلال وپاک مال کو ہی قبول کرتا ہے۔"

اس سلسلے میں نبی پاک ﷺ کے زمانے کی دو مسجدیں بہت ممتاز اور ہمارے

لیے نمونہ ہیں ایک مسجد قباء اور دوسری مسجد نبوی ان دونوں مسجدوں کو آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے تعمیر ہونے کا شرف حاصل ہے اور دونوں مسجدوں کی تعریف قرآن نے کی ہے ﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى ٱلتَّقْوَىٰ﴾ (سورة التوبہ: ۱۰۸) اور مسجد نبوی کی زمین دو یتیم بچوں سے قیمتاً خریدی گئی جب کہ آپ ﷺ امام الانبیاء تھے اور ان یتیم بچوں نے درخواست بھی کی تھی کہ زمین آپ بلا معاوضہ لے سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کو قیمت دی پھر ۷ھ میں آپ ﷺ نے توسیع کا ارادہ فرمایا تو مسجد کے برابر میں جن صحابی کا مکان تھا ان سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیمت دے کر خریدا اور اس ٹکڑے کو مسجد کے لیے وقف کر دیا اس سے امت کو سبق دینا تھا کہ ایسے طور پر مسجد بنائی جائے کہ کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو اور کسی کو اعتراض بھی نہ ہو۔

دوسری طرف سرکار دوعالم ﷺ نے اپنی حدیث مبارکہ میں مسجد کے بنانے کے اجر وثواب کو بیان فرما کر مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ خود اپنی جگہ دینے کے لیے تیار ہوں یا محلے کے مسلمان مل کر اپنے مال کو خرچ کر کے مسجد بنائیں اور اللہ کی طرف سے ملنے والے اجر وثواب کے مستحق ہوں اور جنت میں اپنے لیے محل تعمیر کرائیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَـٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ﴾ (التوبہ: ۱۸) اللہ کی مسجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ کی ذات اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اس آیت مبارکہ میں مسجد کی تعمیر اور اس کے آباد کرنے والوں کے متعلق اللہ رب العزت خود اس کے ایمان کی گواہی دے رہے ہیں یہ بڑی سعادت وفخر کی بات ہے حدیث شریف میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''من بنى لله مسجداً بنى الله له بيتا فى الجنة.'' (مشکوۃ: ۶۷)

ترجمہ: ''جس شخص نے اللہ کے لیے مسجد بنائی اللہ رب العزت اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔''

مسجد کی تعمیر میں اخلاصِ نیت

تمام اعمال کی اہمیت وقبولیت کا دارومدار اللہ کے نزدیک اخلاص پر ہے کہ جو عمل جتنا بھی اخلاص اور اللہ کی رضا کے جذبہ کے ساتھ کیا گیا ہوگا وہ عمل اتنا ہی اللہ کے نزدیک مقبول وماجور ہوگا اس لیے عمل کرنے سے پہلے نیت کی اصلاح ضروری ہے۔

مسجد بنانا اس کی تعمیر کرنا اور اس کے لیے اپنا مال اور روپیہ خرچ کرنا بہت اونچا عمل اور ثواب کا کام ہے جس کا ثواب آدمی کو مرنے کے بعد تک ملتا رہے گا اس لیے اس عظیم عمل سے پہلے آدمی کو سب سے پہلے اپنی نیت کی اصلاح کر لینی چاہیے کہ اس سے مقصود صرف اللہ رب العزت کی رضا کا حصول اور اس کی خوشنودی ہو ریا کاری نام ونمود ذرہ برابر بھی دل میں نہ آئے حدیث شریف میں بڑی خصوصیت کے ساتھ لفظ (لِلّٰہ) کو ذکر فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مسجد بنانے پر اجر وثواب اسی وقت ملے گا جب یہ کام صرف اللہ رب العزت کے لیے کیا جائے۔ تفسیر مدارک واحمدی میں ہے۔

ہر وہ مسجد جو باہمی فخر ریا کاری اور شہرت کے جذبے کے ساتھ بنائی گئی ہو یا اللہ کی رضا کے علاوہ کسی اور جذبہ کے ساتھ بنائی گئی ہو یا ایسے مال سے بنائی گئی ہو جو پاک نہ ہو تو وہ مسجد ضرار کے مشابہ ہے۔[1]

مسجد ضرار مدینہ طیبہ میں منافقین نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور سازش کا جال بچھانے کے لیے بنائی تھی اس پر آیتیں نازل ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کے گرانے اور جلانے کا حکم فرمایا۔

ریاء کے طور پر مسلمانوں کی تعمیر کردہ مسجد

اگر کوئی مسلمان کسی مسجد کو ریاء نام ونمود اور مسلمانوں میں توڑ پیدا کرنے کے لیے

---

[1] تفسیر مدارک واحمدی میں ہے: كل مسجد بني مباها أو ريأ اوسمعة أو لغرض سوى ابتغأ وجه الله او بمال غير طيب فهو لا حق بمسجد ضرار. (مدارک: ۲/۲۶۵، احمدی: ۲/۲۷۳)

بنائے اللہ کی رضا وثواب مقصود نہ ہوتو ایسی مسجد کا کیا حکم ہے آیا یہ مسجد مسجد ضرار کے حکم میں ہوگی یا نہیں؟ واضح رہے کہ قرآن کریم میں جس کو مسجد ضرار کہا گیا ہے اس آیت میں اس مسجد کے بنانے کی تین (۳) غرض بیان کی گئیں ہیں پہلی غرض ''ضرارا''، یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے دوسری غرض ''تفریقاً بین المؤمنین'' یعنی مسلمانوں کی باہمی اجتماعیت کا شیرازہ منتشر کر کے تفرقہ واختلاف وعداوت پیدا کرنے کے لیے تیسری غرض ''وارصادا لمن حارب اللّٰہ ورسولہ''، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے لیے بطور جائے پناہ کے اسی طرح چوتھی غرض لفظ ''کفراً'' سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے پس پردہ کفر کو قوت دینا اور اسلام کو کمزور کرنا مقصود تھا۔

(معارف القرآن:۴۶۳)

چنانچہ جس مسجد کو ضرار کہا گیا درحقیقت وہ مسجد ہی نہ تھی اور نہ اس کا مقصد باجماعت نماز کی ادائیگی تھا بلکہ اس کے مذکورہ بالا مقاصد تھے اور کوئی مسلمان مذکورہ بالا مقاصد میں سے کسی مقصد کے تحت مسجد بنائے یہ بات اس کے ایمان سے بہت بعید (دور) ہے لہٰذا مسلمان کی تعمیر کردہ مسجد مسجد ہی کے حکم میں ہوگی کہ نیت تو اللہ ہی جانتا ہے اور بظاہر مسلمان کی نیت اللہ کو راضی کرنے کی ہی ہوگی۔

اور اگر قرائن وشواہد سے یا اس کے اپنے اقرار سے یہ بات معلوم بھی ہو جائے کہ اس کی نیت باہمی تفرقہ اور اختلاف وانتشار کی یا ریاء کاری ونام ونمود کی ہے یا ضد وعناد یا کسی اور غرض فاسد کی وجہ سے اس نے یہ مسجد بنوائی ہے تو شاید اسے مسجد بنانے کا ثواب نہ ملے لیکن شرعاً وہ جگہ مسجد ہی کے حکم میں ہوگی اس پر مسجد کے تمام احکام وآداب جاری ہوں گے اور اس میں نماز بھی ادا ہو جائے گی (ثواب کے ساتھ) اس کو مسجد ضرار قرار دیکر گرانا وجلانا جائز نہیں البتہ مسجد ضرار کے مشابہ کہا جا سکتا ہے لیکن اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو توبہ کے ذریعہ اس کی اصلاح ہو جائے گی اور اس کا مسجد بنانا بھی صحیح ہو جائے گا۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ امداد الفتاویٰ میں لکھتے ہیں:

اگر اطاعت میں غرض معصیت کی ہو جیسے مسجد بنانے سے غرض تعصب وتفریق مقصود ہو تو وہ اس فعل میں عاصی (گناہ گار) ہوگا لیکن مسجد مسجد ہی ہوگی اپنے جمیع احکام لازمہ کے ساتھ باقی نیت کا مسئلہ اللہ ہی کو معلوم ہے دوسروں پر نیت فاسدہ کا حکم جازم (یقینی) لگانا جائز نہیں۔ (امداد الفتاویٰ:۲/۶۷۱)

البتہ اگر بنانے والے کے دعوی یا کسی یقینی دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ بنانے والے کی نیت مسجد برائے نماز کی نہ تھی کہ اس نے اس جگہ کو وقف کرنے کی نیت نہیں کی بلکہ محض اختلاف کرانا یا کسی فاسد غرض کے لیے مسجد بنائی ہے (جیسا کہ منافقین نے مسجد ضرار بنائی تھی) تو ایسی مسجد کو گرایا جا سکتا ہے لیکن جو جگہ مسجد برائے نماز کی نیت سے بنائی گئی ہے اس میں خواہ جتنے بھی اغراض فاسدہ شامل ہوں وہ جگہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی اس کو گرانا یا بند کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔

مسجدیت کا مکمل ہونا اور وقف کے مسائل

کسی جگہ کے مسجد بننے کے لیے صرف یہ شرط ہے کہ وہ جگہ نماز کے لیے وقف کی گئی ہو اور وقف کرنے والا یہ کہہ دے کہ میں نے اس جگہ کو مسجد بنا دیا یا مسجد کے لیے وقف کر دیا تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق وہ جگہ مسجد ہو جائے گی اور وہ جگہ وقف شمار کی جائے گی۔

وقف صحیح ہونے کی شرائط

وقف کی تعریف:

''حبس العین عن ملك الله تعالیٰ''

کسی چیز کو اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دے دینا کہ وہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ رب العزت کی ملکیت میں لوٹ جاتی ہے۔

وقف برائے مسجد کی شرائط

وقف کے صحیح ولازم ہونے کی پہلی شرط افراز ہے یعنی اسے اپنی ملکیت سے جدا کرنا[1]

شرط افراز (علیحدگی)

مسجد کے لیے وقف کی گئی زمین کو واقف اپنے قبضہ اور ملکیت سے اس طرح جدا کردے کہ کسی دوسرے انسان کا کوئی حق اس میں نہ رہے اسی وجہ سے مشترکہ زمین کا وقف کرنا جائز نہیں اگر مشترکہ زمین شرکاء کی اجازت کے بغیر وقف کردی گئی اور کسی شریک نے بعد میں اعتراض کردیا تو وہ وقف صحیح نہ ہوگا اور وہ جگہ شرعی مسجد نہ ہوگی جب تک کہ تمام شرکاء کو رضامند نہ کرلیا جائے۔

افراز کی صورتیں اور تفریعات

امام محمد رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ کے نزدیک مسجد میں افراز (علیحدگی) کی صورت ایک مرتبہ نماز کا پڑھا جانا ہے کہ ان کے نزدیک افراز کے ساتھ تسلیم (حوالہ کرنا) بھی شرط ہے اور تسلیم کی یہ ہی صورت ہے پھر اس میں دو روایتیں ہیں کہ باجماعت نماز مراد ہے یا انفرادی نماز سے بھی تسلیم ثابت ہو جائے گی علامہ شامی رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ نے پہلی روایت یعنی باجماعت نماز کو ظاہر الروایۃ قرار دیتے ہوئے زیلعی کے حوالہ سے کہا ہے۔ یہ ہی روایت صحیح ہے۔[2]

امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ کے نزدیک تسلیم شرط نہیں البتہ صفتِ اِفراز یعنی کسی

---

[1] شامی میں ہے: "ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجداً." (شامی: ۴/ ۳۵۵، ۳۵۶)

[2] هذه الروایة هی الصحیحة، (شامی: ۴/ ۳۵۷)

دوسرے کی ملکیت سے فارغ ہونا ان کے نزدیک بھی شرط ہے اختلاف وتنقیح کے بعد راجح قول امام ابو یوسف کا ہے کہ تسلیم (حوالہ کرنا) شرط نہیں اور شرط افراز (علیحدگی) میں امام صاحب کے نزدیک مسجد کے لیے مستقل راستہ ہونا بھی شرط ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک مستقل راستہ نکالنا وقف کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں اس کے بغیر بھی وقف صحیح ہوجائے گا اور راستہ صراحت کے بغیر خود بخود ثابت ہو جائے گا اور چونکہ قضاء و وقف میں امام ابو یوسف کا قول راجح و متعین ہے اس لیے راجح قول کے مطابق راستہ علیحدہ کیے بغیر بھی وقف صحیح ہوجائے گا اور وہ جگہ شرعی مسجد ہوجائے گی۔[1]

اسی طرح افراز (علیحدگی) کے ساتھ یہ شرط بھی متعلق ہے کہ جس جگہ کو مسجد کے لیے وقف کیا گیا ہے زمین سے لے کر آسمان تک ساری جگہ مسجد ہی کے لیے دے دی جائے اس طور پر کہ بندہ کا حق اس سے بالکل منقطع وختم ہوجائے اور اگر بندہ کا حق اس سے متعلق رہے تو ایسی صورت میں وہ جگہ شرعی مسجد کے حکم میں نہ ہوگی کیونکہ مسجد تحت الثریٰ ساتویں زمین کے نیچے سے آسمان تک ہوتی ہے البتہ اس کا حکم مصلیٰ کا ہوگا کہ اس جگہ کو باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے مخصوص کردیا گیا ہے لیکن وہ شرعی مسجد نہ ہوگی اور اس جگہ پر مسجد کے تمام احکام وآداب جاری نہیں ہونگے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب تو مل جائے گا لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔[2]

ہاں اگر اوپر اور نیچے کی جگہ مصالح مسجد کے لیے ہی وقف ہو تو ایسی صورت میں

---

[1] تنویر الابصار میں ہے: "ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجداً عند الثانی وشرط فی الشامية تحت قوله بالفعل لکن عنده لا بد من افرازه بطریقة ففی النهر عن القنية جعل وسط داره مسجداً واذن للناس بالدخول والصلاة فيه ان شرط معه الطريق صار مسجداً فی قولهم جمیعاً والا فلا عند ابی حنیفة وقالا یصیر مسجداً ویصیر الطریق من حقه من غیر شرط." (شامی:۴/۳۵۶،عالمگیر:۳/۴۵۴)

[2] بحر میں ہے: وحاصله ان شرط کونه مسجداً ان یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ وأن المساجد لله. (بحر:۵/۲۵۱)

وقف مکمل ہوگا اور وہ مسجد کے حکم میں ہوگی۔[1]

دوسری شرط تابید (ہمیشہ کے لیے وقف کرنا)

وقف کے لازم وتام ہونے کے لیے دوسری شرط تابید (ہمیشہ کے لیے وقف کرنا) ہے یعنی اگر ہمیشہ کے لیے وقف نہیں کیا بلکہ کسی مخصوص وقت تک کے لیے وقف کیا مثلاً ایک سال یا ایک مہینہ کے لیے وقف کردیا تو یہ وقف باطل ہوگا اور وہ جگہ شرعی مسجد کے حکم میں نہ ہوگی لیکن تابید (ہمیشہ کے لیے وقف کرنا) کے لیے امام ابویوسف رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ کے نزدیک زبان سے کہنا شرط نہیں ہے دل میں تابید کی نیت کرلینا کافی ہے لیکن اگر زبان سے تو کچھ نہیں کہا اور دل میں بھی تابید کی نیت نہیں کی بلکہ توقیت کی نیت کی تو بھی وقف صحیح نہ ہوگا اور وہ جگہ مسجد نہیں ہوگی بلکہ عارضی مصلیٰ ہوگا خلاصہ یہ کہ مسجد بننے کے لیے تعمیر وعمارت کا ہونا مسجد کی شکل ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر کوئی خالی جگہ بھی ہو اور اس کے اندر یہ شرائط پائی جائیں کہ وقف کرنے والا اس جگہ کو ہمیشہ کے لیے اپنی ملکیت سے خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لیے اس طور سے جدا کردے کہ اس سے بندہ کا حق بالکل منقطع ہوجائے (اور اس میں ایک دفعہ نماز باجماعت ادا ہوجائے) تو وہ جگہ مسجد شرعی ہوجائے گی وقف مکمل ہوجائے گا۔

لیکن یہ بات واضح رہے کہ یہ شرائط اس زمین سے متعلق ہیں جو زمین کسی شخص یا گورنمنٹ کی ذاتی ملکیت میں ہو اور وہ اس زمین کو مسجد کے لیے وقف کردے[2] اور جو اہل محلّہ چندہ جمع کرکے مسجد کے لیے زمین خریدیں تو چونکہ اس میں چندہ ہی مسجد کے

---

[1] (ولو جعل لغيرها أو) جعل (فوقه بيتا وجعل باب المسجد الى طريق وعزله عن ملكه لا) يكون مسجداً (وله بيعه ويورث عنه) (شامی:۴/۳۵۷)

بخلاف ما اذا كان السرداب والعلو موقوفاً لمصالح المسجد فانه يجوز اذ لا ملك فيه لاحد بل هو من تتميم مصالح المسجداً. (بحر:۵/۲۵۱)

[2] بحر میں ہے: وفي الحاوى القدس ومن بنى مسجداً فى ارض مملوكة له الخ فافادان من شرطه ملك الارض. (بحر:۵/۲۴۹)

نام سے ہوا ہے تو انہوں نے مسجد کے نام سے جو جگہ خریدی کہ یہاں مسجد ہوگی اتنا ہی کرنے سے وہ جگہ مسجد کے حکم میں آجائے گی۔

وقف کے چند مسائل واحکام

کسی شخص کے اتنا کہنے سے کہ میں نے اس کو مسجد بنا دیا وقف صحیح ہو جاتا ہے اس کے بعد وقف کے لازم وتام (مکمل) ہونے کی دو شرطیں ہیں ① افراز (جگہ کو جدا اور علیحدہ کرنا) ② تابید (ہمیشہ کے لیے وقف کرنا)۔

وقف کے صحیح و لازم ہونے کے بعد اس کا حکم یہ ہے کہ ① وہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے ② اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے ③ بندوں کا حق اس سے بالکل ختم ہو جاتا ہے ④ اب واقف اس جگہ میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا نہ اس کو بیچ سکتا ہے نہ اس کو ہدیہ کر سکتا ہے ⑤ اگر مر جاتا ہے تو وہ جگہ اس کی وراثت میں تقسیم نہ ہوگی اور مشترک جائیداد کا تقسیم سے قبل وقف کرنا صحیح نہیں۔

⑥ مغصوبہ زمین (یعنی کسی دوسرے کی زمین کا وقف کرنا) صحیح نہیں ⑦ جو جگہ مسجد کے لیے وقف کی گئی اور وہ جگہ شرعی مسجد بن گئی وہ تا قیامت مسجد رہے گی خواہ اس میں ایک بھی نماز پڑھنے والا نہ ہو اس کی مسجدیت کو کبھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔

⑧ وقف کرنے والا جو بھی شرط لگائے اس کی تمام شرائط معتبر و مسلم ہوں گی جب تک کہ شرع کے مخالف نہ ہوں۔[1]

مسجدیں کہاں بنائی جائیں

اللہ رب العزت کا اس امت پر خصوصی فضل و کرم اور آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ تمام زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا کہ جہاں وقت آئے وہیں نماز پڑھ لے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

---

[1] شامی میں ہے: شرائط الواقف معتبرة اذا لم یخالف الشرع. (شامی: ۴/۳۴۳)

"جعلت لی الارض کلها مسجداً وطهوراً وایما رجل من امتی ادرکته الصلاة فلیصل." (بخاری شریف:۱/۶۲)

ترجمہ: "میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا کہ میری امت کے کسی آدمی کے لیے جہاں بھی نماز کا موقعہ آ جائے وہیں نماز پڑھ لے۔"

اس حدیث سے یہ بات عمومی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ تمام زمین میں کسی جگہ پر بھی مسجد بنائی جا سکتی ہے اس کے لیے کسی خاص جگہ کی تعیین نہیں لیکن اس عام حدیث کے علاوہ چند ایسی احادیث ہیں جن میں آپ علیہ السلام نے چند مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے:

"نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یصلی فی سبعه موطن فی المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطریق و فی الحمام ومعاطن الابل وفوق ظهربیت الله." (مشکوٰۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

① ...... نجاست وگندگی ڈالنے کی جگہ میں۔ ② ...... مذبح خانے میں۔

③ ...... قبرستان وقبر میں۔ ④ ...... عام راستہ میں۔

⑤ ...... اونٹوں کے باندھنے کی جگہ میں۔ ⑥ ...... حمام میں۔

⑦ ...... بیت اللہ کی چھت پر۔

قبرستان پر مسجد بنانے کا حکم

وقف کے مسائل میں یہ بات گزر چکی کہ جو جگہ جس جہت اور جس مقصد کے لیے

وقف کی جائے وہ اسی کے لیے وقف رہے گی اس موقوفہ زمین کی جہت کو بدل کر کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں[1] البتہ اگر اس زمین کو اسی مقصد اور اسی جہت میں استعمال کرنا ناممکن و مشکل ہو جائے تو اس صورت میں اس کے علاوہ کسی اور قریبی مقصد میں استعمال کرنا جائز ہوگا۔

قبرستان پر مسجد بنانے کی مختلف صورتیں

❶ ...... جس زمین کو قبرستان کے لیے وقف کیا گیا ہے جب تک وہ زمین تدفین کے قابل رہے اس جگہ پر مسجد بنانا جائز نہیں کیونکہ یہ وقف کی جہت کو تبدیل کرنا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

❷ ...... اگر وقف کرنے والے شخص یا ادارہ یا گورنمنٹ نے قبرستان کے لیے زمین وقف کرتے وقت اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ قبرستان میں فلاں جگہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد ہوگی تو ایسی صورت میں معینہ جگہ پر مسجد بنانا جائز ہے بشرطیکہ مغرب کی جانب مسجد کی دیوار کے احاطہ میں کوئی قبر نہ ہو کیونکہ اس میں قبر کو سجدہ کرنے کا شبہ ہو سکتا ہے اور قبر کو سجدہ کرنا حرام و شرک ہے۔[2]

❸ ...... کسی مسجد میں قبر بنانا جائز نہیں اگر کسی مسجد میں قبر بنی ہوئی ہے اور وہ قبر مغربی سمت ہے تو قبر کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر بیچ میں دیوار حائل ہو کہ قبر نظر نہ آئے تو ایسی صورت میں نماز مکروہ نہیں۔

❹ ...... قابلِ تدفین قبرستان میں قبروں کے اوپر مسجد بنانا: جو زمین قبرستان کے لیے وقف کی گئی اور زمین تدفین کے قابل ہو کہ وہاں ابھی مردہ دفن کیے جاتے ہوں ایسی

---

[1] شامی میں ہے: شرائط الواقف معتبرة اذا لم يخالف الشرع. (شامی:۴/۳۴۳)

[2] غنیۃ المستملی میں ہے: لا بأس فی الصلاة فی المقبرة اذا كان فيها موضع اعد للصلاة وليس قبراً وهذا لان الكراهة مطلقا بالتشبه باهل الكتاب وهو منتفٍ فيما كان على الصفة المذكورة. (۳۵)

صورت میں قبروں کے اوپر مسجد بنانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

''عن جندب رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول الاوان من کان قبلکم یتخذون قبور انبیائھم وصالحیھم مساجداً الا فلا تتخذوا القبور مساجداً انی انھاکم عن ذالک.'' (مشکوۃ:۶۹)

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تم سے پہلے والے لوگ اپنے انبیاء وصلحاء کی قبروں کو مسجد بنایا کرتے تھے خبردار قبروں کو مسجد نہ بناؤ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔[1]

⑤ ناقابلِ تدفین پرانے قبرستان میں مسجد بنانا

جو زمین قبرستان کے لیے وقف کی گئی ہو وہ زمین ہمیشہ قبرستان ہی رہے گی اگرچہ اس میں میت کا دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہو۔[2]

البتہ اگر قبرستان پرانا ہو جائے اور قبروں کے نشانات مٹ جائیں اور وہ جگہ تدفین کے قابل نہ رہے کہ لوگ وہاں میت دفن کرنا چھوڑ دیں اور اتنا عرصہ گزر جائے کہ غالب گمان یہ ہو کہ مردہ مٹی ہوگئے ہوں گے تو ایسی صورت میں اس وقف شدہ قبرستان کو اقرب مجانس (سب سے زیادہ قریبی صورت) میں استعمال کرتے ہوئے

---

[1] علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرتے ہیں: وفیہ منع بناء المسجد علی القبور ومقتضاہ التحریم کیف وقد شثت اللعن علیہ.

وقال البندیجی والمراد ان یسوی القبر مسجداً فیصلی فوقہ وقال انہ یکرہ ان یبنی عندہ مسجداً فیصلی فیہ الی القبر. (عمدۃ القاری:۴/۱۲۴)

[2] عالمگیری میں ہے: سئل ھو ایضاً عن المقبرۃ فی القریٰ اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا واستغلالھا قال لا ولھا حکم المقبرۃ. (۲/۳۵۱)

مسجد یا مدرسہ بنایا جاسکتا ہے شرعاً اس کی گنجائش و اجازت ہے ایسے ہی اگر قبرستان کسی کی مملوک ہے اور اس کی قبریں مٹ چکی ہیں تو مالک کی اجازت سے وہاں پر مسجد بنانا جائز ہے۔

گندگی ڈالنے کی جگہ یا اس کے قریب مسجد بنانے کا حکم

❶......ایسی جگہ جہاں گندگی وغیرہ ڈالی جاتی ہو یعنی کچرا کنڈی وغیرہ اس جگہ کو صاف کر کے اس جگہ مسجد بنانا جائز ہے کیوں کہ پاک وصاف کرنے کے بعد اس جگہ کی حیثیت کچرا کنڈی کی نہیں ہوگی بلکہ وہ ایک عام جگہ ہو جائے گی۔

❷......گندگی نجاست وغیرہ کی جگہ یا کسی بدبودار جگہ کے اتنے قریب مسجد بنانا کہ بدبو مسجد میں پہنچے اور نمازیوں کی نماز کے درمیان خلل واقع ہو یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ بات مسجد کے احترام اور آدابِ مسجد کے خلاف ہے مسجد اتنی فاصلہ پر بنائی جائے کہ اس گندگی اور بو کے اثرات مسجد تک نہ پہنچ سکیں اور اگر اس جگہ کے قریب مسجد بنانی ہو تو پہلے اس گندگی کو مکمل صاف کر لیا جائے تاکہ مسجد کا ادب واحترام ملحوظ رہ سکے۔

راستہ میں مسجد بنانے کا حکم اور اس کی صورتیں

❶......پہلی صورت یہ ہے کہ مسجد کے لیے اپنی جگہ موجود ہے اس مسجد کی جگہ کے ساتھ شارعِ عام (یعنی عام راستہ) کا کچھ حصہ شامل کر لیا جائے۔

❷......دوسری صورت یہ ہے کہ مکمل مسجد ہی عام راستہ پر بنائی جائے۔

راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرنے کا حکم

اوّلاً یہ بات واضح رہے کہ مسجد بھی عام مسلمانوں کا حق ہے اور راستہ سڑک وغیرہ بھی عام مسلمانوں کا حق ہے جس طرح مسجد کا کوئی ایک شخص مالک نہیں ہوتا اسی طرح راستہ کا بھی کوئی شخص مالک نہیں ہوتا ثانیاً اصل یہ ہی ہے کہ جو جگہ مسجد کی ہے اسی جگہ پر

ہی مسجد بنائی جائے اور راستہ کی جگہ کو راستہ ہی رکھا جائے اور اگر راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرنا ہو تو اس کی دو شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مسجد کی جگہ عام پنج وقتہ نمازوں میں نمازیوں کے لیے ناکافی ہو دوسری شرط یہ ہے کہ راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرنے سے راہ گیروں کو تنگی دشواری نہ ہو اگر یہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو اس صورت میں راستہ کا بقدرِ ضرورت حصہ مسجد میں شامل کرنے کی اجازت ہے کیونکہ یہ دونوں جگہیں مسلمانوں کی ہیں اس میں کسی کی حق تلفی نہیں اور راستہ کا جو حصہ مسجد میں شامل کرلیا جائے اس کا حکم راستہ کا نہیں ہوگا بلکہ اس کا حکم بھی مسجد ہی کا ہوگا کہ اس پر مسجد کے تمام احکام وآداب جاری ہوں گے۔[1]

اگر یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں کہ مسجد نمازیوں کے لیے کافی ہو یا راستہ کا کچھ حصہ شامل کرنے میں راہ گیروں کو مشکل ہو ایسی صورت میں راستہ کو مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں اگرچہ مسجد کی جگہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

واضح رہے کہ نقصان کا دارومدار عرف پر ہے کہ راستہ کے شامل کرنے سے ایسا نقصان آتا ہو جس کو عرف عام میں نقصان سمجھا جاتا ہو مثلاً گاڑیوں کے گزرنے کی جگہ باقی نہ رہے اور اس کے علاوہ کوئی قریب دوسرا متبادل راستہ بھی نہ ہو اور بوقت ضرورت

---

[1] شامی میں ہے: (جعل شيئي) اى جعل البانی شيئاً (من الطريق مسجداً) لضيقه ولم يضر بالمارين(جاز) لأنهما للمسلمين وفى الشامية اطلق فى الطريق فعم النافذ وغيره (قوله ...... لضيقه ولم يضر بالمارين) افادأن الجواز مقيد بهذين الشرطين. (شامی:۴/۳۷۷)

بحرالرائق میں ہے: اذا بنٰى قوم مسجداً واحتا جوالٰى مكان ليتسع فأدخلوا شيأ من الطريق ليتسع المسجد وكان ذالك لا يضر بأصحاب الطريق جاز ذالك. (بحر:۵/۲۵۵)

عالمگیر میں ہے: قوم بنوا مسجداً واحتا جوالٰى مكان ليتسع المسجد وأخذوا من الطريق وادخلوه فى المسجد ان كان يضر بأصحاب الطريق لا بجوز وأن كان لا يضربهم رجوت ان لا يكون به بأس. (عالمگیری:۲/۴۵۶)

راستہ کے شامل کرنے کے لیے محلّہ کے اکثر وافضل لوگوں سے رائے واجازت لینا کافی ہے ہر ہر فرد سے اجازت لینا ضروری نہیں اگر بعض لوگ اپنی ضد وعناد کی وجہ سے اجازت نہ بھی دیں تو ان کا کوئی اعتبار نہیں محلّہ کی اکثریت یا افضل وشریف معزز لوگوں کی اجازت کافی ہے۔[1]

لیکن اگر اجازت دینے والے اس وجہ سے اجازت نہیں دیتے کہ راستہ شامل کرنے میں واقعتاً ان کا نقصان ہو رہا ہے ضد وعناد وجہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں ان چند لوگوں کے نقصان کا لحاظ رکھا جائے گا اور راستہ کو مسجد میں شامل کرنا صحیح نہ ہوگا ہاں جتنی مقدار پر تمام اہل محلّہ راضی ہوں اتنی مقدار لے لی جائے اس سے آگے تجاوز نہ کیا جائے۔ جزئیات کے لیے دیکھئے۔ (امداد الفتاویٰ:۲/۹۰،۶۸۹ خیر الفتاویٰ:۲/۷۴۴)

راستہ پر مسجد بنانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ مکمل مسجد ہی راستہ پر بنا دی جائے۔

مکمل مسجد راستہ پر بنانے کا حکم

یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اس میں مسلمانوں کی حق تلفی ہے جو کہ نا جائز ہے اور اگر راستہ پر مسجد بنا دی گئی اور وہ مسجد صحیح نیت کے ساتھ مسلمانوں کے نفع کے لیے بنائی گئی ہے اور اس سے لوگوں کو کسی قسم کا اعتراض ونقصان نہیں ہے اور اس مسجد میں ایک مرتبہ نماز باجماعت ادا ہو چکی ہے تو اس صورت میں وہ جگہ شرعی مسجد ہو چکی ہے اس کو گرانا اور توڑنا جائز نہیں۔[2]

---

[1] شامی میں ہے: سئل ابوالقاسم عن اهل مسجد اراد بعضهم ان يجعلوا المسجد رحبة والرحبة مسجدا او يتخذوا له بابا أو يحولوا بابه عن موضعه وابى البعض ذلك قال اذا اجتمع اكثرهم وافضلهم ليس للأقل منعهم. (شامی:۴/۳۷۸)

عالمگیری میں ہے: ذكر فى عن محمد رحمه الله فى الطريق الواسع بنٰى فيه اهل المحلة مسجداً وذلك لا يضر بالطريق فمنعهم رجل فلا بأس ان يبنوا. (عالمگیری:۲/۴۵۶)

[2] شامی میں ہے: وان بنى للمسلمين كمسجد ونحوه لا ينقض (للمسلمين) اى لا يضر بهم. (شامی:۶/۵۹۳)

لیکن اگر اس جگہ مسجد بنانے سے مسلمانوں کو نقصان ہو رہا ہے ایسی صورت میں اس جگہ کا حکم مسجدیت کا نہیں ہوگا بلکہ وہ راستہ ہی رہے گا اگر اس جگہ کو مسجد سے علیحدہ کرنے یا گرانے کی ضرورت پیش آئے تو اس کو گرایا جاسکتا ہے البتہ اس میں جتنی نمازیں ادا ہوئیں وہ سب بلا کراہت ادا ہوگئیں ان کا لوٹانا ضروری نہیں۔[1]

کسی کی زمین پر اس کی اجازت کے بغیر مسجد بنانے کا حکم

علامہ عینی رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ نے قاضی ابوبکر رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ کے حوالہ سے ایک جگہ اور ذکر کی ہے جس میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اور وہ ہے مغصوبہ زمین یعنی کسی کی چھینی ہوئی زمین میں نماز پڑھنا۔[2]

مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا کسی دوسرے کے حق کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا ہے جو کہ حرام ہے اس صورت میں فرض تو ذمہ سے ساقط ہو جائے گا لیکن اس زمین میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔[3]

❶ ...... لہٰذا کسی شخص کی زمین پر اس کی اجازت و مرضی کے بغیر مسجد بنانا جائز نہیں۔

❷ ...... اگر کسی کی زمین پر اس کی اجازت کے بغیر مسجد بنادی گئی اور اس نے ابھی تک اجازت نہیں دی تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جو نمازیں پڑھی گئیں ان کی فرضیت ذمہ سے ساقط ہو جائے گی ان نمازوں کا لوٹانا ضروری نہیں ہے البتہ ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

---

[1] شامی میں ہے: وقد قال فی جامع الفصولین المسجد الذی یتخذ من جانب الطریق لا یکون لہ حکم المسجد بل ھو طریق بدلیل انہ لورفع حوائطہ عاد طریقا کما کان قبلہ قلت الظاھر ان ھذا فی مسجد جعل کلہ من الطریق. (شامی:۴/۳۷۷)

[2] عمدۃ القاری میں ہے: واما الصلاۃ فی الارض المغصوبۃ فلما فیہ من استعمال حق الغیر بغیر اذنہ فتحرم وتصح ولا ثواب فیھا. (۴/۱۹۰)

[3] شامی میں ہے: وکذا تکرہ فی اماکن کفوق کعبہ وفی ارض مغصوبۃ للغیر (درمختار) (شامی:۱/۳۸۱)

۴...... کسی کی زمین پر اس کی اجازت کے بغیر مسجد بنادی گئی تو اہل محلّہ کو چاہیے کہ زمین کے مالک سے اجازت لے لیں اور اگر وہ خوشی اور رضا مندی سے اجازت دے دیتا ہے تو وہ جگہ شرعی مسجد بن جائے گی۔

اگر وہ بخوشی اجازت نہیں دیتا تو اہل محلّہ پر لازم وضروری ہے کہ اس زمین کی قیمت ادا کر کے یا اس زمین کے متبادل کوئی دوسری زمین دے کر مالک کو راضی کریں تا کہ اس کی حق تلفی بھی نہ ہو اور وہ شرعی مسجد بھی بن جائے۔

اگر ان دونوں صورتوں میں کوئی بھی صورت کارگر نہ ہو تو ترغیب وغیرہ کے ذریعہ سمجھا کر اس کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے کہ مسجد بن جانے کے بعد اس کو گرانا یہ مسجد کے احترام اور مسجد کی عظمت کے خلاف ہے اگر وہ کسی طرح بھی ماننے کے لیے تیار نہ ہو تو مجبوری کے درجہ میں اس کو گرانا جائز ہے کیونکہ شریعت میں بندہ کا حق اللہ کے حق سے مقدم ہے تاہم پھر بھی یہ مسجد کے احترام کے خلاف ہے جس پر توبہ واستغفار کیا جائے۔

۴...... مسجد کے متصل اگر کسی کا گھر یا زمین وغیرہ ہے تو اس مکمل جگہ کو یا جگہ کے کسی حصہ کو جبراً (زبردستی) مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں اگر شامل کرلیا گیا ہے تو جیسے بھی ہو اس کو راضی کرنا ضروری ہے۔

۵...... اگر مسجد کی جگہ تنگ ہے کہ وہ مسجد عام پنج وقتہ نمازوں میں نمازیوں کے لیے کافی نہیں تو فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں مسجد سے متصل کوئی مکان یا دکان وغیرہ ہو تو اس کو قیمت دے کر مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے اگر وہ بخوشی راضی نہ ہو تو اس صورت میں زبردستی بھی کی جاسکتی ہے لیکن خیال رہے کہ یہاں بھی بالقیمہ کی قید ہے یعنی یہ زبردستی قیمت کے ساتھ ہو نہ کہ بلا قیمت۔[1]

---

[1] بحرالرائق میں ہے: تؤخذ ارض ودار وحانوت (بجنب مسجد ضاق علی الناس بالقیمة کرھاً. (بحر:۵/۲۵۵)

البتہ یہ خیال رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس علاقہ اور محلّہ میں دوسری مسجد نہ ہو اگر دوسری مسجد موجود ہے تو جبراً (زبردستی) مسجد کے لیے زمین خریدنا جائز نہیں ہوگا خواہ وہ مسجد نمازیوں کے لیے تنگ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جب دوسری جگہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے اگرچہ بظاہر اس میں کچھ تکلیف ہے لیکن کسی کی جگہ کو زبردستی خریدنے میں اس سے زیادہ حرج ہے اس لیے زبردستی لینا صحیح نہ ہوگا اور اگر مسجد کی طرف اٹھنے والے قدموں پر ملنے والے ثواب کا بھی استحضار کرلیا جائے تو بظاہر کچھ تکلیف بھی نہیں۔[۱]

❻......جس طرح کسی شخص کی ذاتی زمین پر اس کی اجازت کے بغیر مسجد بنانا جائز نہیں اسی طرح سرکاری زمین پر بھی گورنمنٹ کی اجازت کے بغیر مسجد بنانا جائز نہیں۔

واضح رہے کہ گورنمنٹ وسرکار کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کے دین وایمان اور اعمال کی فکر کرتے ہوئے آبادی کے تناسب سے جگہ جگہ مسجد تعمیر کرائے افسوس ہے کہ کالونیوں اور علاقوں میں ہسپتال اسکول کھیل کے گراؤنڈ وغیرہ کے لیے تو جگہوں کو مختص کیا جاتا ہے لیکن مسجد کے لیے آبادی کے تناسب کے لحاظ سے جتنی ضرورت ہوتی ہے اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا آج کل ویسے ہی روز بروز دینی اعتبار سے کمی ہوتی جارہی ہے اور مساجد نہ بناکر مسلمانوں کو اور زیادہ دین سے دور کرنے کوشش کی جارہی ہے لہٰذا حکومت کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ بقدرِ ضرورت مساجد کا انتظام اور مساجد کی تعمیر کریں اس کے باوجود اگر حکومت اپنا یہ فرض ادا نہیں کرتی کوتاہی کرتی ہے تو اہل محلّہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لیے مسجد کی جگہ وتعمیر کا انتظام کریں۔

---

[۱] ولعل الأخذ كرها ليس فى كل مسجد ضاق بل الظاهر ان يختص بما لم يكن فى البلد مسجد آخر اذ لو كان فيه. مسجد آخر يمكن دفع الضرورة بالذهاب اليه نعم فيه حرج لكن الأخذ كرها اشد حرجاً منه. (شامی:۳۷۹/۴)

سرکاری زمین میں بلا اجازت بنائی گئی مسجد کا حکم

۷ ...... جیسا کہ گزرا کہ عوام کے لیے مساجد کا انتظام حکومت کی اہم ذمہ داری ہے اس میں کوتاہی کی وجہ سے حکومت گناہ گار ہے حتیٰ کہ فقہاء نے بیت المال کے مصارف میں سے مساجد کی تعمیر کو بھی ایک مصرف شمار کیا ہے اور اگر حکومت اس سلسلہ میں کوتاہی کرتی تو عوام پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے پیشِ نظر مساجد تعمیر کریں جیسے امام وغیرہ کی تعیین جمعہ وعیدین کا قیام حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن اگر حکومت کوتاہی کرے تو یہ فریضہ عوام پر عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کے انتظامات خود کریں۔[1]

اور کئی مثالیں وحوالہ جات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت نے عوام کو اتنا اختیار دیا ہے کہ وہ ضرورت ومجبوری کے وقت ایسی زمین پر جو کہ عوام کی مشترکہ ہو مسجد بنا سکتے ہیں بشرطیکہ عوام واہل محلّہ کو اس سے نقصان نہ ہو اور وہاں مسجد کی ضرورت بھی ہو اور نیت بھی صاف ہو۔

لہٰذا ایسی مساجد جو کہ صحیح نیت وجذبہ کے ساتھ حکومت کی کسی خالی زمین یا پلاٹ پر بلا اجازت بنائی گئیں اور وہ مساجد واقعتاً کسی ضرورت ومجبوری کے تحت بنائی گئی ہوں کہ محلّہ میں مسجد ہی نہ ہو یا آبادی کے تناسب کے اعتبار سے اس محلّہ میں مسجد کم و نا کافی ہو اور اہل محلّہ کے شرفاء واکثر لوگوں کو اس مسجد سے کوئی اعتراض ونقصان نہ ہو تو ایسی مساجد شرعاً مساجد ہوں گی ان میں نماز بلا کراہت ادا ہوگی اور ان پر مساجد کے تمام احکام وآداب جاری ہوں گے ان مساجد کو نہ گرایا جا سکتا ہے نہ دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے بلکہ قیامت تک وہ مسجد ہی رہے گی کیونکہ ایسی زمین جس پر حکومت کا پہلے سے کوئی منصوبہ نہ تھا ایسی زمین پر مسجد بننے کے بعد حکومت کا اس پر کوئی انکار نہ کرنا اور اس کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرنا یہ گویا حکومت کی طرف سے اجازت ہے بعد میں

---

[1] شامی میں ہے: ولهم نصب متول وجعل المسجدين واحدا وعكسه لصلاة. (شامی:۱/۶۶۲)

ضرورت کے واقع ہونے پر حکومت کا اس مسجد کو غیر شرعی قرار دینا اور اس کو گرانا جائز نہیں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اجازت دینے میں صراحۃً اجازت دینا ضروری نہیں بلکہ اطلاق کافی ہے۔[1]

اس حکم کے متعلق مکمل تفصیل وتوضیح مع الدلائل خیر الفتاویٰ ۲/ ۸۵ے میں ملاحظہ کریں۔

البتہ ایسی مساجد جو کہ حکومت کی زمین پر بلااجازت بنائی گئیں لیکن ان کے بنانے میں صحیح نیت وجذبہ شامل حال نہ تھا اور نہ ہی کسی ضرورت ومجبوری کے تحت وہ مسجد بنائی گئی بلکہ ویسے ہی جگہ پر قبضہ کرنے کی نیت سے یا تفریق واختلاف اور انتشار کی غرض سے وہ مسجد بنائی گئی یا ایسی زمین پر مسجد بنائی گئی جس کے متعلق مسجد بننے سے قبل حکومت کا کوئی منصوبہ تھا ایسی مساجد کے متعلق حکم تمام تنقیحات و وضاحت کے ساتھ کسی مستند دارالافتاء سے رجوع کر کے معلوم کیا جائے کہ موقعہ محل کے اعتبار سے کوئی حکم لگایا جاسکے گا۔

❽ ...... ایسے علاقے جو حکومت کی طرف سے لیز شدہ نہ ہوں لوگوں نے قبضہ کر کے وہاں گھر بنائے اور ضرورت کے تحت مسجد بھی بنالی ایسی مساجد کا حکم یہ ہے کہ اگر حکومت نے اپنے کسی منصوبہ کے تحت اس جگہ کو خالی چھوڑا تھا کہ بعد میں اپنے منصوبے کے مطابق اس کو تعمیر کریں گے تو اس صورت میں حکومت جہاں مکان خالی کروائی گی وہاں مسجد بھی شہید کر سکتی ہے کیونکہ یہ شرعی مسجد نہیں اور اگر کوئی پہلے سے منصوبہ نہ تھا مکان مسجد وغیرہ بننے کے بعد حکومت کا کوئی منصوبہ ہوا تو ایسی صورت میں مسجد شہید کرنا صحیح نہیں ہے۔

---

[1] بحر میں ہے: اشاربا طلاق قوله ويأذن للناس للصلاة انه لا يشترط ان يقول اذنت فيه للصلاة جماعةً بل الاطلاق كاف. (بحر:۵/۲۴۹)

شرطِ افراز (علیحدگی) سے متفرع ہونے والے چند مسائل

جیسا کہ گزرا مسجدیت کے صحیح ہونے کے لیے پہلی شرط افراز ہے کہ وقف کرنے والا اس جگہ کو بندوں کے حقوق سے بالکل جدا کر دے اور خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دے۔

مسئلہ:...... ایسی جگہ وقف کرنا جس میں دوسرے شخص کا بھی حق ہو اور اس کی رضا مندی حاصل نہیں کی گئی ہو صحیح نہیں اور اس حق والے کو اختیار ہے کہ مسجد وہاں سے باطل کر کے اپنا حق لے لے۔

مسئلہ:...... مرض الوفات میں کسی نے وصیت کی کہ میری فلاں جگہ مسجد کے لیے وقف ہے اور اس جگہ کی قیمت اس کے تہائی مال سے زیادہ ہے اور تمام ورثاء یا وارثوں میں سے کوئی ایک اس وصیت کو پورا کرنے پر رضا مند نہیں تو اس کی یہ وصیت باطل ہے اور وہ جگہ موقوفہ شمار نہیں ہوگی۔

البتہ اگر وصیت تہائی مال یا اس سے کم میں ہے یا تہائی مال سے زیادہ میں تمام ورثاء اس وصیت کو پورا کرنے پر بخوشی رضا مند ہوں (بشرطیکہ تمام ورثاء بالغ ہوں) اس صورت میں اس کی وصیت نافذ شمار کی جائے گی اور وہ جگہ مسجد کے لیے وقف ہو جائے گی۔

مسئلہ:...... کسی شخص نے اپنی زمین کو مسجد کے لیے وقف کر دیا پھر بعد میں زمین میں کوئی شخص واقف کا شریک ثابت ہو گیا اور اس نے اپنا حصہ نکال لیا تو جو باقی واقف کا حصہ تھا وہ بھی اس کی ملکیت میں لوٹ جائے گا کیونکہ یہ وقف ہی صحیح نہیں ہے البتہ تقسیم ہو جانے کے بعد وہ دوبارہ اپنا حصہ وقف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

مسئلہ:...... کسی شخص نے زمین یا گھر خرید کر مسجد کے لیے وقف کر دیا اور اس میں کسی کو حق شفعہ حاصل ہے تو واقف کا یہ وقف کرنا صحیح نہیں کیونکہ شفیع کا حق اس میں ثابت

ہو چکا ہے افراز کی شرط نہیں پائی جا رہی۔[1]

مسئلہ: ...... جو مساجد مدارس میں بنی ہوتی ہیں اگرچہ ان کے لیے علیحدہ راستہ متعین نہیں کیا جاتا پھر بھی وہ شرعی مساجد کے حکم میں ہیں کیونکہ مسجد کے لیے علیحدہ راستہ کا ہونا شرط نہیں اور چونکہ اس میں عام لوگوں کو نماز پڑھنے کے لیے آنے کی کوئی ممانعت نہیں ہوتی لہٰذا وہ شرعی مساجد ہی ہیں۔[2]

مسئلہ: ...... بڑی فیکٹریوں وکمپنیوں بلڈنگوں اور سینٹرز میں جو مسجد ہوتی ہیں اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

❶ ...... اگر شروع میں بناتے ہوئے مالک نے مسجد بنانے کی نیت نہیں کی تھی بلکہ صرف نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ مخصوص ومتعین کر دی تو ایسی صورت میں وہ شرعی مسجد نہ ہوگی بلکہ اس کا حکم مصلیٰ کا ہوگا اور اس پر مسجد کے تمام احکام وآداب جاری نہیں ہونگے اور اگر مالک بعد میں ضرورت کے وقت اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرنا چاہے اور اس کے مصلیٰ کی حیثیت کو ختم کرنا چاہے تو اس کو اس کی اجازت ہوگی۔

❷ ...... اگر مالک نے اس جگہ کو عارضی طور پر متعین نہیں کیا بلکہ مالک وہاں پر مسجد بنانے اور ہمیشہ اس جگہ کے مسجد رہنے کی نیت کر لے تو اس صورت میں وہ جگہ مالک کی ملکیت سے نکل کر مسجد کے لیے وقف ہو جائے گی اور وقف کے صحیح ہونے اور شرعی مسجد ہو جانے کے بعد مالک کو اس جگہ میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہوگا کہ مالک ضرورت کے واقع ہونے پر اس جگہ کو اپنی ضرورت کے لیے استعمال نہیں کر سکتا بلکہ وہ جگہ تا قیامت مسجد رہے گی اگرچہ اس کے لیے کوئی مستقل راستہ نہ نکالا گیا ہو اور اس پر مسجد کے تمام احکام وآداب جاری ہوں گے۔

---

[1] بحر میں ہے: ولهذا قالوا لو اشترىٰ دارالها شفيع فجعلها مسجداً كان للشفيع ان يأخذها بالشفعة وكذا اذا كان للبائع حق الاسترداد كان له ان يبطل المسجد. (بحر:۵/۲۴۹)

[2] بحر میں ہے: فعلى هذا المساجد التى فى المدارس بجرجانيه خوارزم مساجد لانهم لا يمنعون الناس من الصلاة فيها واذا اغلقت يكون فيها جماعة من اهلها. (بحر:۵/۲۴۹)

۳ ...... فیکٹری، کمپنی یا بلڈنگ، سینٹرز وغیرہ میں نماز کے لیے جگہ متعین کرتے وقت کوئی نیت نہیں کی گئی کہ یہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے یا عارضی طور پر مصلّٰی ہے لیکن لوگوں کو باجماعت نماز پڑھنے پڑھانے کی اجازت دے دی گئی یا اس کے لیے کوئی انتظام کیا مثلاً امام وغیرہ مقرر کرنا تو قرائن کی وجہ سے وہ جگہ شرعی مسجد ہو جائے گی کیونکہ فقہاء کی عبارت سے یہ ہی واضح ہوتا ہے کہ مطلق نماز باجماعت ادا کرنے کی اجازت دے دینا شرعی مسجد ہونے کے لیے کافی ہے۔[1]

بڑی بلڈنگوں وسینٹروں میں بنی ہوئی مسجد کا حکم

آج کل جگہ کی تنگی اور آبادی کی کثرت کے باعث فلیٹ سسٹم رواج پذیر ہو چکا ہے بڑی بڑی بلڈنگیں اور کاروباری سینٹر و مراکز قائم کئے جاتے ہیں اور ان میں نماز پڑھنے کے لیے مسجدیں و جگہیں بنائی جاتی ہیں موجودہ زمانہ کی ضرورت و مجبوری کے اعتبار سے وہ جگہیں شرعی مسجد ہی کے حکم میں ہوں گی اور ان پر مسجد والے تمام احکام و آداب مرتب و جاری ہوں گے۔

اگرچہ کسی جگہ کے مسجد بننے کا قاعدہ ہے کہ اس جگہ کو زمین سے لے کر آسمان تک ہر اعتبار سے بندوں کے حق سے بالکل منقطع و فارغ کر کے خالصۃً اللہ کے لیے وقف کر دیا جائے یہ قاعدہ اس جگہ پر منطبق تو نہیں ہوتا لیکن چونکہ اب یہ جگہ کی تنگی و آبادی کی کثرت کی وجہ سے ضرورت بن چکی ہے اور اس کا رواج بھی بہت عام ہو گیا ہے خصوصاً یورپ وغیرہ کی اکثر مساجد اسی طرح ہوتی ہیں اس لیے ضرورت و مجبوری کی بنا پر ان

---

[1] ومن جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيتا وجعل بابه الى الطريق وعزله او اتخذوسط داره مسجدا واذن للناس بالدخول فله بيعه ويورث عنه لانه لم يخلص لله تعالى بيقاء حق العبد متعلقا به وحاصله ان شرط كونه مسجداً ان يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى وان المساجد لله. (بحر:۵/۲۵۱)

جگہوں کے شرعی مسجد ہونے کا حکم دیا جائے گا کہ وہ جگہیں شرعی مسجد ہیں۔[۱]

تأبید (ہمیشہ کے لیے وقف کرنا) کے متعلق تفصیل

مسجدیت کے مکمل ہونے اور وقف برائے مسجد کے صحیح ہونے کے لیے دوسری شرط تأبید (یعنی اس کو ہمیشہ کے لیے وقف کرنا) ہے اگر چہ مفتی بہ قول کے مطابق زبان سے کہنا ضروری نہیں لیکن تأبید کی نیت کرنا ضروری ہے اگر ہمیشہ کی نیت نہیں کی یا زبان سے صراحۃً کہا کہ کچھ وقت تک یہاں نماز پڑھ لو یا عارضی طور پر اس جگہ کو ایک سال یا ایک مہینہ کے لیے وقف کیا ہے تو اس صورت میں یہ وقف صحیح نہیں اور وہ جگہ مسجد نہ ہوگی۔

مسئلہ: ...... کرایہ کی جگہ پر مستقل شرعی مسجد بنانا جائز نہیں۔

مسئلہ: ...... عارضی طور پر کسی جگہ نماز باجماعت شروع کی اس سے وہ جگہ شرعی مسجد نہیں ہوگی مثلاً مسجد تعمیر ہو رہی ہے اس کے متبادل کسی اور جگہ نماز شروع کردی یا حکومت سے مطالبہ کیا کہ مسجد بنادی جائے حکومت نے عارضی طور پر کوئی جگہ نماز پڑھنے کے لیے دے دی تو اس سے وہ جگہ شرعی مسجد کے حکم میں نہ ہوگی۔[۲]

مسجد کے لیے موقوفہ زمین کے چند احکام

❶ ...... جس جگہ کو مسجد کے لیے وقف کیا گیا اس وقف کے صحیح ولازم اور مکمل ہو جانے کے بعد وہ مسجد کے لیے وقف شدہ جگہ بندے کی ملکیت اور ہر قسم کے حق سے فارغ اور آزاد ہو کر مالک حقیقی اللہ رب العزت کی ملکیت میں لوٹ جاتی ہے کہ اب انسان حتیٰ

---

[۱] جیسا کہ فتح القدیر میں ہے: "وعن ابی یوسف انه جوز فی الوجهین اذا قدم بغداد ورای ضیق المنازل فکانه اعتبر الضرورة وعن محمد انه حین دخل الری اجاز ذلك کله لما قلنا وهذا تعلیل صحیح لانه تعلیل بالضرورة." (فتح القدیر: ۴/۴۴۵)

[۲] شامی میں ہے: واذا وقته بشهراو سنة بطل اتفاقاً. (۴/۳۵۱)

کہ خود واقف بھی اس جگہ کا خود مالک نہیں ہے اس لیے اب کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ مسجد کے کسی حصہ سے کسی طرح کا کوئی ذاتی فائدہ اٹھائے یا وقف ہو جانے کے بعد اس جگہ سے متعلق ذاتی ملکیت یا کسی قسم کے حق کا دعویٰ کرے کہ وہ جگہ اللہ رب العزت کی ملکیت میں جا چکی ہے اس طور پر کہ اس کے منافع بندوں کی طرف ہی لوٹتے ہیں۔[1]

۲ ...... جس جگہ کو مسجد کے لیے وقف کیا گیا ہے اس جگہ کا مکمل حصہ تحت الثریٰ نچلی زمین سے لے کر آسمان تک مسجد ہی کے لیے وقف ہوگا کہ وقف کرنے کے بعد کوئی شخص حتیٰ کہ خود واقف مسجد کے نیچے یا اوپر کے کسی بھی حصہ کو ذاتی ضروریات وفوائد ومنافع کے لیے استعمال نہیں کر سکتا ہے کیونکہ وقف کرنے کے بعد پورا حصہ زمین سے لے کر آسمان تک ہمیشہ کے لیے ذاتی تصرف وقبضہ سے نکل گیا اور مسجد ومصالح مسجد کے لیے وہ حصہ فارغ ہو چکا ہے۔

۳ ...... وقف کے صحیح ہونے کے بعد کسی بھی وقف شدہ جگہ کو نہ کوئی فروخت کر سکتا ہے نہ کوئی وراثت میں لے سکتا ہے اور نہ واقف اپنے وقف میں رجوع کر سکتا ہے اور نہ کوئی انسان اسے اپنے ذاتی تصرف یا کسی ایسے کام میں لے سکتا ہے جو مسجدیت کے خلاف ہو۔[2]

۴ ...... جو جگہ وزمین ایک دفعہ مسجد بن گئی اب قیامت تک وہ زمین اور جگہ شرعی مسجد ہی رہے گی کوئی بھی شخص واقف ہو یا اس کے علاوہ حکومت گورنمنٹ وغیرہ کوئی بھی اس جگہ کی شرعی مسجد کی حیثیت کو ختم نہیں کر سکتا خدانخواستہ اگر کوئی آسمانی آفت یا کسی اور وجہ

---

[1] ہدایہ میں ہے: الوقف عندهما جس العين علٰى حكم ملك الله تعالٰى فيزول ملك الواقف عنه الى الله تعالٰى علٰى وجه تعود منفعته الى العباد. (ہدایہ:۱/۶۱۷)

[2] ہدایہ میں ہے: واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه ومن اتخذ ارضه مسجداً لم يكن له ان يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه لانه يجوز حق العباد وصار خالصا لله تعالٰى. (ہدایہ:۱/۶۲۰)

درمختار میں ہے: فاذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن شامى. (۴/۳۵۲)

سے وہ مسجد ویران ہو جائے تو بھی وہ حصہ مسجد کے حکم میں باقی رہے گا نہ اسے کوئی فروخت کرسکتا ہے نہ حکومت یا کوئی اور شخص اس جگہ پر قبضہ کر کے اسے ذاتی استعمال میں لے سکتا ہے شرعی مسجد بن جانے کے بعد ہر حال میں اس کی مسجد کی حیثیت کو برقرار رکھنا اور اس کا تقدس واحترام کرنا ضروری اور واجب ہے شرعی مسجد بن جانے کے بعد اس جگہ کی مسجدیت کی حیثیت کو ختم کرنے والا شخص خواہ وہ گورنمنٹ ہی کیوں نہ ہو گناہ گار ہوگا۔[1]

البتہ جب کسی ایسی مسجد کا سامان واسباب ضائع ہورہا ہو یا کسی ظالم وغاصب اور چور کے چوری کرنے یا غصب کرنے کا خطرہ ہو تو ایسے حالات میں اس مسجد کا سامان دوسری قریبی مسجد کی طرف منتقل کرنا تو جائز ہوگا لیکن یہ مسجد اپنی بنیاد پڑنے کے پہلے دن سے ہمیشہ تک مسجد ہی رہے گی کوئی بھی صورت اس کی مسجدیت کی حیثیت کو ختم نہیں کرسکتی۔[2]

اس سے یہ حکم بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر حکومت اپنے بعد کے کسی منصوبہ کے تحت پہلے سے بنی ہوئی شرعی مسجد کو گرا کر اپنے منصوبہ میں شامل کرنا چاہے اور اس جگہ کی قیمت دے دے یا مسجد کے لیے کسی متبادل جگہ کا انتظام کر دے تو حکومت کے لیے اس طرح کرنا اور اہل محلّہ کا اس کی قیمت وصول کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر مسجد بننے سے

---

[1] شامی میں ہے: لو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عندالامام (والثانی) أبدا الى قيام الساعة وبه يفتى وفى الشامية (ولوخرب ما حوله) اى ولو مع بقائه عامراً كذا لو خرب وليس ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر (عندالامام والثانی) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله و نقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا ليصلون فيه اولا وهو الفتوىٰ. (شامی:۴/۳۵۸)

[2] تنویرالابصار میں ہے: ومثله حيشش المسجدو حصره مع الاستغنا عنهما وكذا الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الىٰ اقرب مسجد. (شامی:۴/۳۵۹)

پہلے ہی حکومت کا اس جگہ سے متعلق کوئی منصوبہ تھا مسجد بعد میں بنی ہے یا حکومت کی زمین پر اس کی اجازت کے بغیر مسجد بنالی گئی ہے تو اس صورت میں حکومت کا اپنے منصوبہ کے تحت اس مسجد کو گرانا اور اس جگہ کو اپنے منصوبہ میں شامل کرنا جائز ہوگا۔[1]

مسجد کی ذرائع آمدنی

مسجدیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَـٰجِدَ لِلَّهِ ﴾ (الجن: ۱۸) اس سے مساجد کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ ہوتا ہے کہ مساجد کی نسبت اللہ رب العزت نے خاص اپنی طرف کی ہے اور حدیث شریف میں ہے۔

''ان اللّٰہ طیب لا یقبل الا طیباً.'' (مشکوۃ:۲۴۱)

کہ اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور پاک مال ہی کو قبول کرتا ہے۔

لہٰذا مسجد جو کہ خدا کا مقدس و پاکیزہ گھر ہے اس کے بنانے اس کے تعمیر کرنے اس کے لیے جگہ لینے میں حلال و پاکیزہ مال استعمال کیا جائے حرام مال مسجد کے لیے استعمال نہ کیا جائے کہ خدا تعالیٰ پاکیزہ مال ہی کو قبول فرماتا ہے اس لیے حرام اور مشتبہ مال سے مسجد بنانا یا ایسے مال کو مسجد کی تعمیر پر خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں۔[2]

کافر کا مسجد کے لیے زمین وقف کرنا

وقف کے صحیح ہونے کی شرائط میں واقف کا مسلمان ہونا ضروری نہیں اگر کوئی ذمی

---

[1] الحاوی للسیوطی میں ہے: فانِ حرمة المسجد واحکامه الثابته له باقیه الی یوم القیامة ولو اتسع وأزیلت جدره و اعیدت عادت علٰی هذا الحکم من غیر تغییر فان الحکم المذکور منوط بالمسجد من حیث هو لا بذاك الجدار بعینه. (الحاوی:۲/۱۷)

[2] شامی میں ہے: قوله ولو بمال الحلال قال تاج الشریعة اما لو انفق فی ذالك مالا خبیثا وما لأ سببه الخبیث و الطیب فیکره لان اللّٰه تعالٰی لایقبل الا الطیب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله. (شامی:۱/۶۵۸)

کافر مسجد کے لیے اپنی جگہ وقف کرتا ہے اور وہ اپنے خیال ورائے میں اس کو قُرب اور ثواب کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کا وقف کرنا صحیح ہے۔[1]

البتہ کسی کافر سے مسجد بنانے یا اپنی زمین مسجد کے لیے وقف کرنے کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں کہ اس میں اسلام کی توہین ہے ہاں اگر وہ اپنی خوشی و مرضی سے اپنی زمین مسلمانوں کو مسجد بنانے کے لیے دے دے اور اس کو ثواب کا ذریعہ سمجھتا ہو اور وقف کی بقیہ شرائط پائی جائیں تو اس جگہ پر مسجد بنانا صحیح ہے۔

لیکن اگر کافر کی زمین یا روپیہ مسجد کے لیے قبول کرنے میں اس بات کا اندیشہ و احتمال ہو کہ وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں پر اپنی بڑائی اور اپنا احسان ظاہر کرے گا یا اس بات کا احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے احسانات کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی وجہ سے اپنے شعائر میں مداہنت و سستی کرنے لگیں گے یا مسجد بن جانے کے بعد وہ اپنی زمین سمجھ کر اس میں مداخلت شروع کر دیں گے ان احتمالات میں سے اگر کسی کا بھی اندیشہ ہو تو ان کے مال یا زمین کو قبول کر کے مسجد بنانا جائز نہ ہوگا۔ وضاحت کے لیے دیکھئے۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/۶۶۴)

باقی آیت ﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَن يَعْمُرُوا مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ ﴾ (التوبہ: ۱۷) میں جواز کی نفی نہیں ہے کہ ان کے لیے مسجد بنانا جائز نہیں بلکہ ان کے فخر کی نفی ہے کہ ان کا تعمیر پر فخر کرنا بے جا اور لغو ہے اور یہ فخر ان کے لیے مناسب نہیں اس آیت سے مذکورہ بالا مسئلہ کے خلاف استدلال کرنا درست نہیں۔ (دیکھئے بیان القرآن)

مسئلہ: ...... کسی غیر مسلم کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مسجد بنانا جائز نہیں اور اگر کسی کافر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر غصباً (زبردستی چھین کر) مسجد بنائی گئی تو وہ جگہ مسجد نہیں ہوگی اور مالک کی اجازت کے بغیر اس جگہ نماز ادا کرنا مکروہ ہوگا۔

---

[1] بحر میں ہے: وأما الاسلام فليس من شرطه وصح وقف الذمی بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (بحر: ۵/۱۸۹)

مسئلہ: ...... مسجد کی تعمیر کے لیے کسی کافر سے چندہ یا امداد نہ ہی لینا بہتر ہے کہ اس کے فضائل اتنے ہیں کہ مسلمانوں کو فضائل سنا کر اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی مسجد کی تمام ضروریات کا انتظام خود کریں اگر کوئی کافر اپنی مرضی و خوشی سے دیتا ہے اور مذکورہ بالا احتمال میں سے کسی کا اندیشہ نہ ہو تو اس کا مال قبول کرنا جائز ہے۔

مسجد کے لیے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقم کا استعمال

زکوٰۃ کے مال کو حضور ﷺ نے ''اوساخ الناس'' فرمایا ہے کہ یہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے نیز زکوٰۃ کی ادائیگی کی ایک شرط تملیک ہے یعنی اس مال کا کسی محتاج کو مالک بنا دینا اگر تملیک کی شرط نہ پائی گئی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور مسجد کا کوئی شخص تو مالک ہوتا نہیں کہ تمام مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔

لہٰذا زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقوم مسجد کی زمین خریدنے کے لیے یا مسجد کی تعمیر کے لیے استعمال کرنا یا مسجد کے فنڈ میں دینا اور ایسے مال کو قبول کرنا جائز نہیں اور جو زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقم مسجد کے فنڈ میں دے دی تو تملیک کی شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے استعمال کرنا

واضح رہے کہ مسجد کی تعمیر اور اس کے اخراجات میں اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ جتنی حلال و پاکیزہ رقم مسجد کے لیے بآسانی جمع ہوسکے اس کے مطابق ہی مسجد کی تعمیر و اخراجات پر خرچ کیا جائے (مسجد کو حد سے زیادہ خوبصورت بنانا اور اس پر بے جا خرچ کرنے کو علماء نے مکروہ لکھا ہے) اس لیے مسجد کی تعمیر یا انتظامی امور میں زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے بھی استعمال نہ کی جائے کیونکہ حیلہ کے بعد بھی اس میں نقص و عیب باقی رہتا ہے۔

البتہ اگر مسجد کے لیے رقم کی بہت زیادہ ضرورت ہو اور زکوٰۃ کی رقم کے استعمال

کے علاوہ کوئی اور صورت نہ ہوتو حیلہ کرنے کی گنجائش ہے لیکن اس وقت کے موقعہ محل کے اعتبار سے کسی مستند دارالافتاء سے رجوع کر کے اور اس وقت کی تمام صورتحال سے دارالافتاء کو مطلع کر کے ان کے فتویٰ کے مطابق عمل کیا جائے۔

تنبیہ:...... مسجد بنانے والے اور مسجد کے لیے چندہ جمع کرنے والی مسجد کمیٹی وغیرہ کو اس بات کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے کہ چندہ وصول کرتے وقت پہلے ہی اس بات کی وضاحت کردی جائے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم مسجد کے لیے جمع نہ کروائی جائے کہ اس سے ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اگر بصورتِ مجبوری لینا ہی پڑے تو اس کا علیحدہ فنڈ بنایا جائے۔

مساجد کے لیے فساق وفجار سے چندہ لینے کا حکم

مسجد کے لیے ہر مسلمان کی رقم بشرطیکہ وہ حلال ہو قبول کی جاسکتی ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ہی چیز اس کی ہدایت ومغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

حرام اور مشتبہ مال مسجد پر خرچ کرنا

کسی بھی قسم کا حرام اور مشتبہ مال مثلاً چوری۔ غصب۔ رشوت۔ زنا کی کمائی۔ سود اور بینک کی آمدنی وغیرہ مسجد کے لیے وصول کرنا اور مسجد پر خرچ کرنا جائز نہیں اور معلوم ہونے کے باوجود اگر مسجد کمیٹی اس مال کو مسجد پر خرچ کرتی ہے تو وہ گناہ گار ہے۔

ایسی مسجد کا حکم جس میں حرام مال استعمال کیا گیا ہو

اس کی مختلف صورتیں ہیں:

❶...... مسجد کی زمین حلال مال سے خریدی گئی یا کسی نے اپنی حلال زمین مسجد کے لیے وقف کی کہ مسجد کی زمین پر حرام مال استعمال نہیں ہوا لیکن جو مرمت یا تعمیر کی گئی ہے اس میں حرام مال استعمال کیا گیا تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔

(الف)...... وہ حرام مال یا تو دیواروں اور چھت پر لگایا گیا ہے یا فرش پر لگایا گیا ہے اگر حرام مال دیوار یا چھت پر لگایا گیا ہے تو چونکہ اس صورت میں نماز پڑھتے وقت حرام کا استعمال اور اس سے مکمل انتفاع نہیں پایا جاتا اس لیے ایسی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے مگر حرام مال مسجد پر خرچ کرنے کا گناہ تو ہے ہی اس لیے حرام مال سے تعمیر کردہ دیواریں گرا کر دوبارہ حلال مال سے تعمیر کرنا ضروری ہے تاکہ خدا کا گھر حرام سے پاک ہو جائے۔ (امداد الفتاویٰ:۲/۶۶۷)

(ب)...... دوسری صورت کہ مسجد کا فرش حرام مال سے تعمیر کیا گیا ہو اس صورت میں اس فرش پر نماز پڑھنے سے حرام کا استعمال ہوگا اور حرام مال سے نفع اٹھانا لازم آئے گا اور حرام مال سے انتفاع بالاجماع حرام ہے اس لیے ایسے فرش پر نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہوگا۔

❷...... حرام مال سے زمین خرید کر اس کو مسجد کے لیے وقف کیا گیا یا ایسی زمین کو مسجد کے لیے وقف کیا گیا جو زمین واقف کے پاس حرام طریقہ سے آئی ہو مثلاً واقف نے کسی کی زمین غصب کر کے اس کو مسجد کے لیے وقف کر دیا یا اس کے علاوہ کوئی بھی حرام صورت ہو اول تو ایسی زمینوں پر مسجد بنانا شرعاً جائز نہیں کیونکہ مسجد کے لیے حلال و پاکیزہ جگہ ہونی چاہیے۔

حرام زمین پر بنی ہوئی مسجد کا حکم

واضح رہے کہ کسی جگہ کا مسجد ہونا علیحدہ چیز ہے اور اس کا مقبول ہونا علیحدہ چیز ہے مسجدیت اور قبولیت میں تلازم نہیں کہ مسجدیت کی شرائط تو گزر چکی اگر وہ شرائط پائی جائیں گی تو وہ جگہ مسجد کے حکم میں ہو جائے گی اور یہ ضروری نہیں کہ جو مسجد ہو وہ عنداللہ مقبول بھی ہو کہ قبولیت کے لیے مال کا پاکیزہ ہونا اور نیت کا صاف و صحیح ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا اگر کوئی مسجد حرام آمدنی سے بنائی گئی یا مسجد کے لیے حرام زمین کو وقف کیا گیا تو مسجدیت کی شرائط پائے جانے کی وجہ سے وہ جگہ مسجد تو ہو جائے گی کہ اس کو توڑنا اور اس کی بے حرمتی کرنا جائز نہ ہوگا لیکن حرام زمین کی وجہ سے ایسی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہوگا اس لیے اس کی حرمت کی وجہ کو ختم کر کے اس جگہ کو حلال و پاک کر لیا جائے کہ حلال رقم جمع کر کے وہ رقم اس کو دے دی جائے جس نے زمین وقف کی ہے یا جس کی غصب شدہ زمین پر مسجد بنائی ہے اسے قیمت دے کر راضی کر لیا جائے وغیرہ تا کہ اس جگہ نماز پڑھنے کی کراہیت دور ہو اور مکمل ثواب ہو۔

مسجد کے لیے حرام مال قبول کرنا

مسئلہ:...... جس شخص کی کمائی و آمدنی مکمل حرام ہو اس کی رقم مسجد میں لگانا جائز نہیں ہاں البتہ اگر وہ یقین دلائے کہ یہ میری حلال کمائی کی رقم ہے یا یہ ورثہ میں ملی ہوئی حلال رقم ہے وغیرہ تو اس کی حلال رقم قبول کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ: ایسا شخص جس کی کمائی میں حلال و حرام مخلوط ہو تو غالب (اکثر) کا اعتبار کیا جائے گا اگر غالب کمائی حلال ہے تو رقم لینا جائز اور اگر غالب کمائی حرام ہے تو لینا جائز نہیں لیکن غالب حلال ہونے کی صورت میں بھی حرام کی آمیزش کی وجہ سے اس سے بچنا اور نہ لینا ہی بہتر ہے احتیاط کی جائے مسجد کے فنڈ میں کسی ایسے شخص نے چندہ دے دیا جس کی آمدنی حرام ہے اور بعد میں علم ہوا تو مسجد کمیٹی اس کی رقم یا اتنی مقدار رقم اس کو واپس کر دے تا کہ حرام کی ملاوٹ نہ ہو۔

تعمیرِ مسجد

مسجد کے لیے جس زمین کو وقف کیا گیا ہے اس جگہ کو مسجد (نماز کی جگہ) اور مصالح مسجد کے علاوہ کسی اور مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں۔[1]

---

[1] شامی میں ہے: شرائط الواقف معتبرة اذا لم يخالف الشرع. (۴/۳۴۳)

اور مصالح مسجد میں بھی اس جگہ کو استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسجد کا پہلی مرتبہ نقشہ بناتے وقت اور تعمیر کرتے وقت اس بات کی تعیین اور وضاحت ہو جائے کہ یہ جگہ نماز پڑھنے کے لیے ہوگی اور یہ جگہ مصالح مسجد کے لیے ہوگی کسی جگہ کے مسجد بننے کے بعد مصالح مسجد کے لیے مسجد میں سے جگہ لینا جائز نہیں اور متولی یا واقف کو اس کا اختیار نہیں اگر وہ دعویٰ کریں کہ شروع سے ہماری نیت یہاں مصالح مسجد بنانے کی تھی تو ان کا یہ دعویٰ قابلِ قبول نہ ہوگا جب تک کہ اس کی عام اطلاع نہ کی گئی ہو۔[1]

ہاں ضرورت کے وقت مصالح مسجد میں سے مسجد کے لیے جگہ لی جا سکتی ہے۔

مصالحِ مسجد

مصالحِ مسجد میں یہ چیزیں داخل ہیں وضوخانہ، امام صاحب کا کمرہ، مؤذن وخادم کا کمرہ، سامان رکھنے کے لیے کمرہ، لائبریری، استنجا خانہ، امام صاحب کا گھر مؤذن وخادم کا گھر، جنازہ گاہ۔

اگر مسجد کی زمین وسیع ہو تو اکثر حصہ کو شرعی مسجد قرار دے کر کچھ حصہ مسجد سے خارج شمار کیا جاتا ہے جسے فنائے مسجد کہتے ہیں یہ بھی مصالح مسجد میں شامل ہے۔

مسجد کی تعمیر کے وقت ان امور کا خیال رکھنا ضروری ہے

❶...... مسجد کی پہلی تعمیر کے وقت ہی شرعی مسجد اور مصالح مسجد کی مکمل تعیین ہو جائے کہ اتنی جگہ نماز باجماعت کی ادائیگی کے لیے ہوگی اور اتنی جگہ مصالح مسجد کے لیے استعمال ہوگی۔

❷...... مسجد بنانے سے پہلے سمتِ قبلہ کی صحیح تعیین ہو جائے۔

❸...... مسجد بنانے سے پہلے نیت کی اصلاح واخلاص بہت ضروری ہے ریاء نام ونمود

---

[1] شامی میں ہے: لو بنٰی فوقه بيتا للامام لا يضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد النباء منع ولو قال عينت ذلك لم يصدق. (۳۵۸/۴)

کے لیے مسجد تعمیر نہ کی جائے۔

۴...... حلال مال سے مسجد کو تعمیر کیا جائے حرام اور مشتبہ مال سے اجتناب کیا جائے۔

۵...... نیز یہ خیال رہے کہ جہاں مسجد تعمیر ہو رہی ہے وہاں مسجد کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔

۶...... مسجدیں سادہ مگر مضبوط ہوں اگر مضبوطی و پختگی کے زمرہ میں کچھ خوبصورتی بھی آجائے تو حرج نہیں مگر خوبصورتی مقصود نہ ہو۔

۷...... سب سے پہلے اس حصہ کو تعمیر کیا جائے جس کو شرعی مسجد قرار دیا گیا ہے۔[۱]

۸...... جتنی رقم کی گنجائش ہو اور بآسانی ملنے کی امید ہو اس کے اعتبار سے ہی خرچ کیا جائے تاکہ بعد میں مشکلات نہ ہوں اور ہر مرحلہ میں رقم موجود ہو جب بھی رقم موجود نہ ہو پھر بھی دھیان و یقین اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی پر ہو کہ سارے کام اللہ ہی اپنے غیبی خزانوں سے بنائیں گے۔

۹...... متولی کے پاس مسجد کی رقم امانت ہے اور متولی تمام اہلِ محلّہ کی طرف سے امین ہے لہٰذا انتہائی سوچ سمجھ کر اور دھیان کے ساتھ رقم خرچ کی جائے تاکہ امانت میں خیانت لازم نہ آئے اور متولی وقتاً فوقتاً عوام کو خرچ کی تفصیل کے متعلق مطلع کرتا رہے تو اچھا ہے تاکہ بہتان سے بچا جاسکے۔

۱۰...... مسجد کی تعمیر کے لیے اہلِ محلّہ کو فضائل سنا کر خرچ کرنے کی ترغیب دی جاسکتی ہے مگر جیسا کہ گزرا حلال و پاکیزہ مال قبول کیا جائے اور اس کا اعلان کردیا جائے کہ مسجد میں زکوٰۃ نہیں لگتی۔

مسجد و مصالحِ مسجد کے متعلق مسائل

فنائے مسجد:...... فنائے مسجد وہ جگہ کہلاتی ہے جو مسجد کی چار دیواری کے احاطہ میں ہو اور مسجد (نماز کی جگہ) سے متصل ہو کہ اس کے اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ یا کوئی دوسری

---

[۱] شامی میں ہے: ویبدأ من غلته بعمارته. (۳۶۶/۴)

چیز نہ ہو جیسے اگر کسی مسجد کی زمین وسیع ہو تو اکثر حصہ کو مسجد کا حکم دے کر باقی جگہ فنائے مسجد کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے۔[1]

کسی جگہ کے فنائے مسجد ہونے کے لیے اول تو یہ ضروری ہے کہ مسجد کی پہلی تعمیر کے نقشہ کے وقت ہی بنانے والا یا وقف کرنے والا تعیین وتحدید کردے کہ فلاں جگہ تک شرعی مسجد ہے اور اس کے بعد کی یہ جگہ فنائے مسجد کے حکم میں ہے اگر مسجد بننے سے پہلے اس قسم کی کچھ وضاحت وتحدید نہ ہوئی اور شروع میں ساری جگہ کو مکمل مسجد بنا دیا گیا تو بعد میں کوئی بھی خواہ وہ پہلا بانی ہو یا بعد میں آنے والا کوئی بھی متولی ہو یا دوسری تعمیر کے وقت اس جگہ کو مسجد سے علیحدہ کرنا اور فنائے مسجد کا حکم دینا جائز نہ ہوگا کیونکہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جائے وہ تاقیامت مسجد رہے گی اس کے کسی حصہ کو مسجد سے علیحدہ کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ: فنائے مسجد کے کسی حصہ کو یا مکمل فناء کو ضرورت کے وقت مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے اور یہ اختیار بعد کے متولیوں کے پاس بھی ہے کہ وہ ضرورت کے وقت فنائے مسجد کو مسجد میں شامل کر سکتے ہیں۔

فنائے مسجد کا حکم

فنائے مسجد کا حکم شرعی مسجد والا تو نہیں ہوتا لیکن احترام وعظمت میں اور اقتدا کے حکم میں اس کا حکم مسجد والا ہوگا کہ فقہاء نے فنائے مسجد میں بھی کوئی ایسا کام کرنے سے منع کیا ہے جس سے مسجد کی شان میں کوئی فرق آئے اور مسجد کی حرمت برقرار نہ رہے۔[2]

---

[1] بحرالرائق میں ہے: وفناء المسجد ما كان عليه ظلة المسجد اذا لم يكن ممراً لعامة المسلمين. (۲۴۹/۵)

[2] علامہ ابن نجیم نے بحرالرائق میں فرمایا: لايجوز لقيم مسجد ان يبنى حوانيت فى حد المسجد او فنائه. (بحر:۲۴۹/۵)

کیونکہ یہ مکمل مسجد کے حکم میں نہیں اس لیے حائضہ جنبی وغیرہ ایسی جگہ داخل ہو سکتے ہیں اس جگہ نماز پڑھنے کے لیے صفیں بنانا اس وقت تک درست نہیں جب تک مسجد میں جگہ باقی ہو۔

اگر مسجد میں جگہ ہوتے ہوئے وہاں صفیں بنائی گئیں تو اس سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا البتہ نماز واقتداء درست ہو جائے گی مسجد میں جگہ ختم ہونے کے بعد فنائے مسجد میں صفیں بنانا درست ہے اور ایسی صورت میں فنائے مسجد میں کھڑے ہونے والے کو مسجد کا ثواب مل جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ وہ جگہ مسجد کے حکم میں داخل نہیں البتہ نماز وغیرہ کے وقت صفوں کے اتصال اور امام کی اقتداء میں فقہاء نے اس کو مسجد کا حکم دیا ہے۔[1]

مسجد کے لیے وضوخانہ بنانا

مسجد کے لیے وقف کی گئی زمین کے کسی حصہ پر بقدرِ ضرورت وضوخانہ بنانا جائز ہے لیکن اس کے لیے جگہ کی تعیین پہلی تعمیر کے وقت ہی ضروری ہے بعد میں مسجد میں سے وضوخانہ کے لیے جگہ لینا جائز نہیں۔

مسئلہ:...... مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے کہ وضو کے پانی سے مسجد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔[2]

شامی میں ہے: (کفناء المسجد) هو المكان المتصل به ليس بينه وبينه طريق. (۱/۶۵۷)

[1] شامی میں ہے: فهو كالمتخذ لصلوٰة جنازة او عيد فيما ذكر من جواز الاقتداء وحل دخوله لجنب اونحوه. (شامی:۱/۶۵۷)

عالمگیری میں ہے: وفناء المسجد له حكم المسجد حتى لو قام فى فناء المسجد واقتدىٰ بالا مام صح اقتداءه وان لم تكن الصفوف متصلةً. (۱/۱۰۹)

[2] بحرالرائق میں ہے: ويكره الوضوء والمضمضة فى المسجد الا ان يكون فيه مواضع اتخذ للوضوء ولا يصلى فيه. (بحر:۲/۳۴)

بحرالرائق میں ہے: ويكر التوضؤ فى المسجد. (بحر:۵/۲۵۱)

مسئلہ:......افضل و بہتر یہ ہے کہ گھر سے وضو وغیرہ کر کے پاک وصاف ہو کر آدمی اللہ کے دربار کی طرف آئے کہ احادیث میں گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف جانے کے کئی فضائل وارد ہوئے ہیں۔

مسئلہ:......بہتر و مناسب یہ ہے کہ مسجد کی حدود شروع ہونے سے قبل مسجد کے دروازہ سے داخل ہوتے ہی پہلے وضو خانہ بنایا جائے تا کہ ہر آنے والا پاک وصاف ہو کر مسجد میں داخل ہو کہ بے وضو مسجد میں داخل ہونا خلافِ ادب ہے۔

مسئلہ:......قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے وضو کرنا مکروہ ہے اور قبلہ کی طرف چہرہ کر کے وضو کرنا مستحب ہے لہٰذا وضو خانہ بناتے ہوئے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

مسئلہ:......مسجد کے قبلہ کی طرف وضو خانہ بنانا مکروہ ہے ہاں اگر قبلہ کی جانب دیوار ہو جو اس کو سامنے سے چھپا دے اور دیوار کے پیچھے وضو خانہ ہو تو جائز ہے۔[1]

مسجد کے لیے غسل خانہ و بیت الخلاء بنانا

موجودہ زمانہ میں غسل خانہ و بیت الخلاء مسجد کی ضرورت کی وجہ سے مصالح مسجد میں سے شمار کیے جاتے ہیں اس وجہ سے مسجد کی موقوفہ زمین پر بیت الخلاء وغیرہ بنانا جائز ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ پیشاب کی حاجت درپیش ہو تو اس سے فراغت سے قبل نماز پڑھنے کی اجازت نہیں اس لیے مسجد میں جائے حاجت کی ضرورت ہے بحالتِ جنابت نماز گاہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں اس لیے غسل خانہ کی ضرورت ہے بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھ سکتے اس لیے مسجد میں حوض یا وضو خانہ کی ضرورت ہے نیز اعتکاف دس دن کا یا پورے ماہ کا مسجد میں ہوتا ہے لہٰذا مذکورہ چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۷۸)

---

[1] عالمگیری میں ہے: ویکرہ ان تکون قبلة المسجد الی المتوضأ. (۵/۳۱۹)

لیکن اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس سے مسجد کے احترام اور مسجد کے آداب میں کوئی خلل واقع نہ ہو کہ شریعت میں مساجد کے احترام اور اس کی صفائی کی بہت تاکید کی گئی ہے حتیٰ کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے پیاز ولہسن (بدبودار) چیز کھانے والا ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے اسی وجہ سے بعض علماء نے مسجد کے قریب بیت الخلاء بنانے کو خلافِ ادب لکھا ہے کہ یہ احترام مسجد کے خلاف اور نمازیوں کی تکلیف کا ذریعہ ہے کہ بیت الخلاء کا تعفن لہسن و پیاز سے بدرجہا زیادہ ہے۔

(دیکھئے امداد الفتاویٰ:۱/۶۸۵ احسن الفتاویٰ:۸/۴۳۷)

لہٰذا بیت الخلاء کا مسجد سے اتنی دور یا ایسی جگہ ہونا ضروری ہے کہ وہاں کی بدبو نمازیوں کو پریشان نہ کر سکے اور بیت الخلاء وغسل خانہ کو مصالح مسجد میں شمار کر کے ان کو بنانے کی اس لیے اجازت دی گئی ہے تاکہ نمازیوں کو سہولت رہے یہ عام محلّہ والوں کے لیے نہیں کہ سارے محلّہ والے مسجد میں آکر غسل کریں یا اپنی حاجت پوری کریں (جیسا کہ بعض گاؤں کا دستور ہے) یہ صورت جائز نہیں کہ اس سے مسجد کے گندہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور یہ بات احترامِ مسجد کے خلاف ہے کہ لوگ اس کی وجہ سے وہاں جمع ہو کر دنیا کی باتیں کرتے ہیں لہٰذا مسجد کے بیت الخلاء وغسل خانہ صرف نمازی یا امام و مؤذن یا معتکف استعمال کر سکتے ہیں۔

البتہ اگر مسجد کی حدود سے باہر علیحدہ سے رفاہ عام کے لیے غسل خانہ وغیرہ بنائے گئے ہوں تو ایسی صورت میں عام لوگوں کو بھی استعمال کرنے کی اجازت ہوگی۔[1]

مسجد کی زمین پر امام کے لیے مکان بنانا

امام کے لیے مکان مسجد کی ضرورت ومصالح میں داخل ہے اس لیے مسجد کی موقوفہ

---

[1] شامی میں ہے: لوجعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كما فى مسجد محلة الشحم بد مشق لم اره صريحا سيأتى متناً فى كتاب الوقف انه لوجعل تحته سردابا لمصالح المسجد جاز. (شامی:۴/۳۵۷)

زمین پر امام کے لیے مکان بنانے کی اجازت ہے اور مسجد کی چار دیواری کے اندر مکان بنانے میں اس بات کا خیال رہے کہ بے پردگی وغیرہ بالکل نہ ہو پردہ کا مکمل اہتمام ہو اور بچوں کے شور وشغف کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف بھی نہ ہو اس لیے مناسب ہے کہ نماز گاہ سے ہٹ کر علیحدہ سے امام کے لیے مکان بنایا جائے اس کا راستہ بھی علیحدہ ہو اور اگر یہ انتظام مسجد کی حدود سے باہر ہو تو زیادہ اچھا ہے۔

......شرعی مسجد یعنی نماز گاہ کے بالائی حصہ میں یا نیچے کے حصہ میں امام کے لیے ایسا مکان بنانا جس میں امام اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہے یہ جائز نہیں کیونکہ تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک مسجد ہوتی ہے اس حصہ میں پیشاب پائخانہ کرنا بیوی کے ساتھ صحبت کرنا یا جنبی ہونے کی حالت میں رہنا جائز نہیں۔[1]

مسئلہ:......مسجد (نماز کی جگہ) کے بالائی حصہ میں یا نیچے امام ومؤذن کے لیے فقط کمرہ بنانا جس میں امام ومؤذن اکیلے رہیں جائز ہے۔

مسئلہ:......مسجد کی خالی زمین پر جو کہ مصالح مسجد کے لیے چھوڑی گئی ہے اس پر امام ومؤذن کا مکان بنانا جائز ہے واضح رہے کہ امام کو مکان دینا امامت کی شرائط میں سے نہیں کہ امام کو ضروری مکان دیا جائے لیکن اہلِ محلّہ ومسجد کے متولی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اگر گنجائش وسہولت ہو تو امام کے لیے مناسب جگہ پر مکان کا انتظام کیا جائے آج کل بیت الخلاء وغیرہ کے اوپر امام کے لیے مکان وغیرہ بنا دیا جاتا ہے جو کہ امام کی شان کے مناسب نہیں ہر انسان اپنے متعلق سوچے کہ اسے اپنے لیے اچھی جگہ اور اچھا مکان بنانے کی فکر ہوتی ہے تو جس کے پیچھے آپ پنج وقتہ نماز پڑھتے ہیں اسے اپنے دین کا راہنما سمجھتے ہیں اس کے لیے بھی صحیح طور سے انتظام کیا جائے۔

مسئلہ:......مؤذن کے لیے بھی مسجد کی موقوفہ زمین پر مکان بنانا یا کمرہ بنانا جائز

---

[1] شامی میں ہے: وکرہ تحریما الوطء فوقه والبول والتغوط لانه مسجد الی عنان السماء. (۶۵۶/۱)

ہے۔[1]

مسجد کے کمروں کا حکم

جیسا کہ گزرا کہ امام ومؤذن اور خادم کے لیے یا مسجد کا سامان وغیرہ رکھنے کے لیے یا مسجد کی کسی اور ضرورت کے لیے مسجد کے احاطہ میں یا مسجد کی زمین پر کمرہ بنانا جائز ہے اور ان کمروں کو مصالح مسجد میں ہی استعمال کرنا ضروری ہے عام لوگ ان کمروں کو استعمال نہیں کر سکتے اگر وہ کمرے خالی پڑے ہوئے ہوں اور مسجد سے متعلقہ افراد کی ضرورت سے زائد ہوں تو ایسے کمروں کو کرایہ پر نہیں دے سکتے البتہ اگر واقف یا بانی نے شروع سے وہ کمرے کرائے کے لیے اور مسجد کی آمدنی کے لیے بنائے ہوں تو کرائے پر دیے جاسکتے ہیں مگر چند شرائط کے ساتھ۔

① ...... مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو (جیسا کہ گزرا)۔

② ...... اس سے مسجد کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو۔

③ ...... نمازیوں کو حرج وتکلیف وتشویش نہ ہو اور کرایہ داروں کی آمدورفت کا راستہ علیحدہ ہو کیونکہ مسجد کو راستہ بنانا مکروہ ہے۔

مسجد کے نیچے تہہ خانہ کا حکم

اگر شروع سے یہ بات طے ہوگئی ہو اور اس کی وضاحت بھی کر دی گئی ہو کہ مسجد کے نیچے مسجد کی ضروریات کے لیے تہہ خانہ بنایا جائے گا تو مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا درست ہے اور تہہ خانہ سے اوپر والی جگہ شرعی مسجد ہوگی اور تہہ خانہ مصالح مسجد میں شمار ہوگا اس میں جماعت کا اہتمام ضروری نہیں اور اگر وہ تہہ خانہ شرعی مسجد اور نماز باجماعت کے لیے بنایا گیا ہے تو وہ شرعی مسجد کے حکم میں ہوگا اور اس میں جماعت کا اہتمام ضروری ہے۔

---

[1] عالمگیری میں ہے: وللمؤذن ان یسکن فی بیت ھو وقف علی المسجد. (۳۲۰/۵)

مسجد کی شکل

مسجد کے لیے کسی خاص شکل اور ہیئت کا ہونا ضروری نہیں البتہ مسجدِ نبوی ﷺ اور عالمِ اسلام کی اکثر مساجد مربع (چار کونوں والی) شکل میں ہیں اس لیے مسجد کی تعمیر میں اس کا خیال رکھنا مناسب ہے کہ مسجد مربع ہو۔

شیخ محمد سعود نے اپنی کتاب الدرۃ الشیدہ فی تاریخ مدینہ میں تصریح کی ہے۔

"بنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجدہ مربعاً وجعل قبلتہ الی بیت المقدس"

لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد کی تعمیر میں تربیع (چکور مسجد بنانا) مطلوب ہے لیکن اس کے علاوہ کسی دوسری شکل کا ممنوع ہونا یا مسجد بن جانے کے بعد کسی مسجد کے مربع نہ ہونے کی وجہ سے اس کے گرانے کو ضروری سمجھنا درست نہیں۔

لہٰذا ضرورت کی وجہ سے اگر تربیع کے علاوہ کسی اور شکل میں مسجد بنادی مثلاً مثلث (تکون) یا مسدس (چھ کونوں والی) تو یہ بھی جائز ہے اگرچہ خلافِ اُولیٰ ہے۔

محرابِ مسجد کا حکم

جس طرح امام کا پہلی صف سے آگے کھڑا ہونا اور اس کا بقیہ نمازیوں سے ممتاز ہونا ضروری ہے اسی طرح امام کے لیے یہ بھی حکم ہے کہ امام نمازیوں کے وسط (بیچ) میں کھڑا ہو کہ اس کے دائیں بائیں کی جگہ برابر ہو جیسا کہ حدیث میں ہے۔

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسطوا الامام وسد والخلل."

(ابوداؤد شریف:۱۰۶)

ترجمہ: "آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ امام کو بیچ میں رکھو اور صفوں کے

درمیانی خلا کو پورا کرو۔“ [1]

آج کل مساجد میں مروجہ محراب کا آپ علیہ السلام وخلفائے راشدین کے زمانہ میں وجود نہ تھا سب سے پہلے جنہوں نے محراب کی ایجاد کی وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں [2] اس کے بعد سے اس پر امت کا عمل چلا آرہا ہے لہٰذا امام کے درمیان میں کھڑے ہونے کی سنت کو ادا کرنے کے لیے اور امام کی ممتاز حیثیت کو ظاہر کرنے کے لیے نشانی کے طور پر محراب بنانا جائز ہے۔ شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔ [3]

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ محراب کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”السنة ان یقوم الامام حذاء وسط الصف الاتری ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وھی قد عینت لمقام الامام.“ (شامی:۱/۵۶۸)

البتہ اس میں اتنا خیال رکھنا ضروری ہے کہ امام کا مکمل قیام محراب میں نہ ہو کہ اس میں اہلِ کتاب کے ساتھ مشابہت ہے ہاں اگر امام کے قدم محراب سے باہر ہوں اور سجدہ محراب میں ہو تو یہ صورت مکروہ نہیں۔ [4]

امام نے اگر محراب کو چھوڑ دیا اور بغیر کسی مجبوری کے محراب کے علاوہ کسی اور جگہ میں کھڑا ہوا اگرچہ وسطِ صف میں ہی کھڑا کیوں نہ ہو تو اس کا یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے۔ [5]

---

[1] شامی میں ہے: (ویصف) ای یصفھم الامام بان یأمرھم بذلك قال السمنی وینبغی ان یأمرھم بان یتو اصوا ویسد والخلل ویسوّ وامناکبھم ویقف وسطاً. (شامی:۱/۵۶۸)

[2] وفاء الوفاء میں ہے: اول من احدث المحراب و الشرفات عمر بن عبدالعزیز.

[3] شامی میں ہے: السنة ان یقوم الامام فی المحراب لیعتدل الطرفان. (۱/۵۶۸)

[4] شامی میں ہے: (وقیام الامام فی المحراب فیه) وقد ماہ خارجه لان العبرة للقدم مطلقاً. (شامی:۱/۶۴۵، فتح القدیر:۱/۳۵۹)

[5] شامی میں ہے: وفی التاتارخانیة و یکرہ ان یقوم فی غیر المحراب الالضرورة.

محراب کہاں بنایا جائے

جیسا کہ گزرا کہ محراب سے مقصود یہ ہے کہ امام صف کے بیچ میں کھڑا ہو کہ یہ امام کے لیے سنت ہے حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے اس لیے مسجد کی تعمیر کے وقت اس کا خاص طور سے خیال رکھنا ضروری ہے کہ محراب اس طرح بنائیں کہ محراب میں جو امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہو وہاں سے مسجد یا صف کا دونوں طرف کا فاصلہ بالکل برابر ہو آج کل محراب ہی میں منبر ہوتا ہے تو محراب تو مسجد کے درمیان میں بنا دیا جاتا ہے اور منبر کے بعد محراب کی جو جگہ باقی رہتی ہے امام اس کے درمیان کھڑا ہوتا ہے جس سے دونوں طرف کا فاصلہ برابر نہیں رہتا یہ صورت مکروہ ہے۔[۱]

اگر محراب کا کوئی بھی حصہ مسجد اور صف کے درمیان میں نہیں آرہا کہ محراب میں کسی بھی جگہ کھڑے ہونے سے دونوں طرف کا فاصلہ برابر نہیں رہتا کہ محراب کی بناوٹ ہی ایسی ہو یا کسی جانب سے بعد میں توسیع کی گئی یا کسی اور وجہ سے محراب میں امام کے کھڑے ہونے کی صورت میں برابری نہیں ہو رہی تو ایسی صورت میں محراب کو توڑ کر درست کر لینا بہتر ہے ورنہ امام محراب کو چھوڑ پہلی صف کے درمیان میں کھڑا ہو۔

خلاصہ یہ کہ محراب اصل نہیں اصل امام کا درمیان میں کھڑا ہونا ہے اور محراب اس کی علامت ہے اگر محراب میں کھڑے ہونے سے یہ درمیان حاصل ہو جاتا ہے تو بہت بہتر ورنہ محراب چھوڑ دیا جائے اور درمیان میں کھڑے ہونے کی سنت پر عمل کیا جائے۔

منبر کا حکم

مسجدوں میں خطبہ وغیرہ کے لیے منبر بنانا درست ہے اور اس کی ایجاد عہدِ نبوی

ومقتضاه ان الامام لو ترك المحراب وقام فی غیره یکره ولو کان قیامه وسط الصف لانه خلاف العمل. (شامی:۱/۶۴۶)

[۱] شامی میں ہے: السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام فی احد جا نبی الصف یکره. (۱/۵۶۸)

میں ہوگئی تھی۔[1]

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مسجد نبوی میں شروع میں منبر نہ تھا بلکہ کھجور کے درخت کی ایک شاخ تھی جس کے سہارے سے آپ ﷺ خطبہ دیتے تھے ۷ھ تک یہ ہی طریقہ رہا اس کے بعد ایک انصاری عورت نے درخواست کی کہ اجازت ہو تو اپنے غلام سے منبر بنوا کر حاضرِ خدمت کردوں بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے خود اس انصاری عورت کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے بڑھئی کو حکم کرو کہ وہ میرے لیے لکڑی کا منبر بنا دے کہ میں لوگوں سے بات کرتے وقت اس پر بیٹھا کروں چنانچہ اس عورت کے حکم سے وہ منبر غابہ کی لکڑیوں سے تیار ہوا اور آپ ﷺ کے لیے مسجدِ نبوی میں رکھا گیا چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

"ارسل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الی فلانة امرأة من الانصار قد سماها سهل مری غلامك النجاران یعمل لی اعواداً أجلس علیهن اذاکلمت الناس فأمرته فعملها من طرفاء لغابة ثم جاء بها فارسلت الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فامر بها فوضعت ههنا." (بخاری:۱/۱۲۵)

منبر کے زینے

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کے منبر کے تین زینے (درجہ۔ سیڑھی) تھے اور منبر برابر اسی حالت میں رہا حتیٰ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں مروان نے اس میں زیادتی کی اور اس کے چھ زینے بنائے۔[2]

---

[1] فتح الباری میں ہے: ولم یزل المنبر وعلی حاله ثلاث درجات حتی زاده مروان فی خلافة معاویة سته درجات. (۳/۳۴۵)

[2] نووی شرح مسلم میں ہے: فیه استحباب اتخاذ المنبر وهو سنة مجمع علیها. (نووی شرح مسلم:۱/۲۸۴)

چونکہ حضور ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کے منبر کے تین ہی درجات تھے اس لیے نبی علیہ السلام کی اقتداء میں ایسا ہی منبر بنانا مسنون ہے کہ آپ علیہ السلام کی موافقت ہی زیادہ بہتر ہے البتہ کمی زیادتی جائز ہے۔

جزئیات کے لیے دیکھئے فتاویٰ دار العلوم مؤلفہ مفتی شفیع صاحب/۴/۳۷۴/ احسن الفتاویٰ/۱۳۰۔

منبر کس چیز کا ہو

جیسا کہ گزرا کہ آپ ﷺ کا منبر لکڑی سے تیار کیا گیا تھا اس لیے آپ کی اتباع میں بہتر یہ ہے کہ منبر لکڑی کا بنایا جائے اور اس کے تین درجات بنائے جائیں البتہ پتھر سیمنٹ وغیرہ سے بھی منبر بنایا جا سکتا ہے۔

خطبہ کون سے زینہ پر کھڑے ہو کر دیا جائے

آنحضرت ﷺ خطبہ کے لیے تیسری سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں ادب کی وجہ سے نیچے دوسری سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے پھر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب کی وجہ سے سب سے نیچے کی سیڑھی اختیار کی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں اوپر کی یعنی تیسری سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے اور آپ کے بعد یہ ہی دستور ہو گیا اور یہ ہی بہتر ہے لیکن شرعاً اس میں کوئی تعیین نہیں جس درجہ پر بھی کھڑا ہوا جائے جائز ہے منبر پر چڑھنے کی سنت ہر درجہ پر سے ادا ہو جائے گی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے۔ (امداد المفتین: ۴/۳۷۴، فتاویٰ دار العلوم: ۵/۱۱۶)

مسجد کی تزئین سے متعلق چند احکام

بخاری شریف کی روایت اور دوسری احادیث سے صراحت ہوتی ہے کہ آپ

ﷺ کے زمانۂ اقدس میں مسجد نبوی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی جس کی چھت کھجور کے پتوں کی اور ستون کھجور کی شاخوں کے تھے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ زیادتی وتبدیلی نہ کی اسی حال میں رہنے دیا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں کچھ توسیع کی لیکن پہلی بنیادوں پر کہ کچی اینٹ کی دیواریں اور چھت کھجور کے پتوں کی صرف ستون لکڑی کے بنائے پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں ردو بدل کیا دیوار منقش پتھر اور ستون بھی منقش پتھروں کے اور چھت ساج کی لکڑیوں سے بنوائی۔

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں کہ ان حضرات صحابہ کرام کا عمل اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد کی تعمیر میں اعتدال (میانہ روی) کو اختیار کرنا سنت ہے اور اس کی زیب و زینت و خوبصورتی میں غلو نہیں کرنا چاہیے۔[1]

تزیین کے چند احکام: (خوبصورتی)

مسجد کو مضبوط و مستحکم بنانا مستحسن و پسندیدہ ہے اور جو خوبصورتی مضبوطی کے زمرے میں آجائے کہ اصل مقصود مضبوطی ہو خوبصورتی نہ ہو تو یہ صورت جائز و پسندیدہ ہے۔

جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجدِ نبوی کی مضبوطی کے خاطر اس میں پتھر وغیرہ لگائے اور جب بعض صحابہ نے کچھ اعتراض کیا تو حضرتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً حضور ﷺ کی حدیث "من بنی للّٰہ بیتا بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنة" سنائی تو تمام حضرات خاموش ہوگئے پھر کسی نے اعتراض نہ کیا تو معلوم ہوا کہ

---

[1] فتح الباری وعمدۃ القاری میں ابن بطال کے حوالے سے ہے: قال ابن بطال وغیرہ هذا یدل علی ان السنة فی بنیان المسجد القصد وترك الغلو فی تحسینه فقد کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع کثرة الفتوح فی ایامة وسعة المال عنده لم یغیرا المسجد عما کان علیه فی عهد النبی ﷺ وانما احتاج الی تجدیده لان جرید النخل قد کان نحر فی ایامه. (فتح الباری:۲/۴۸۰)

مسجد کا اِحکام اور تشیید یعنی اس کو مضبوط بنانا بالاتفاق جائز ہے۔[۱]

❶ ...... لہٰذا مضبوطی کی غرض سے مسجد میں سنگِ مرمر یا پتھر یا ٹائلز وغیرہ لگانا جائز ہے۔

❷ ...... مسجد کی صفائی کے ضمن میں جو خوبصورتی آ جائے وہ بھی جائز ہے کہ شریعت مطہرہ میں مساجد کی صفائی کا حکم دیا گیا ہے۔

❸ ...... ایسی تزیین (خوبصورتی) یا ایسی جگہ تزیین جو نمازیوں کے خشوع وخضوع میں مخل ہو اور نمازیوں کے دل کو غافل کرنے والی ہو یہ صورت بالاتفاق مکروہ ہے۔[۲]

البتہ پیچھے والی دیوار اور چھت کے متعلق کچھ تزیین کی اجازت ہے فتاویٰ عالمگیری میں دیواروں کے نقش ونگار کو مطلقاً مکروہ لکھا ہے اور تصریح ہے کہ نقش ونگار کم ہوں یا زیادہ دونوں مکروہ ہیں البتہ چھت کے معمولی نقش ونگار کو جائز لکھا ہے۔[۳]

❹ ...... جو تزیین باہمی فخر ودکھاوے ومشہوری کے لیے ہو ایسی تزیین مکروہ ہے اور اس نیت سے مسجد کے کسی حصہ پر بھی تزیین جائز نہ ہوگی کہ اس کی بنیاد ہی غلط ہے بلکہ اس نیتِ فاسد کی وجہ سے مسجد کا بنانا بھی مکروہ ہو جاتا ہے تزیین وتحسین تو دور کی بات ہے۔[۴]

❺ ...... مسجد کی خوبصورتی وتزیین میں تزخرف یعنی حد سے زیادہ تکلف اور خوبصورتی میں مبالغہ کرنا شریعت میں پسندیدہ نہیں بلکہ اسے قیامت کی علامت اور یہود ونصاریٰ کا

---

[۱] معارف السنن میں ہے: احکام بناء المسجد وتشییده جائز اتفاقاً من غير ريب. (۳/۳۰۰)

[۲] بذل المجہود میں ہے: ان تزويق المساجد و تحسينها اذا كان يلهي المصلين و يشغل قلوبهم فهو مجمع على كراهته. (بذل: ۱/۲۵۹)

[۳] عالمگیری میں ہے: وكره بعض مشائخنا النقوش على المحراب و حائط القبلة لان ذلك يشتغل قلب المصلي و ذكر الفقيه ابوجعفر رحمه الله في شرح السير الكبير ان نقش الحيطان مكروه قل ذلك اوكثر فاما نقش السقف فالقليل يرخص فيه و الكثير مكروه. (۵/۳۱۹)

[۴] بذل میں ہے: والامر الثاني اذا كان هذا مباهاة ورياء وسمعة فهو ايضاً مكروه بل بناء المسجد بهذه النية الفاسد يكون مكروها ايضاً فضلا عن التزيين و التحسين. (بذل ۱/۲۵۹)

فعل قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما امرت بتشیید المساجد. قال ابن عباس لتزخرفنھا کما زخرفت الیھود والنصاری.'' (ابوداؤد:۷۱)

ترجمہ:...... آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے مسجدوں کو مشید (بہت زیادہ خوبصورت) بنانے کا حکم نہیں دیا گیا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تم ان مسجدوں کو یہود و نصاریٰ کی طرح زینت دو گے حضرت عبداللہ ابن عباس کے قول میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسجد کو اتنا خوبصورت نہ بناؤ جو خوبصورتی اعتدال کی حد سے بڑھی ہوئی ہو۔

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''لاتقوم الساعة حتی یتبا ھی الناس فی المسجد.''

ترجمہ:...... قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ مسجدوں میں فخر نہ کرنے لگیں۔[1]

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''ماساء من عمل قط الا زخر فوا مساجد ھم.'' (ابن ماجہ:۵۴)

ترجمہ:...... جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں وہ قوم اپنی مسجدوں کو مزین کرتی ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اراکم ستشرفون مساجدکم کما شرفت الیھود کنائسھا والنصاریٰ بیعھا.'' (ابن ماجہ:۵۴)

---

[1] بذل المجہود میں ہے: ای یتفاخرون فی بناء المسجد یعنی یتفاخر کل واحد بمسجدہ یقول مسجدہ ارفع او أزین او أوسع اواحسن ریاءً وسمعة. (۱/۲۶۰)

ترجمہ: ...... میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب تم اپنی مساجد کو ایسے مزین کرو گے جیسے یہودی اپنے کنیسہ کو اور نصاری اپنے گرجہ کو مزین کرتے ہیں۔

لہٰذا ان احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں مسجدوں کا حد سے زیادہ خوبصورت بنانا اور زینت میں مبالغہ کرنا جائز نہیں بلکہ یہ اسراف اور فضول خرچی ہے کہ اس کی وجہ سے مساجد سے جو اصل مقصود ہے اللہ کا ذکر کرنا خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنا اللہ کا تقرب حاصل کرنا اخلاص وللّٰہیت جو کہ ہر عمل کی جڑ و بنیاد ہے یہ سب مقصد فوت ہو جائے گا اور آج کل کے روزمرہ کے حالات اس کے گواہ ہیں کہ مسجدیں اعلیٰ سے اعلیٰ اور خوبصورت ہیں لیکن نمازیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے جبکہ مسجد کی آبادی در و دیوار سے نہیں بلکہ نمازیوں و ذاکرین سے ہوتی ہے جیسا کہ مولانا ظفیر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ تجزیہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ مغز چھوڑ کر چھلکے پر وہ قوم جان دیتی ہے جس کے برے وقت آ جاتے ہیں اور محروم القسمتی کی گھنگور گھٹائیں امنڈ امنڈ کر برسنے لگتی ہیں۔

البتہ شراح حدیث نے بقدرِ ضرورت خوبصورتی کی اجازت دی ہے۔[1]

کہ جب لوگوں نے اپنے رہنے کے لیے عالی شان محل اور بہترین بنگلہ تعمیر کرنے شروع کر دیئے تو ایسے زمانہ میں مسجد کی استخفاف اور استہانت سے بچنے کے لیے مسجدوں کو بھی مزین کیا جانا مناسب ہے مگر اس میں بھی بے جا فضول اسراف کی اجازت نہیں۔

❻ ...... متولی کو وقف اور چندہ کے مال میں سے مسجد کی مضبوطی پر خرچ کرنے کا اختیار ہے کہ متولی وقف و چندہ کے مال میں سے ہر وہ کام کرا سکتا ہے جس سے مسجد کی مضبوطی یا صفائی مقصود ہو یا بقدرِ ضرورت زینت و خوبصورتی مقصود ہو لیکن متولی و مسجد

---

[1] فتح الباری میں ہے: قال ابن المنير لما شيد الناس بيوتهم و زخرفوها ناسب ان يصنع ذلك بالمساجد صونا لها عن الاستهانة. (فتح:۲/۴۸۰)

کمیٹی وقف کے مال سے ضرورت سے زائد خوبصورتی وزینت نہیں کرواسکتے اگر کسی نے اس طرح کیا تو وہ ضامن ہوگا البتہ اگر کوئی شخص اپنی مرضی وخوشی سے مسجد کی خوبصورتی اپنی ذاتی رقم سے کروانا چاہے تو اس کو اس کی اجازت ہے یا مسجد کمیٹی کو وہ رقم صرف خوبصورتی ہی کے لیے دے تو اس صورت میں اسے خوبصورتی کے لیے استعمال کرنے کی اجازت ہے لیکن اس کے بجائے اگر وہ رقم فقراء ومساکین پر خرچ کی جائے تو زیادہ ثواب ہے۔[۱]

۷......مسجد کی خوبصورتی پر رقم خرچ کرنے کے بجائے امام ومؤذن اور خادم وغیرہ کے وظیفہ میں زیادتی کرنا بہتر ہے کہ ان کو اتنا مناسب وظیفہ دیا جائے کہ وہ کسی کے محتاج نہ رہیں آج کل اس میں غفلت برتی جاتی ہے کہ مسجد کی خوبصورتی پر لاکھوں روپیہ خرچ کر دیا جاتا ہے مگر امام ومؤذن کا وظیفہ بڑھانے کیلیے تیار نہیں ہوتے اور عذر کیا جاتا ہے کہ فنڈ کی کمی کا وقف کے مال میں اس طرح کرنا جائز نہیں۔[۲]

۸......قبلہ کی دیوار میں شیشہ کا دروازہ یا شیشہ کی کھڑکیاں یا محراب میں شیشہ کا کام کروانا جس میں نمازی کا عکس نظر آئے یہ ساری صورتیں مکروہ ہیں اگر انسان کے قد سے اوپر شیشہ لگا ہوا ہو کہ اس میں عکس نظر نہ آتا ہو یہ صورت مکروہ نہیں۔

۹......مسجد کی محرابوں اور دیواروں پر قرآنی آیات لکھنا مناسب نہیں کہ اندیشہ ہے کہ

---

[۱] بحرالرائق میں ہے: وهذا اذا فعل من مال نفسه اما المتولی فانما يفعل من مال الوقف مایحکم بالبناء دون النقش فلو فعل ضمن حینئذ لما فيه من تضییع المال. (۳۷/۲)

درالمختار میں ہے: (ولو بما له الحلال) لامن مال الوقف فانه حرام وضمن متولیه لو فعل النقش او البیاض. (۶۵۸/۱)

بذل المجہود میں ہے: والخامس بان یبینه الواقف بمال الوقف فهذا ایضاً حرام. (۲۶۰/۱)

[۲] شامی میں ہے: واما من مال الوقف فلا شك انه لایجوز للمتولی فعله مطلقاً لعدم الفائده فيه خصوصا اذا قصد منه حرمان ارباب الوظائف کما شاهدنا فی زماننا. (شامی: ۶۵۸/۱، بحر:۳۷/۲)

وہ لکھا ہوا گر جائے اور قدموں میں آئے جس سے ان قرآنی آیات کی بے ادبی ہوگی۔[۱]

مسجد کا مینار

جیسا کہ گزرا کہ کسی جگہ کے مسجد بننے کے لیے صرف اس جگہ کا مسجد کے لیے وقف کر دینا اور اس میں ایک نماز کا باجماعت ادا ہو جانا اس جگہ کے مسجد بننے کے لیے کافی ہے مسجد کے لیے کوئی خاص عمارت یا خاص شکل یا علامت کا ہونا ضروری نہیں لیکن چونکہ مسجد شعائرِ اسلام میں سے ہے اور ہر مسلمان کی ضرورت ہے اس وجہ سے مسجدوں پر کوئی امتیازی نشان وعلامت ہونی چاہیے کہ ہر شخص اجنبی مسافر سب اس کو دیکھ کر سمجھ سکیں کہ یہ مسجد ہے نیز اس علامت ونشانی کی وجہ سے مسجد کے احترام وادب کا بھی لحاظ وخیال رکھ لیا جاتا ہے۔

اور شعائر اسلام اور اپنی عبادت گاہوں کا اظہار کرتے ہوئے یہ مستحسن ومطلوب ہے آج کل مساجد میں جو مینار بنائے جاتے ہیں یہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہیں تھے بلکہ علامہ شامی کے قول کی مطابق سب سے اول حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ان کے حکم سے حضرت مسلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مینار بنائے اور سب سے پہلے مصر کے مینار پر شرحبیل بن عام مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چڑھ کر اذان دی۔[۲]

مینار جو آج کل مسجد کی ایک امتیازی علامت سمجھا جاتا ہے دراصل اس مینار کی

---

[۱] بحر میں ہے: ولیس بمستحسن کتابة القرآن علی المحاریب والجدران لما یخاف من سقوط الکتابة ان توطأ. (بحر:۲/۳۷)

[۲] شامی میں ہے: وقلت وفی شرح الشیخ اسمٰعیل عن الاوائل للسیوطی ان اول من رقی مینارة مصر للآذان شرحبیل بن عامر المرادی بنی مسلمة المنابر للاذان بأمر معاویة ولم تکن قبل ذالك. (شامی:۱/۳۸۷)

بحر میں ہے: ولم یکن فی زمنه صلی الله علیه وسلم مئذنة. (بحر: ۱/۲۵۸)

ابتداء اذان کے لیے ہوئی تھی کہ اذان میں مقصود آواز کو پہنچانا اور آواز کو بلند کرنا ہے اور مینار پر چڑھ کر اذان دینے سے سب تک آواز پہنچ سکتی ہے اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے اونچے گھر پر چڑھ کر اذان دیتے تھے اسی وجہ سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا عنوان ہی باب الاذان فوق المنارۃ باندھا ہے۔ (ابوداؤد:۱/۸۴)

آج کل اگرچہ لاؤڈ اسپیکر پر اذان دی جاتی ہے لیکن اسپیکر تو عموماً مینار پر ہی نصب کیے جاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے آواز دور دور تک پہنچ جاتی ہے لہٰذا آواز پہنچانے کے مقصد کے خاطر اور مسجد کے امتیازی نشانی وعلامت کے طور پر مسجدوں پر مینار بنانا جائز ہے اور شریعت میں مطلوب و مستحسن ہے اور اس کو بدعت قرار دینا صحیح نہیں اگرچہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہیں تھا لیکن اس کے پہلے بنانے والے صحابی ہیں لیکن اس میں اتنا خیال رہے کہ مینار کے بنانے میں ریاء نام ونمود باہمی تفاخر مقصود نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ اس کو بلند نہ کیا جائے اور ضرورت سے زیادہ اس پر خرچ نہ کیا جائے۔[1]

مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا

وہ جگہ جس کو واقف نے صرف مسجد کے لیے وقف کیا ہو اس جگہ کو مسجد و مصالح مسجد میں استعمال کرنا ضروری ہے اس کے علاوہ وقف کی کسی دوسری جہت میں اس کو استعمال نہیں کیا جا سکتا۔[2]

اور مدرسہ وقف کی علیحدہ صورت ہے مسجد علیحدہ صورت ہے کہ مدرسہ کے مقاصد

---

[1] عالمگیری میں ہے: اما بناء منارة المسجد من غلة الوقف ان كان بناؤها مصلحة للمسجد بان يكون أسمع للقوم فلا باس به وان لم يكن مصلحة لا يجوز بان يسمع كل اهل المسجد الاذان بغير منارته. (۳۲۲/۵)

[2] شامی ہے: فان شرائط الوقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع. (شامی:۳۴۳/۴)

اور ہیں مسجد کے مقاصد اور ہیں۔

❶ ......لہٰذا جس جگہ کو واقف نے مسجد ہی کے لیے وقف کیا۔

❷ ......یا وہ جگہ صرف مسجد ہی کے لیے خریدی گئی اس جگہ کے کسی حصہ پر مستقل مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز نہیں اس جگہ کو مسجد و مصالح مسجد میں ہی استعمال کرنا ضروری ہے۔

❸ ......اگر وقف کرتے وقت یا خریدتے وقت اس بات کی وضاحت کی گئی کہ اتنی جگہ مسجد کی ہوگی اور اتنی جگہ مدرسہ کی یا مطلق اس جگہ کو مسجد و مدرسہ دونوں کے لیے خریدا گیا یا وقف کیا گیا اور وقف وٹرسٹ کے مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ یہ جگہ مسجد و مدرسہ دونوں کے لیے استعمال ہوگی تو تعیین کی صورت میں مدرسہ کی جگہ کو مدرسہ کے لیے استعمال کرنا اور اطلاق (یعنی جب تعیین نہ کی گئی ہو) کی صورت میں باہمی مشورہ سے کسی مناسب جگہ کو مدرسہ کے لیے استعمال کرنا جائز ہوگا البتہ اتنا خیال رہے کہ جب ایک مرتبہ ایک جگہ مسجد کے لیے متعین کردی گئی تو وہ قیامت تک مسجد ہی رہے کہ اس میں کوئی شخص یا دوسرا متولی حتیٰ کہ خود واقف بھی اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرسکتا۔

واضح رہے کہ مسجد کی زمین پر مدرسہ کی عمارت بنانا اور مسجد میں مدرسہ قائم کرنا ان دونوں مسئلوں میں فرق ہے مسجد کی وقف شدہ زمین پر تو مدرسہ کی عمارت بنانا ناجائز ہے جیسا کہ گزرا لیکن مسجد میں مدرسہ قائم کرنا جیسا کہ آج کل معروف ہے کہ مسجد میں درس گاہیں لگتی ہیں اور وہی مسجد کی جگہ نماز کے علاوہ اوقات میں مدرسہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے یہ صورت نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہے اور تعلیم و تعلّم (سیکھنا سکھانا) مسجد کے مقاصد میں شامل ہے کہ اس سے مسجد کی آبادی ہوتی ہے اور حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یہ عمل مسجد ہی میں ہوتا تھا البتہ اس میں اتنا خیال رہے کہ مسجد کے آداب کی مکمل رعایت ہو کہ اتنے چھوٹے بچے جو آدابِ مسجد سے ناواقف ہوتے ہیں ان کی تعلیم کا انتظام مسجد میں نہ ہو۔

مسجد کی زمین پر دکانیں بنانا

مسجد کے کسی حصہ کو کرایہ پر دینا یا آمدنی کا ذریعہ بنانا یا اس کو رہنے کی جگہ بنانا جائز نہیں اور یہ ہی حکم فنائے مسجد کا ہے۔[۱]

البتہ اگر مسجد کی جگہ وسیع ہے نمازیوں کی ضرورت سے زائد ہے تو مصالح مسجد کے پیش نظر موقوفہ زمین پر مسجد کی آمدنی کے لیے دکانیں بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہے مگر چند شرائط و آداب کے ساتھ۔

❶ ...... جیسا کہ گزرا کہ مسجد کی موقوفہ زمین پر مسجد اور مصالح مسجد کے علاوہ کچھ بنانا جائز نہیں تو جو دوکانیں مسجد کی زمین پر بنی ہیں ان دوکانوں کا مسجد کے لیے وقف ہونا ضروری ہے کہ وہ دوکانیں مسجد ہی کی ہوں اور مسجد کے لیے ہی وقف ہوں کہ ان کی آمدنی کو مسجد ہی کے لیے استعمال کیا جائے۔

❷ ...... مسجد کی وہ جگہ جس کو مصالح مسجد وفنائے مسجد کے لیے متعین کیا گیا ہے صرف اسی جگہ دوکانیں بنانا صحیح ہے جو جگہ ایک مرتبہ مسجدِ شرعی بن چکی اس جگہ پر دوکانیں وغیرہ بنانا جائز نہیں۔

❸ ...... مسجد کے اطراف میں دوکانیں بنانے کی اس وقت اجازت ہے کہ جب مسجد کی موقوفہ جگہ نمازیوں واہل محلّہ کی ضرورت سے زیادہ وسیع ہو لیکن اگر مسجد کی جگہ اہل محلّہ کے لیے ناکافی ہو تو اس صورت میں مسجد کی جگہ دوکانیں بنانا جائز نہیں کہ اصل وہ جگہ نمازیوں کے لیے وقف کی گئی ہے۔

اسی طرح جب دوکانیں بنیں اس وقت نمازیوں کی کمی کی وجہ سے وہ جگہ زائد تھی بعد میں نماز کی کثرت کی وجہ سے وہ جگہ ناکافی ہوگئی تو دوکانیں ختم کرکر اس جگہ کو مسجد میں

---

[۱] بحر میں ہے: ولا یجوز لقیم المسجد ان یجعل شیأ من المسجد مستغلا ولامسکناً. (۲۵۱/۵)

شامل کرنا ضروری ہوگا تا کہ مسجد اہل محلہ ونمازیوں کے لیے وسیع ہو جائے۔

۴ ...... اسی طرح اس بات کا خیال رہے کہ دوکانیں اس طور پر بنائی جائیں کہ ان دوکانوں کا مسجد کے ساتھ راستہ وغیرہ گزرگاہ کسی قسم کا تعلق نہ ہواور نہ ان سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہواور مسجد میں نماز کے لیے آنے والے حرج وتنگی میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ مسجد کو راستہ بنانا مکروہ تحریمی ہے اور مسجد کے آداب واحترام کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے۔[1]

۵ ...... نیز دوکان ایسے شخص کو کرایہ پر دی جائے جو دیندار ہو آداب مسجد سے بخوبی واقف ہو حلال وجائز کام کرنے والا ہو حرام ومکروہ کاروبار کرنے والوں کو مسجد کی دوکان کرایہ پر دینا صحیح نہیں کیونکہ وہ کرایہ اسی آمدنی سے ادا کرے گا اور وہ رقم مسجد کے لیے استعمال ہوگی جبکہ حرام رقم مسجد کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔

ان سب شرائط وآداب کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ہی بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مسجد کے اطراف میں دکانیں نہ بنائی جائیں تو بہتر ہے کہ اس سے احترام مسجد میں خلل واقع ہونے کا عموماً اندیشہ رہتا ہے باقی جہاں تک وسائل وآمدنی کا تعلق ہے تو مسجد اللہ رب العزت کا گھر ہے اللہ ہی خود اس کا انتظام کرنے والا ہے۔

مسجد کی زمین پر درخت لگانا یا باغ وغیرہ بنانا

۱ ...... مسجد شرعی کی حدود میں یا وہ جگہ جو کہ نماز پڑھنے کے لیے بنائی گئی ہے ایسی جگہ میں درخت وغیرہ لگانا صحیح نہیں کیونکہ اس سے لوگوں کو تنگی ہوتی ہے اور صفوں کے درمیان ان درختوں کی وجہ سے تفریق ہوگی نمازیوں کا باہمی اتصال باقی نہیں رہے گا نیز اس سے مسجد کے گندہ ہونے کا بھی خطرہ ہے کہ ان درختوں کی مٹی یا اس کے پتوں وغیرہ

---

[1] عالمگیری میں ہے: قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا اوسکناً تسقط حرمته وهذا لا یجوز. (۴۶۲/۱)

سے گندگی کا بھی احتمال ہے اس وجہ سے نماز کی جگہ پر تو درخت لگانا صحیح نہیں۔

❷......مسجد کے احاطہ میں ایسی جگہ جو نماز کے لیے نہیں ہے اس جگہ پر کسی نفع کے تحت دخت وغیرہ لگانا جائز ہے کہ ان درختوں کی وجہ سے سایہ ہوتا ہے یا وہ درخت گرمی کا اثر کم کرنے کا ذریعہ ہوں اور اس سے لوگوں کو کوئی تکلیف وغیرہ نہ ہو اور مسجد کی زمین وسیع ہو تو احاطہ مسجد میں درخت لگانا یا احاطہ مسجد میں مسجد کے کسی حصہ پر باغ بنانا جائز ہے۔[1]

اور چونکہ وہ درخت وغیرہ مسجد کے لیے وقف ہوتے ہیں اس لیے اس درخت کے پھل کو یا اس کی لکڑی وغیرہ کو فروخت کر کے اس کی رقم مسجد ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے اور مسجد کے متولی کو اختیار ہے کہ وہ ضرورت کے وقت ان درختوں کو اکھاڑ سکتا ہے۔

مسجد کے صحن وچھت کا حکم

مسجد اس زمین وجگہ ومکان کا نام ہے جس کو خدا کی خاص عبادت نماز کے لیے وقف کر دیا گیا ہو کہ واقف نے جس جگہ کو اپنی ملکیت سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دے دیا یا اہل محلّہ نے رقم جمع کر کے مسجد کے لیے کوئی جگہ خریدی یا گورنمنٹ نے کسی جگہ کو مسجد کے لیے مختص کیا کوئی بھی صورت ہو وقف کرنے یا مسجد کے لیے خرید نے مختص کرنے سے ہی وہ جگہ شرعی مسجد بن جائے گی خواہ اس پر عمارت بنی ہو یا نہ ہو عمارت وتعمیر یا چھت والے حصہ کا نام مسجد نہیں بلکہ خالی پلاٹ وکھلی جگہ بھی مسجد بن سکتی

---

[1] عالمگیری میں ہے: غرس الشجر فی المسجد ان کان لنفع الناس بظله ولا یضیق علی الناس ولا یفترق الصفوف لا بأس به وان کان لنفع نفسه بورقة ثمره أو یفرق الصفوف او کان فی موضع یقع به المشابهة بین البیعة والمسجد یکره. (هندیه.۵/۳۲۱)

شامی میں ہے: غرس الاشجار فی المسجد لا بأس به اذا کان فیه نفع للمسجد (شامی:۱/۶۶۱)

بحرالرائق میں ہے: ویکره غرس الاشجار فی المسجد لانه یشبه البیعة الا ان یکون فیه نفع المسجد وانما جوز مشائخنا فی المسجد الجامع ببخاری لما فیه من الحاجة. (۲/۳۵)

ہے عمارت تو سردی وگرمی و بارش سے محفوظ رہنے کے لیے بنائی جاتی ہے اور اگر مسجد کی جگہ وسیع ہو تو اسی زمین کے کچھ حصہ کو بطور صحن کے خالی چھوڑا جاتا ہے اور یہ چیز فقہاء کی اصطلاح سے بھی ملتی ہے کہ ایک گرمی کی مسجد اور ایک سردی کی مسجد اور شرعاً دونوں پر مسجد کا اطلاق ہوتا ہے تو وقف شدہ زمین کی جتنی حدود کو نماز کے لیے اور مسجد شرعی کے لیے متعین کر دیا گیا ہے اس جگہ پر عمارت ہو یا نہ ہو وہ صحن کی شکل میں ہو یا برآمدہ کی شکل میں ہو یا ہال کی شکل میں وہ سب شرعی مسجد کے حکم میں ہوگی اور اس تمام جگہ پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے خواہ وہ دالان ہو یا صحن ہو سب اس میں داخل ہیں اس لیے مسجد کے صحن کو مسجد سے خارج شمار کرنا صحیح نہیں ہے

❸......اسی طرح مسجد کی چھت بھی مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے کیونکہ مسجد تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک ہوتی ہے اس لیے مسجد کی چھت اور اوپر کے حصوں پر بھی مسجد کے آداب کی رعایت وخیال رکھنا ضروری ہے۔

تیار مسجد کو وسعت دینا اور اس کی مختلف صورتیں

مسجد کی زمین اہل محلّہ ونمازیوں کے لیے کم پڑ جائے تو اس کو وسعت دی جا سکتی ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔

❶......مسجد کی زمین کے ساتھ اس کے بغل میں مسجد ہی کی کوئی زمین خالی پڑی ہوئی ہو یا ایسی کوئی زمین ہے جس کو مصالح مسجد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے تو چونکہ یہ زمین مسجد ہی کی ہے اس لیے جگہ کی تنگی کی صورت میں متولی کو اختیار ہے کہ وہ ان زمینوں کو مسجد میں شامل کر کے مسجد وسیع کر لیں [1]

❷......اگر مسجد کی اپنی کوئی جگہ نہیں اور مسجد کے پڑوس میں کسی دوسرے شخص کی زمین

---

[1] عالمگیری میں ہے: ارض وقف علی مسجد والارض بجنب ذلك المسجد وارادوا ان يزيدوا فی المسجد شيأ من الارض جاز لكن يرفعون الامر الى القاضی ليأذن لهم ومستغل الوقف كالدار والحانوت علی هذا. (۲/۴۵۶)

ہے تو اس کی رضامندی کے ساتھ قیمت دے کر اس سے زمین کو خرید لیا جائے بغیر قیمت کے اس کی زمین پر قبضہ کر لینا جائز نہیں ہاں اگر وہ شخص خود اپنی رضامندی سے بلا قیمت اپنی زمین مسجد کے لیے وقف کرتا ہے تو بغیر قیمت لینے میں کوئی حرج نہیں۔

❸...... اگر وہ شخص قیمتاً بھی وہ جگہ دینے پر رضامند نہ ہو تو دو صورتیں ہیں۔

(الف)...... اگر اس علاقہ ومحلّہ میں کوئی دوسری مسجد نہ ہو جس سے ضرورت پوری ہو سکے تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی زمین کی قیمت لے کر یہ جگہ بیچ دے ورنہ حاکم وعدالت کو اختیار ہے کہ اس کو قیمت دے کر اس کی رضامندی کے بغیر وہ زمین لے لی جائے مگر یہ آخری درجہ ہے جہاں تک ممکن ہو اس کو راضی کر لینا اچھا ہے۔

(ب)...... اگر اس علاقہ ومحلّہ میں کوئی دوسری مسجد ہو جس سے ضرورت پوری ہو سکتی ہے اگرچہ وہاں تک جانے میں کچھ مشقت ہو تو اس صورت میں زبردستی کسی کی زمین کو مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں۔[۱]

❹...... مسجد کی توسیع کے لیے جو بھی زمین پرانی مسجد کے ساتھ شامل کی جائے کی خواہ وہ زمین مسجد کی ہو یا دوکانیں گھر وغیرہ ہوں کہ اس جگہ کو خرید کر مسجد میں شامل کر لیا گیا ہو جو بھی صورت ہو جب اس جگہ کو مسجد میں شامل کر کے اس جگہ کو مسجد قرار دے دیا گیا تو اس جگہ کی پہلی والی حیثیت ختم ہو کر وہ جگہ بھی شرعی مسجد کے حکم میں ہو جائے گی۔

❺...... مسجد کی توسیع کی صورت میں سابقہ پرانی مسجد کو شرعی مسجد کی حیثیت سے باقی رکھنا ضروری ہے اس کو مہمل وبیکار نہیں چھوڑا جا سکتا اور نہ ہی کسی صورت میں اس کو شرعی مسجد کی حدود سے خارج کیا جا سکتا ہے کیونکہ جو زمین کا ٹکڑا ایک مرتبہ مسجد بن گیا وہ قیامت تک شرعی مسجد کے حکم میں ہی رہے گا لہٰذا توسیع اس طور پر کی جائے کہ پرانی

---

[۱] شامی میں ہے: لعل الاخذ کرھا لیس فی کل مسجد ضاق بل الظاھر ان یختص بمالم یکن فی البلد مسجد آخر اذ لوکان فیه مسجد آخر یمکن دفع الضرورۃ بالذھاب الیه نعم فیه حرج لکن الأخذ کرھا اشد حرجاً فیه. (شامی:۴/۳۷۹)

مسجد بھی شرعی مسجد کی حدود میں شامل رہے۔

مسجد کی نئی تعمیر

❶ ......اگر مسجد کی حالت کافی خستہ ہو چکی ہو کہ فی الحال یا مستقبل قریب میں اس عمارت کے گرنے کا اندیشہ ہو تو مسجد کے متولی و اہل محلہ ایسی مسجد کی پرانی عمارت گرا کر نئے سرے سے اس مسجد کی تعمیر کر سکتے ہیں اور اس کے لیے وقف و چندہ کی رقم کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

❷ ......ایسی مسجد جس کی موجودہ عمارت مضبوط و مستحکم ہو اور اس عمارت کے مستقبل قریب میں گرنے کا اندیشہ و خوف نہ ہو تو ایسی عمارت کو توڑنا اور اس کو گرا کر وقف و چندہ کے مال سے نئے سرے سے بنانا جائز نہیں کیونکہ یہ مسجد اور وقف کے مال کو ضائع کرنا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

❸ ......اگر کوئی ایک شخص یا دو تین شخص خالص اپنے مال سے (لوگوں سے چندہ لیے بغیر) کسی ایسی مسجد کو شہید کر کے دوبارہ بنانا چاہیں اور نیت یہ ہو کہ اس کی عمارت پہلے سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہو جائے تو اس صورت میں نئی تعمیر کرنا جائز ہے بشرطیکہ نیت مضبوطی کی ہو اور اس تعمیر پر خالص اپنا مال خرچ کیا جائے وقف و چندہ کا مال نہ خرچ کیا جائے۔

❹ ......اور اگر نیت مضبوطی کی نہ ہو بلکہ محض خوشنمائی و خوبصورتی کے لیے مسجد کی نئی تعمیر کی جا رہی ہے تو ایسی صورت میں مسجد کی پہلی عمارت کو شہید کر کے نئے سرے سے بنانا ٹھیک نہیں خواہ ذاتی رقم سے تعمیر کیوں نہ کی جائے اور صرف خوبصورتی کی غرض سے چندہ و وقف کے مال سے دوبارہ بنانا تو بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا۔

❺ ......کچی مسجد کو شہید کر کے اسے پکی مسجد بنانا جائز ہے اور اس پر وقف و چندہ کی رقم خرچ کرنا بھی جائز ہے۔[1]

---

[1] عالمگیری میں ہے: مسجد مبنی اراد رجل أن ينقضه ويبينه ثانياً احكم من البناء الاوّل ليس له ذلك لا ولاية له وفى النوازل الا ان يخاف ان ينهدم وتأويله اذا لم يكن البانى من
=

مسجد کی مرمت کرنے کا حکم

مسجد کے متولی کو ضرورت کے وقت مسجد کے مال سے مرمت کرانے کا اختیار ہے۔

❶ ......مسجد کی ایسی مرمت جس کا تعلق صفائی و مضبوطی سے ہو کہ اگر اس جگہ کی مرمت نہ کرائی گئی تو اس جگہ کے اکھڑ کر گرنے کا اندیشہ ہو یا اس جگہ کی مرمت نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کی صفائی برقرار نہ رہتی ہو تو ایسی مرمت کرنا اور اس کے لیے مسجد و وقف کے مال کو استعمال کرنا جائز ہے اگرچہ اس مرمت کے زمرے میں خوبصورتی بھی آ جائے کیونکہ مسجد کی صفائی و ستھرائی شریعت میں مطلوب ہے۔

❷ ......اگر حقیقت میں مرمت کرانے کی کوئی ضرورت نہیں نہ مضبوطی کی غرض سے اور نہ صفائی کی غرض سے تو محض زیبائش و خوبصورتی کے لیے مسجد کے مال کو خرچ کرنا یا اس کے لیے لوگوں سے چندہ لینا جائز نہیں۔

❸ ......اگر محض زیبائش و خوبصورتی کے لیے متولی یا کوئی شخص اپنے ذاتی مال سے کچھ کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہے۔

❹ ......اسی طرح مسجد کے رنگ و روغن کا بھی حکم ہے کہ بعض مساجد میں ہر رمضان سے قبل یا ختم قرآن سے قبل رنگ و روغن کا اہتمام کیا جاتا ہے اس کی کوئی اصل نہیں اور بلا ضرورت ہر رمضان سے پہلے رنگ کرانا اسراف (فضول خرچی) ہے۔

لہٰذا بلا ضرورت رنگ کرانا اور اس پر مسجد و چندہ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں ہاں

اهل تلك المحلة فلهم ان يهدمو ويجدد بناء ه لكن من مال انفسهم اما من مال المسجد فليس لهم ذلك الا بأمر القاضى ۲/۴۵۷ هكذا فى الشامى ۴/۳۵۷ كفاية المفتى ۲۲.

مجموعہ الفتاویٰ میں سراج منیر کے حوالے سے ہے: ولا يحل ان يهدم المسجد ليبنيه احكم الان يخاف ان ينهدم فيجوز لاهل المحلة لا لغيرهم اذا بنوا من مال انفسهم لا من مال الوقف الا بأمر القاضى. (مجموعۃ الفتاوی: ۱/۱۸۷)

مسجد میں جب ضرورت ہو رنگ کروالیا جائے خواہ رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں اور ضرورت کے وقت مسجد و وقف کا مال استعمال کرنا اس کے لیے لوگوں سے چندہ لینا بھی جائز ہے۔

مسجد کی تعمیر میں چند امور کا لحاظ

شاہ عبدالعزیز صاحب رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ لکھتے ہیں کہ جہاں مسجد کی ضرورت ہو وہاں مسجد بنانے میں حتی المقدور جانی و مالی امداد کی جائے اس کا بڑا ثواب ہے جیسے غسل خانہ بنانا کنویں کی مرمت کرنا اور نل لگانا کہ یہ سب کام عبادت کا ثواب رکھتے ہیں شاہ صاحب کے اس کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسجد یا مسجد کے لوازمات کے انتظام کرنے کا ثواب وہاں ہوگا جہاں ضرورت ہو اس لیے مسجد بنانے سے پہلے اس چیز کا خوب لحاظ رکھا جائے کہ اس جگہ مسجد کی ضرورت بھی ہے یا نہیں کسی جگہ بغیر ضرورت کے صرف ثواب حاصل کرنے کے لیے مسجد بنانا صحیح نہیں کیونکہ ثواب کے حصول کے اور بہت سے طریقے ہیں جس میں مال خرچ کر کے ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے بے ضرورت مسجد کی تعمیر سے بہت زیادہ بہتر ہے کہ دین کے دوسرے شعبوں میں اپنی خدمات سرانجام دی جائیں سیّدنا عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے زمانہ میں جب فتوحات کی کثرت ہوئیں تو آپ نے ہر آبادی میں تعمیر مسجد کا حکم نافذ فرمایا مگر ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کر دی کہ کسی ایک جگہ ایسی دو مسجدیں نہ ہوں جو ایک دوسرے کے لیے نقصان دہ ہوں۔

ایک محلّہ کی دو مسجدیں

واضح رہے کہ دو مسجدوں کے درمیان شرعاً کسی فاصلہ کا کوئی اعتبار شریعت سے ثابت نہیں کہ ایک مسجد کی اذان دوسری مسجد تک نہ پہنچے شرعاً اس قسم کا کوئی اعتبار نہیں خصوصاً جبکہ آجکل اذان لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ دی جاتی ہے جس کی وجہ سے آواز دور دور

تک پہنچتی ہے شریعت میں اعتبار آبادی کے تناسب اور ضرورت کا ہے کہ آبادی کے تناسب کے اعتبار سے جہاں مسجد کی ضرورت ہو وہاں صحیح نیت سے مسجد بنانا جائز ہے۔

❶ ...... اگر محلہ کافی وسیع ہے اور اس کی آبادی اتنی پھیلی ہوئی ہے کہ لوگوں کو نماز کے لیے مسجد آنے میں کافی دشواریوں ومشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو آبادی کے تناسب اور ضرورت کے اعتبار سے دوسری مسجد بنائی جاسکتی ہے۔

❷ ...... اگر ایسی کوئی صورت وضرورت نہیں تو احتیاط اس میں ہے کہ ایک محلہ میں ایک سے زائد مسجدیں نہ ہوں کہ جتنی زیادہ نمازیوں کی تعداد ہوگی اتنا ہی ثواب ہوگا۔

❸ ...... اگر محلّہ میں چند مسجدیں ہوں تو وہ مساجد ایک دوسرے کے بالکل نزدیک نہ ہوں جس کی وجہ سے دوسری مساجد کی جماعتوں میں انتشار وکمی واقع ہو۔

❹ ...... اگر پہلی مسجد کے امام ومتولی باطل فرقہ وغلط عقیدہ سے تعلق رکھنے والے ہوں تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ ان کو سمجھا کر صحیح عقیدہ ومذہب اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے اگر یہ صورت نہ ہوسکے تو صحیح عقیدہ والے دوسری مسجد کے قریب بھی مسجد بنا سکتے ہیں اور اس دینی وجہ سے بنائی ہوئی مسجد ہر اعتبار سے مکمل شرعی مسجد ہوگی اور اس کے بنانے والوں اور اس کے چندہ دینے والوں کو مکمل ثواب ملے گا اور اس میں نماز پڑھنے کا مکمل ثواب ہوگا۔

❺ ...... صرف ذاتی اختلافات اور محض ذاتی عناد وتعصب کی بنیاد پر پہلی مسجد سے علیحدہ ہوکر اس کے قریب دوسری مسجد بنالینا جائز نہیں اگر کسی فاسد نیت کی وجہ سے دوسری مسجد بنائی جائے تو بنانے والوں کو مسلمانوں میں اختلاف وتفریق وانتشار کروانے کا گناہ ہوگا البتہ جو ایسی مسجد بن جائے وہ بہر حال واجب الاحترام ہے اس کو گرانا یا اس کی بے ادبی کرنا جائز نہیں علامہ ظفیر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد اس کے بغل میں اس وقت تک نہیں بنائی جاسکتی جب تک کہ کوئی شرعی مجبوری درپیش نہ آئے مثلاً یہ کہ پہلی مسجد تنگ ہو جائے اور اس کو وسعت دینے کی

گنجائش نہ ہو یا ایک مسجد میں اجتماع سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو بغیر ایسی شرعی مجبوری کے دوسری مسجدیں بنا کر انتشار واختلاف پیدا کرنا اجتماعی نقطہ نظر کے خلاف ہے کہ اس سے دینی شیرازہ بکھر جائے گا اور مسجد وعبادات کا عروۃ الوثقی (یعنی باہمی اجتماعیت کی مضبوطی) مضمحل (کمزور) ہو جائے گا اور مسجد کی رونق جاتی رہے گی۔[1]

اگر کسی شخص نے ایسے جنگل میں مسجد بنائی کہ وہاں سے کوئی نہ گزرتا ہو تو وہ جگہ مسجد نہ ہوگی کیونکہ وہاں پر کسی مسجد کی ضرورت وحاجت نہیں۔[2]

مسجد کی صفائی سے متعلق احکام

انسان کی طبیعت وفطرت میں نظافت ونفاست ہے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ خود بھی پاکیزہ رہے اور اس کا گھر بھی صاف ستھرا رہے کہ میل کچیل وگندگی سے انسان کی طبیعت کراہتی ہے مسجد جو اللہ کا دربار وخانۂ خدا ہے اس کی صفائی کس قدر ضروری ہوگی ہر انسان اس کو خود سمجھ سکتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جو اللہ کے نزدیک محترم ومعظم ہے اور یہاں انسان اپنے مولیٰ وآقا کی عبادت کرتا ہے لہٰذا اس کی صفائی وستھرائی کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَـٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ﴿١٢٥﴾﴾ (البقرہ:۱۲۸)

ہم نے ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں

---

[1] مولانا عبدالحیؒ نے تفسیر احمدی کا حوالہ نقل کیا ہے: فالعجب من المشائخين المتعصبين فی زماننا يبنون فی كل ناحية مسجداً طلبا للاسم والوسم واستعلاء لشانهم واقتداء آباء هم ولم يتاملوا ما فی هذه القصته والاية من شناعة حالهم وسوء افعالهم. (مجموعة: ۱/۱۷۴)

[2] عالمگیری میں ہے: رجل بنى مسجدا فی مفازة بحيث لا يسكهنا وقل ما يمر به انسان لم يصر مسجداً لعدم الحاجة الى صيرورته مسجداً. (۵/۳۲۰)

اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک وصاف رکھیں۔

اور اپنے دلوں کو شرک ونفاق اور تمام برے اخلاق کی نجاسات سے بھی پاک رکھیں اور بیت اللہ کی طرح تمام مساجد اللہ کا گھر ہیں لہٰذا ہر مسجد ظاہری وباطنی واعتقادی ہر اعتبار سے پاک ہو اس میں نہ ظاہری گندگی ونجاست وغیرہ ہو نہ باطنی گندگی گناہ وغیرہ ہو۔

مساجد میں داخل ہونے والوں پر لازم ہے کہ اپنے بدن اور کپڑوں کو بھی تمام نجاسات وبدبو کی چیزوں سے پاک وصاف رکھیں اور اپنے دلوں کو شرک ونفاق اور تمام بُرے اخلاق کی نجاسات سے پاک کر کے داخل ہوں آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ سے بھی مسجد کی صفائی کا اہتمام ثابت ہوتا ہے کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"من اكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا."

(متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۶۸)

کہ جو شخص اس بدبودار درخت پیاز ولہسن وغیرہ میں سے کچھ کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے۔

دوسری حدیث میں ہے:

"عن عائشة رضى الله عنها قالت امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المسجد فى الدوروان ينظف و يطيب." (مشکوٰۃ: ۶۹)

کہ حضور علیہ السلام نے گھروں میں مسجدیں بنانے اور ان کے پاک وصاف رکھنے کا حکم دیا ہے۔

بذل المجہود میں ہے "اى وامر رسول صلى الله عليه وسلم بان ينظف ذلك المسجد من القذى والتراب." (۲۶۳/۱)

یعنی آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مساجد کو گندگی مٹی وغیرہ سے پاک وصاف رکھا

جائے چنانچہ ان آیات واحادیث سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ مساجد کو ہر قسم کی گندگی نجاست بدبو وغیرہ سے پاک وصاف رکھنا ضروری وشریعت میں مطلوب ہے۔

اس کے متعلق چند احکامات ملاحظہ ہوں۔

مسجد میں نجاست وغیرہ لے کر جانے کا حکم

مسجد میں نجاست یا کوئی بھی نجس چیز جس سے مسجد کے ناپاک ہونے کا خطرہ ہو داخل کرنا حرام ہے۔[۱]

جس شخص کے بدن پر یا کپڑوں پر کوئی نجاست لگی ہو اور مسجد میں داخل ہونے سے مسجد کے ناپاک ہونے کا خطرہ ہو تو اس کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں اگر اس قسم کا خطرہ نہ ہو تو داخل ہونا جائز ہے۔[۲]

حائضہ وجنبی ونفساء کے لیے مسجد میں داخل ہونے کا حکم

واضح رہے کہ حدث (ناپاکی) کی دو قسمیں ہیں حدثِ اصغر حدثِ اکبر حدثِ اصغر جیسے بے وضو ہونا حدثِ اکبر جیسے جنبی ہونا یا عورت کا حیض ونفاس والی ہونا حدثِ اکبر کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔[۳]

چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"لا احل المسجد لحائض ولا جنب." (مشکوۃ: ص ۵۰)

کہ میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لیے حلال نہیں کرتا۔

---

[۱] الاشباہ میں ہے: فمنها تحريم ادخال نجاسة يخاف منها التلويث. (الاشباہ حاشیہ حموی ۲/۱۸۵)

شامی میں ہے: وكره تحريماً ادخال نجاسة فيها. (شامی: ۱/۶۵۶)

اعلام الساجد میں ہے: يحرم ادخال نجاسة الى المسجد. (۲۱۹)

[۲] شامی میں ہے: ومفاده الجواز لو جافة لكن فى الفتاوىٰ الهندية لا يدخل المسجد من على بدنه نجاسة. (شامی: ۱/۲۵۲)

[۳] درمختار میں ہے: ويحرم بالحدث الاكبر دخول المسجد. (شامی: ۱/۱۷۱)

خواہ یہ داخل ہونا مسجد میں بیٹھنے کے لیے ہو یا صرف گزرنے کے لیے ہو کسی بھی حالت میں کسی ناپاک شخص کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔[۱]

❶ ...... البتہ اگر کوئی شدید ضرورت و مجبوری ہو کہ مسجد میں داخل ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو مثلاً یہ کہ اس کے گھر کا دروازہ مسجد سے ہے اور اس دروازے کو وہاں سے تبدیل کرنا ممکن نہ ہو اور اس جگہ کے علاوہ کہیں اور رہنے کی کوئی صورت نہ ہو یا کوئی مسافر جنبی شخص ہے اور پانی مسجد کے علاوہ کہیں اور میسر نہیں اور اس کے علاوہ کوئی شخص مسجد سے پانی لانے والا نہیں تو ایسی شدید مجبوری کی صورت کہ جس میں مسجد داخل ہوئے بغیر کوئی چارکار نہ ہو اس صورت میں تیمّم کر لیا جائے اس کے بعد مسجد میں داخل ہوا جائے بغیر تیمّم کے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔[۲]

مسجد میں سوئے ہوئے شخص کے محتلم و جنبی ہو جانے کا حکم

اگر کوئی شخص پہلے سے مسجد میں موجود ہے اور اس کو احتلام ہو گیا یا کسی عورت کو مسجد میں حیض شروع ہو گیا تو ایسی صورت میں اس ناپاک شخص کو فوراً مسجد سے نکل جانا چاہیے ناپاکی کی حالت میں ذرا سی دیر بھی مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں اور چونکہ مسجد سے باہر نکلنے میں گزرنے کا وقت لگے گا اس لیے بہتر یہ ہے کہ تیمّم کر کے مسجد سے باہر نکلے البتہ مسجد کے فرش و مٹی و دیوار سے تیمّم کرنا مسجد کی بے ادبی ہے اس لیے کوئی پتھر وغیرہ علیحدہ سے ہو تو اس پر تیمّم کر لیا جائے اور اگر کوئی صورت نہ ہو تو مسجد کی دیوار فرش وغیرہ سے

---

[۱] عالمگیری میں ہے: يحرم عليها وعلى الجنب الدخول فی المسجد سواء كان للجلوس او للعبور. (ہندیہ:۱/ ۳۸، شامی:۱/ ۱۷)

[۲] شامی میں ہے: (الا لضرورة) حيث لا يمكنه غيره وفی الشامية كان يكون باب بيته الى المسجد ولا يمكنه تحويله ولا يقدر على السكنىٰ فی غيره..... ومن صوره مافی العناية مسافر مر بمسجد فيه ماء وهو جنب ولا يجد غيره فانه يتيمم لدخول المسجد عندنا ولا نجيز العبور فی المسجد بلاتيمم. (شامی:۱/ ۱۷۲)

بھی تیمّم کیا جا سکتا ہے۔[۱]

❷ ......اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ مسجد سے فوراً نکلنا ممکن نہ ہو کہ مسجد میں سوتے ہوئے احتلام ہو گیا اب مسجد کا دروازہ باہر سے بند ہے نکلنا ممکن نہیں یا باہر نکلنے میں اپنی جان یا مال کا یا کسی درندہ وغیرہ کا خوف ہے یا کوئی بھی خوف وغیرہ کی سی صورت ہے جس کی وجہ سے فوراً مسجد سے نکلنا ممکن نہیں تو ایسی صورت میں تیمّم کر کے مسجد میں بقدر ضرورت ٹھہرنا جائز ہے اور یہ تیمّم کرنا واجب اور ضروری ہے بغیر تیمّم کے ٹھہرنا جائز نہیں اور یہ تیمّم مسجد میں ٹھہرنے کے لیے ہوگا اس تیمّم سے نماز یا قرآن کی تلاوت نہیں کی جا سکتی۔[۲]

❸ ......محتلم یا کسی بھی ناپاک شخص کے لیے صرف سستی یا معمولی سردی کی بناء پر مسجد سے نکلنے میں تاخیر کرنا جائز نہیں اسی طرح کپڑے تولیہ وغیرہ لینے کے لیے مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں کہ یہ کوئی مجبوری نہیں جس کی وجہ سے اس کو مسجد میں ٹھہرنا پڑے بلکہ یہ ضرورت مسجد سے باہر رہ کر کسی اور کی مدد کے ذریعہ بھی پوری کی جا سکتی ہے اس لیے اگر چلتے چلتے اپنے ساتھ کپڑے وغیرہ لے جا سکے اس کے لیے مسجد میں ٹھہرنا نہ پڑے تو کوئی حرج نہیں لیکن باقاعدہ اس کام کے لیے یا محض سستی کی بناء پر مسجد سے نکلنے میں تاخیر کرنا جائز نہیں بلکہ فوراً مسجد سے نکل جانا چاہیے۔

حدثِ اصغر یعنی بے وضو ہونے کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا یا مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے مگر ادب و مستحب یہ ہے کہ وضو کر کے مسجد میں داخل ہو اور باوضو مسجد میں رہے۔

---

[۱] شامی میں ہے: ولو احتلم فیہ ان خرج مسرعاً تیمم ندباً. (۱/۱۷۲)

[۲] شامی میں ہے: وان مکث لخوف فوجوباً ولا یصلی ولا یقرأ. (۱/۱۷۳)

عالمگیری میں ہے: وکذا الحکم اذا خاف الجنب او الحائض سبعاً اولصاً اوبرداً فلا بأس بالمقام فیہ. (۱/۳۸)

بحر میں ہے: وان خاف یجلس مع التیمم ولا یصلی ولا یقرأ. (بحر:۱/۱۹۶)

کافر ومشرک کا مسجد میں داخل ہونا

❶......غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے اگر چہ وہ جنبی (ناپاک) ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ احکامات مسلمان کے لیے ہیں کافر ان احکامات کے مکلّف نہیں ہیں اور مسجد کی تعظیم مسلمان کے لیے ہے بخاری شریف میں امام بخاری رَحِمَہُ اللہ عَلَیْہ نے باب قائم کیا ہے، "باب دخول المشرك تحت المسجد" اور اس کے تحت یہ حدیث لے کر آئے ہیں۔

"عن ابی هريرة رضى الله عنه يقول بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل نجد فجاء رجل من بنى حنيفه يقال له ثمامة بن اثال فربطوه بسارية من سوارى المسجد." (بخاری:۱/۶۷)

آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ثمامہ ابن اثال قیدی کو جو اس وقت مشرک تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے مسجد میں ہی ٹھہرایا نیز آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ میں یہود ونصاریٰ عام طور پر مسجد میں ہی حضور عَلَیْہِ السَّلَام سے ملاقات کرتے تھے حافظ ابن قیم رَحِمَہُ اللہ عَلَیْہ وعلامہ شامی رَحِمَہُ اللہ عَلَیْہ نے لکھا ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قبیلہ ثقیف کے وفد کو مسجد میں ہی اتارا تھا امام سرخسی رَحِمَہُ اللہ عَلَیْہ نے سیر کبیر کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ ابوسفیان جب مدینہ آئے تو مسجد میں ہی داخل ہو کر انہوں نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ملاقات کی۔ (شامی:۴/۲۰۹، زاد المعاد:۲/۲۵)

❷......البتہ اگر کسی کافر کے مسجد میں داخل ہونے سے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو فتنہ سے بچتے ہوئے ایسے کافر کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا جا سکتا ہے۔

مسجد میں پیشاب وغیرہ کرنے کا حکم

مسجد میں یا مسجد کی بالائی منزل وچھت وغیرہ میں پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا اسی

طرح جماع وطی کرنا جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مسجد آسمان تک ہوتی ہے لہٰذا مسجد کے کسی حصہ میں یا مسجد کی بالائی منزل میں بیت الخلاء وغیرہ بنانا یا کسی کا مسجد کے اوپر اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہائش اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں تمام بشری تقاضے مسجد میں ہی پورے ہونگے جو کہ ناجائز ہے نیز خواتین کا ماہواری کے ایام میں بھی مسجد ہی میں ٹھہرنا ہوگا یہ بھی جائز نہیں البتہ صرف امام یا مؤذن یا خادم وغیرہ کے لیے مسجد کے کسی حصہ میں یا مسجد کے اوپر کمرہ بنایا جا سکتا ہے۔[1]

اسی طرح مسجد میں خون نکلوانا پچھنے وغیرہ لگوانا جائز نہیں مکروہ تحریمی ہے اگر چہ وہ خون برتن میں ہی کیوں نہ نکلوایا جائے الغرض مسجد اللہ رب العزت کا پاکیزہ گھر ہے اور یہ چیزیں نجاست مغلظہ ہیں یہ کام کسی بھی صورت میں مسجد کے لائق نہیں۔

مسجد میں ریح خارج کرنا

ریح خارج کرنے سے چونکہ بدبو پھیلتی ہے اور جب بدبو پھیلے گی تو اذیت وتکلیف ضرور ہوگی اس وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ مسجد میں ریح خارج کرنا مکروہ تحریمی ہے البتہ معتکف معذور ہے پھر بھی بچنا بہتر ہے ایک حدیث میں ہے کہ فرشتے نمازیوں کے لیے اس وقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ حدث نہیں کرتے یعنی بے وضو نہیں ہو جاتے۔ (مشکوٰۃ:٦٧)

مسجد میں کوئی بدبودار چیز کھا کر یا پی کر آنا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

[1] درمختار میں ہے: وکرہ تحریما الوطأفوقه والبول والتغوط لانه مسجد الی عنان السماء. (شامی:١/٦٥٦)

الاشباہ میں ہے: ویحرم الوطأ فیه وفوقه کالتخلی. (الاشباہ:٣/١٨٩)

بحر میں ہے: وکرہ الوطأفوق المسجد وکذا البول والتغوّط لان سطح المسجد فھو حکم المسجد والمراد بالکراھة کراھة التحریم. (٢/٣٤)

''من اکل من هذه الشجرة المنتنه فلا یقربن مسجدنا فان الملائکة تتاذی مما یتا ذی منه الانس.'' (مشکوۃ:۶۸)

ترجمہ: جو شخص اس بدبودار درخت یعنی پیاز و لہسن میں سے کچھ کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ جس سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے اس لیے ہر وہ چیز جو کہ بدبودار ہو اور مسلمانوں کی تکلیف کا ذریعہ ہو خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو یا رہن سہن سے یا کپڑوں و جسم کی گندگی سے ہو ایسی چیز کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا مناسب نہیں لہٰذا سگریٹ، تمباکو، نسوار، پیاز، لہسن یا ایسی کوئی چیز جس سے بدبو آتی ہو اسے کھا کر مسجد میں نہیں آنا چاہیے اور اگر ان چیزوں کا استعمال کیا ہے تو مسجد میں داخل ہونے سے پہلے اچھی طرح بدبو کو زائل کر دینا چاہیے کیوں کہ حدیث شریف میں اتنی شدت و مبالغہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے اور یہ حکم مسجد نبوی کے لیے خاص نہیں بلکہ تمام مساجد کے لیے عام ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس حکم میں قصائی مچھلی پکڑنے والے جذام و برص کی بیماری والے بھی داخل ہیں۔[1]

اسی طرح موجودہ زمانے میں مکینک کا کام کرنے والے یا وہ لوگ جن کی محنت و شغل ایسا ہے جس کی وجہ سے ان کے کپڑے میلے و بدبو والے ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو چاہیے کہ کپڑے بدل کر مسجد میں آئیں کہ نماز میں آدمی اللہ کے حضور و دربار میں کھڑا ہوتا ہے اس لیے لباس و جسم اور منہ کی صفائی ہر چیز اس درجہ کی ہو کہ دربار شاہی کے آداب کی مکمل رعایت ہو جائے اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ ایسے کپڑے پہن کر یا ایسی ہیئت میں نماز پڑھنا جس میں کسی کے سامنے جانے سے آدمی شرماتا ہو اور عار

---

[1] شامی میں ہے: وکذلك القصاب والسماك والمجذوم والابرص اولی بالالحاق. (شامی: ۱/۶۶۱)

محسوس کرتا ہو یہ مکروہ ہے لیکن یہ خیال رہے کہ صرف اس وجہ سے نماز نہ چھوڑی جائے کہ ہمارے کپڑے میلے وگندے ہیں کہ اگر کپڑوں کو تبدیل کرنے کی کوئی صورت نہ ہو کوئی مجبوری ہو تو اسی حالت میں نماز پڑھ لی جائے تاکہ نماز چھوڑنے کا گناہ تو نہ ہو۔

مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا

اگر کسی شخص کے چپل جوتے پاک ہوں تو ان کو پہن کر مسجد میں داخل ہونا مسئلہ کی اعتبار سے تو جائز ہے جبکہ اس کے نیچے لگی ہوئی مٹی سے مسجد کے ناپاک وگندا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ مسجد کا فرش مٹی کا یا کنکریوں کا ہو جیسا کہ آپ علیہ السلام کے زمانہ میں مسجد نبوی کا فرش تھا اور اگر اس کی مٹی سے مسجد کے گندہ ہونے کا خطرہ ہو تو جوتے پہن کر داخل ہونا صحیح نہیں جبکہ ہمارے عرف میں اس کو بہت زیادہ بے ادبی بھی سمجھا جاتا ہے اس لیے آج کل چونکہ مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونے سے مسجد گندی ہوتی ہے اور اس کو بے ادبی سمجھا جاتا ہے لہٰذا خواہ وہ جوتے پاک ہی ہوں ان کو پہن کر مسجد میں داخل ہونا صحیح نہیں۔[1]

مسجد کی صفائی کی تاکید اور اس کے فضائل

تمام جگہوں میں سب سے زیادہ محبوب اور معزز جگہ مساجد ہیں کہ بندہ اس جگہ اپنے آقا سے ملاقات اور اس کے حضور عبادت کے لیے حاضر ہوتا ہے لہٰذا اس گھر کی صفائی کا اہتمام بے حد ضروری ہے تاکہ طبیعت میں نشاط وفرحت پیدا ہو اور مولائے کریم کی عبادت میں لطف محسوس ہو لیکن اتنا خیال رہے کہ شریعت میں ہر چیز کا اعتدال (میانہ روی) مطلوب ہے "خیر الامور اوسطھا" لہٰذا صفائی میں بھی اعتدال

---

[1] شامی میں ہے: وینبغی لداخله تعاهدنعله وخفه وصلاته فیهما افضل قلت لکن اذا خشی تلویث فرش المسجد بها ینبغی عدمه وان کانت طاهرة ولعل ذلك محمل ما فی العمدة من ان دخول المسجد متنعلاً من سوء الادب. (۱/۶۵۷)

عالمگیری میں ہے: دخول المسجد منتعلاً مکروہ. (۵/۳۲۱)

سے کام لینا ضروری ہے کہ نہ اس قدر افراط (حد سے تجاوز کرنا) سے کام لیا جائے کہ تزخرف اور زینت اس حد تک پہنچ جائے جس سے نمازیوں کے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہو اور نہ اس قدر بے توجہی سے کام لیا جائے کہ مسجد گرد وغبار سے بھر جائے اور طبیعت اچاٹ جائے اور عبادت کا سکون وفرحت ہی ختم ہو جائے ان دونوں کے درمیان اعتدال میں رہتے ہوئے اس کی پاکیزگی ونفاست کا خیال بے حد ضروری بھی اور شریعت میں مطلوب بھی ہے ہر آدمی اور نمازی کی کوشش ہو کہ وہ مسجد کی صفائی میں خود اپنی ذات سے حصہ لے اگر چہ مساجد میں صفائی کے لیے خادم وغیرہ مقرر ہوتے ہیں لیکن ہر آدمی اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اس میں خود حصہ لے۔[1]

آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد." (مشکوۃ:۱/۶۹)

کہ مجھ پر میری امت کے اجر وثواب پیش کیے گئے یہاں تک کہ وہ کوڑا جو کسی نے مسجد سے باہر نکالا ہو اس پر بھی اس کو اجر ملے گا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتبع غبار المسجد بجریدہ." کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام مسجد کے غبار کو اپنی لکڑی سے صاف کیا کرتے تھے۔

لہٰذا مسجد کی صفائی کے بے شمار فضائل ہیں آدمی اس عظیم خدمت کو حقیر نہ سمجھے بلکہ اس کو اپنے لیے سعادت سمجھے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام خود بنفس نفیس مسجد کی صفائی کا اہتمام فرماتے تھے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بلغم پر پڑ گئی جو مسجد کے قبلہ کی طرف کسی نے ڈالا تھا یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیف ہوئی اور اس کا اثر چہرہ مبارک پر ظاہر ہونے لگا پھر آپ خود اٹھے اور اپنے

---

[1] معارف السنن میں ہے: وقد ورد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کنس المسجد.

دست مبارک سے اس کو صاف فرمایا۔ (بخاری:۱/ ۵۸)

مسجد میں جھاڑو لگانے والے کی اہمیت

حضرت ابوہریرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ ایک سیاہ فام عورت یا مرد مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا اس کا انتقال ہو گیا آپ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو اس کے انتقال کی اطلاع نہ دی گئی آپ نے جب دوسرے دن اس کو نہ دیکھا تو لوگوں سے دریافت کیا آپ کو بتایا گیا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے آپ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے فرمایا کہ تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی پھر فرمایا کہ مجھے اس کی قبر بتاؤ چنانچہ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس کو جنت میں دیکھا۔ (بخاری:۱/ ۶۵ فتح الباری:۲/ ۴۹۱)

آپ عَلَیْہِ السَّلَامُ کا ارشاد ہے:

"من اخرج أذیٰ من المسجد بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنۃ."

(ابن ماجہ:۵۵)

جو شخص مسجد سے گندگی نکالے اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ عموماً پیر اور جمعرات کو مسجد قباء تشریف لے جاتے تھے ایک دن مسجد میں دیکھا کہ جھاڑو نہیں دی گئی آپ نے خود کھجور کی شاخ لے کر مسجد کو صاف فرمایا پھر لوگوں کو تاکید فرمائی کہ مسجد کو مکڑیوں جالوں وغیرہ سے پاک وصاف رکھو۔ (وفاء الوفاء:۲/ ۲۰)

فائدہ: خادم مسجد کی اہمیت

مذکورہ بیان سے مسجد کی صفائی کی اہمیت وفضیلت کے ساتھ ساتھ صفائی کرنے والے کی فضیلت بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اس کا اللہ کے نزدیک بہت اونچا مقام ہے کہ جب آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ وغیرہ نے خود مسجد کی

صفائی کی اور صفائی کرنے والے کے اجر وثواب کو بیان فرمایا تو اس کا درجہ اللہ کے نزدیک کتنا بلند ہوگا ان فضائل کا استحضار مسجد کے خادم اور عوام الناس سب کو ہی ہونا چاہیے کہ اس پر اللہ رب العزت کتنا بڑا اجر وثواب عطا فرمائیں گے۔

اس کام کو چھوٹا وحقیر سمجھنا بہت بڑی خیر واجر وثواب سے محرومی کا ذریعہ ہے لہٰذا اس کی اہمیت کے پیش نظر مسجد کمیٹی اور تمام نمازیوں کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ جتنا اپنی ذات سے ہو سکے اس مبارک کام میں حصہ لیں اس میں اپنی عار نہ سمجھیں اور اس کام کے انجام دینے والوں کی تحقیر یا ان کے ساتھ ذلت آمیز سلوک نہ کریں۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کی ذمہ داریوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد کی صفائی کا اہتمام کرے کیونکہ آپ علیہ السلام نے بذات خود مسجد کی صفائی کی ہے۔

مسجد میں تھوکنا وگندگی پھیلانا گناہ ہے

بخاری شریف کی روایت ہے:

''البزاق فی المسجد خطیئة وکفارتها دفنها.''

(متفق علیہ، مشکوۃ: ۱/۶۹)

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارۃ اس کو دفن کرنا ہے۔

یہ حکم اس وقت کے لیے ہے جبکہ مسجد کا فرش کچی مٹی کا ہوتا تھا آج کل چونکہ مساجد کے فرش پکے ہوتے ہیں اس لیے اس کی صفائی کی صورت اس کو دھونا یا کپڑے سے صاف کرنا ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مسجد میں کہیں تھوکا نہیں جا سکتا اور قبلہ کی دیوار کا احترام نسبتاً بڑھا ہوا ہے اس لیے قبلہ کی دیوار کی طرف یا قبلہ کی طرف تھوکنا نہیں چاہیے اس میں احتیاط برتی جائے اسی طرح مسجد کو ہر قسم کی گندگی خس وخاشاک تھوک بلغم اور ہر وہ چیز جو تکلیف دہ ہو اس سے پاک وصاف رکھا جائے کہ

گندگی پھیلانا اوراس کوصاف نہ کرنا گناہ ہے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔

"وجدت فی مساوی اعمالها النخاعة تکون فی المسجد لا تدفن." (مشکوۃ:۶۹)

میں نے اپنی امت کے برے اعمال میں اس گاڑے تھوک کو بھی پایا جو مسجد میں ڈالا گیا مگر صاف نہ کیا گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کو گندا کرنے کا گناہ بھی اعمال نامہ میں لکھا جاتا ہے لہٰذا مسجد میں کسی قسم کی گندگی نہ پھیلائی جائے کوئی ایسا تنکا بھی نہ ڈالا جائے جس سے گندگی معلوم ہو اور اگر کوئی ایسی چیز نظر آئے تو فوراً صاف کر دے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مسجد سے کسی تکلیف دینے والی چیز کو نکالا اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔ (ابن ماجہ:۵۵)

عورتوں کے لیے مسجد میں آنے کا حکم

ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت دی تھی نبی علیہ السلام کے زمانہ میں عورتیں باجماعت مسجد میں ہی نماز پڑھتی تھیں اور آپ علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے:

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لا تمنعوا اماء اللّٰہ مساجد اللّٰہ."

(مسلم:۱/۱۸۳)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"اذا استئا ذنت احدکم امرأته الی المسجد فلا یمنعها." (مسلم:۱/۱۸۳)

ترجمہ: "جب تم سے تمہاری عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اس کو مسجد

جانے سے نہ روکو۔"

مگر چونکہ اس زمانہ میں اس سے مقصود شاید شوکت وقوت کا اظہار تھا کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ معلوم ہو لیکن یہ وجہ اب باقی نہیں رہی اور اس کے علاوہ اگر "باب خروج النساء الی المسجد" (یعنی عورتوں کے مسجد جانے) کی تمام احادیث پر غور کیا جائے تو ان تمام احادیث میں دو چیزیں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔

❶ ......بعض احادیث مبارکہ میں جہاں آپ علیہ السلام نے عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت دی ہے تو ساتھ ہی یہ شرط بھی لگائی کہ بے زینت ہو کر نکلیں چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

"لا تمنعو اماء اللّٰه مساجد اللّٰه ولكن يخرجن وهن تفلات." (ابوداود)

ترجمہ: "اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو لیکن ان کو چاہیے کہ بالکل سادگی کے ساتھ نکلیں۔"

اسی طرح مسلم شریف میں ہے۔

"فاذا شهدت احداكن الی المسجد فلا تمس طيباً."

(مسلم:۱/۱۸۳)

کہ جب تم عورتوں میں سے کوئی مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے

ان احادیث کی قیودات وشرائط سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے نکلنے میں چونکہ فتنہ کا اندیشہ ہے اسی وجہ سے قید ذکر کی گئی تا کہ فتنہ کا دروازہ بند ہو سکے۔

❷ ......دوسری بات یہ ہے کہ جہاں آپ علیہ السلام نے مردوں کو حکم دیا کہ عورتوں کو مسجدوں کی طرف جانے سے نہ روکو وہیں آپ علیہ السلام نے عورتوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ ان کا نہ ہی نکلنا بہتر ہے اور ان کے لیے افضل وبہتر یہ ہی ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھیں چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

"صلاۃ المرئۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا وصلاتھا فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا."

(مشکوۃ:۹۶)

کہ عورت کی نماز کمرے میں بہتر ہے اس نماز سے جو کہ گھر کے صحن میں پڑھی جائے اور عورت کی نماز کوٹھری میں بہتر ہے اس نماز سے جو کہ کمرہ میں پڑھی جائے۔

اسی طرح ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"لاتمنعوانساء کم المساجد وبیوتھن خیرلھن."

(ابوداود، مشکوۃ:۹۶)

اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو البتہ ان کے گھر ان کے لیے بہترین ہیں۔

ان احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی سب سے زیادہ بہتر وہ نماز ہے جو زیادہ سے زیادہ پردہ میں ہو لہٰذا عورتوں کے لیے افضل گھر میں نماز پڑھنا ہے کہ اس میں پردہ مکمل ہے اور عورت کے پوشیدہ رہنے میں ہی خیر ہے ظاہر ہونے و گھر سے باہر نکلنے میں فتنہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارک میں اگر عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دی تو چند شرائط کے ساتھ اجازت دی اور ساتھ ہی افضلیت کو بھی بیان فرمادیا کہ ان کے لیے افضل یہ ہی ہے کہ وہ گھر میں ہی نماز پڑھیں۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے فوراً بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس فتنہ کو محسوس کیا جبکہ وہ صحابہ کا زمانہ تھا جس کے بہتر ہونے کی گواہی آپ علیہ السلام نے خود اپنی زبان سے دی تھی اس کے باوجود ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"لوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای ما احدث

النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل.''

(بخاری:۱/۱۱۹، مسلم:۱/۱۸۳)

کہ اگر آپ ﷺ اس زمانہ کو دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا۔

اسی وجہ سے بعض صحابہ اس سلسلہ میں بڑے پریشان تھے کہ حضور ﷺ کے پاک ارشاد کی وجہ سے مسجد سے روکنا بھی مشکل اور زمانہ کے فساد کی وجہ سے جس کا اندیشہ اسی وقت شروع ہوگیا تھا اجازت دینا بھی مشکل تھا چنانچہ حالات کے دوران وزمانہ کی دوری کے ساتھ ساتھ فتنہ بڑھتا گیا حالات نازک ہوگئے تو چونکہ اس مسئلہ کا دارومدار زمانہ کے فتنہ وفساد پر تھا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں فتنہ وفساد نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا (وبیوتھن خیر لھن) کہ ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں پھر آپ ﷺ کے بعد فتنہ کی کثرت کو دیکھتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ قول کہنا پڑا جو کہ گزرا پھر جوں جوں زمانہ بڑھتا گیا تو حالات کے بدلنے وانقلابِ زمانہ کی بنیاد پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بوڑھی عورت جمعہ وظہر وعصر کے علاوہ باقی نماز میں جاسکتی ہے کیونکہ اس میں فتنہ کم ہے یہ فتویٰ ان کے زمانہ کے اعتبار سے تھا۔

پھر بعد میں مزید فتنہ کے بڑھنے کی وجہ سے متأخرین علماء نے فرمایا کہ کسی بھی عورت کا خواہ وہ بوڑھی ہو یا جوان کسی بھی نماز میں شرکت کے لیے جانا مناسب نہیں۔

واضح رہے کہ یہ حکم وفتویٰ حدیث کے خلاف نہیں بلکہ احادیث کے مزاج کے عین مطابق ہے جس کو اہلِ علم وعقل بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کسی جوان عورت کے لیے کسی بھی نماز باجماعت میں شرکت کی غرض سے مسجد جانا جائز نہیں ہاں اگر کوئی عمر رسیدہ عورت ہو تو وہ فجر، مغرب، عشاء کی نماز میں ان شرائط کے ساتھ جاسکتی ہے کہ مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو راستہ پرامن ہو زیب و

زینت والا لباس نہ ہو خوشبو نہ لگائی ہو مسجد میں ایسی جگہ موجود ہو جہاں اطمینان کے ساتھ پردہ میں نماز ادا کی جاسکے جب کہ آج کل ان شرائط کا پایا جانا مشکل ہے اس وجہ سے کسی بھی عورت کا مسجد میں نہ ہی جانا بہتر ومناسب ہے۔

اگر راستہ میں سفر کے دوران یا کسی ایسی جگہ پر جہاں مسجد کے علاوہ کوئی اور جگہ نماز پڑھنے کی میسر نہ ہو تو ایسی صورت میں اپنی انفرادی نماز پڑھنے کے لیے عورت مسجد جاسکتی ہے لیکن مردوں کے ساتھ کسی قسم کا اختلاط نہ ہو اور مکمل پردہ میں نماز ادا کی جائے۔[1]

مسجد میں خرید وفروخت کرنا

مسجدیں اللہ کا ذکر کرنے کے لیے اور اس کی عبادت کرنے کے لیے بنائی جاتیں ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ ﴾ اس آیت کے ضمن میں امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ھذا یدل علٰی انه یجب تنزیھھا من القعود فیھا لامور الدنیا مثل البیع والشراء وعمل الصناعات.“

(احکام القرآن: ۳/۴۲۳)

---

[1] شامی میں ہے: ویکرہ حضور ھن الجماعة و لولجمعة وعِید وعظ مطلقاً ولو عجوزاً لیلا علٰی المذھب المفتٰی به لفساد الزمان وفی الشامیة (ولو عجوزاً) بیان للاطلاق ای شابة او عجوزاً لیلا أونهاراً (علی المذھب المفتی به) ای مذھب المتأخرین قال فی البحر وقد یقال ھذا الفتویٰ التی اعتمدھا المتأخرون فی مخالفة لمذھب الامام الا فی الظھرو العصر و الجمعة و عندھما مطلقاً. (شامی: ۱/۵۶۶)

بحرالرائق میں ہے: (لا یحضرن الجماعات) لقوله تعالٰی و قرن فی بیوتکن وقال صلی اللّٰه علیه وسلم صلاتھا فی قعر بیتھا افضل من صلاتھا فی صحن دارھا و صلاتھا فی صحن دارہ افضل من صلاتھا فی المسجد و بیرتھا خیر لھن ولانه لا یؤمن الفتنة من خروجھن اطلقه فشمل الشابة والعجوز والصلاة اللیلیة والنھاریة. (بحر: ۱/۳۵۸)

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مسجدوں کو دنیاوی کاموں سے پاک وصاف رکھنا واجب ہے جیسے خرید وفروخت دستکاری وغیرہ اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے مسجدوں میں خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تناشد الاشعار فى المسجد و عن البيع والاشتراء فيه وان يتحلق الناس يوم الجمعه قبل الصلاة فى المسجد."

(مشکوۃ:۱/۷۰)

آپ ﷺ نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے اور خرید وفروخت کرنے سے اور جمعہ کے دن نماز سے قبل حلقہ لگا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ فرمایا:

"عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رأيتم من يبيع او يبتاع فى المسجد فقو لوا لاربح الله تجارتك." (مشکوۃ:۱/۷۰)

کہ جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ خدا کرے تیری اس تجارت میں نفع نہ ہو۔

❶...... لہٰذا مسجد میں غیر معتکف کے لیے نہ عقد (یعنی معاملہ کرنا) جائز ہے کہ صرف ایجاب وقبول مسجد میں ہو اور لین دین مسجد سے باہر ہو اور نہ ہی کوئی چیز مسجد میں لا کر بیچنا یا مسجد میں کسی چیز کو خریدنا جائز ہے الغرض غیر معتکف کے لیے مسجد میں خرید وفروخت کی کوئی صورت بھی جائز نہیں بلکہ مکروہِ تحریمی ہے۔[1]

---

[1] شامی میں ہے: وكره اى تحريماً لانها محل اطلاقهم احضار مبيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً للنهى (مطلقاً) اى سواء احتاج اليه لنفسه او عياله او كان للتجارة احضره اولاً (للنهى) هو ما رواه اصحاب السنن الاربعة. (شامی:۲/۴۴۹)

=

❷......البتہ معتکف کے لیے ضروری اشیاء کی خرید وفروخت مسجد میں جائز ہے اور اس سے مراد عقد ہے یعنی معتکف کسی ضروری چیز کی خرید وفروخت کے لیے مسجد میں عقد (معاملہ) کرسکتا ہے۔

❸......اور جس چیز کو معتکف بیچ رہا ہے اس چیز کو مسجد میں لانے کے متعلق کچھ تفصیل ہے اگر اس چیز کا حجم زیادہ ہے کہ اس چیز کو مسجد میں رکھنے سے مسجد کی جگہ مشغول ہوتی ہے تو ایسی چیز کو مسجد میں لا کر بیچنا معتکف کے لیے جائز نہ ہوگا اور اگر اس چیز کا حجم کوئی ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے مسجد کی جگہ مشغول نہ ہوتی ہو تو معتکف کے لیے ایسی چیز مسجد میں بیچنا جائز ہے۔[1]

❹......خیال رہے کہ معتکف کے لیے بھی یہ حکم صرف ضرورت کے تحت ہے کہ معتکف چونکہ مسجد سے باہر نہیں جاسکتا اس لیے اپنی ضرورت کے تحت مسجد میں اشیائے ضروریہ کی خرید وفروخت کرسکتا ہے لیکن مسجد کو مستقل دکان بنالینا یا تجارت کی جگہ بنالینا معتکف کے لیے بھی جائز نہیں۔[2]

مسجد میں دستکاری کرنا یا کسی صنعت وحرفت کے لیے بیٹھنا یا کوئی اور پیشہ وغیرہ اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ مساجد اللہ کے ذکر کے لیے بنائی جاتی ہیں اس میں کوئی

بحر میں ہے: وقيد بالمعتكف لان غيره يكره له البيع مطلقا لنهيه عليه السلام عن البيع و الشراء فى المسجد. (۲/۳۰۳)

[1] شامی میں ہے: (احضارمبيع فيه) لان المسجد محرز عن حقوق العباد وفيه شغله بها ودل تعليلهم ان المبيع لو لم يشغل البقعة لا يكره احضارهم كدراهم يسيرة او كتاب ونحوه ولكن مقتضىٰ الاول الكراهة وان لم يشتغل. (شامی:۲/۴۴۹)

[2] بحر میں ہے: واراد بالمبايعة البيع والشراء وهو الايجاب والقبول واطلق المبايعة فشملت ما اذا كانت للتجارة وقيده فى الذخيرة بما لا بدمنه كا لطعام اما اذا ارادان يتخذ ذالك متجراً فانه مكروه و ان لم يحضر السلعة و اختارهِ قاضيخان فى فتا واه ورجحّه الشارح لا نه منقطع الى الله فلا ينبغى له ان يشتغل بأمور الدنيا. (۲/۳۰۳)

دنیاوی کام کرنا صحیح نہیں۔[۱]

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز صحیح نہیں چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُواْ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ ﴾ (سورۃ الجن:۱۸)

صاحب جمل اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"المعنیٰ افردوا المساجد بذکر اللّٰہ ولا تجعلوا فیھا نصیباً." (۴/۴۲۲)

کہ مسجد کو اللہ کی یاد کے لیے مخصوص کرلو اور اس میں کوئی دوسرا کام نہ کرو۔

تفسیر احمدی میں ہے۔

"الا انھا علیٰ ظاھرھا عما یستدل به علیٰ انه لا یجوز فی المسجد التکلم بکلام الدنیا."

کہ اس آیت کے ظاہر سے استدلال کیا گیا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا جائز نہیں۔ چونکہ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں خالصۃً عبادت وتوجہ الی اللہ کے لیے بنائی جاتی ہیں تو ایسی جگہ پہنچ کر عبادت وتوجہ الی اللہ کے علاوہ کسی دنیاوی بات میں مشغول ہونا بے ادبی کے علاوہ کچھ نہیں آج کل اس مسئلہ میں اکثر بے احتیاطی برتی جاتی ہے حالانکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں مسجد کا مکمل احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا آج کے ایسے زمانہ کے متعلق مخبرِ صادق ﷺ پہلے ہی پیشگوئی فرما چکے ہیں چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

"عن الحسن مرسلا قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یأتی علی الناس زمان یکون حدیثھم فی

---

[۱] شامی میں ہے: لان المسجد مابنی لأمور الدنیا. (شامی:۱/۶۶۲)

مساجدهم فی امر دنیا هم فلا تجالسو هم فلیس للّٰه فیهم حاجة.'' (مشکوۃ:۷۱)

آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا ان کی باتیں مساجد میں دنیا کے متعلق ہوں گی ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھنا کیونکہ اللہ کو ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

ملا علی قاری اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''فیه تهد یدعظیم لاجل ظلمهم ووضعهم الشئی فی غیر موضعه لان المسجد لم یبن الا للعبادة.'' (مرقاۃ:۲/۲۲۲)

اس حدیث میں بہت بڑی دھمکی ہے ان کے ظلم اور ان کے ایک چیز کو اپنے محل کے علاوہ میں رکھنے کی وجہ سے کیونکہ مساجد صرف عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''الحدیث فی المسجد یأکل الحسنات کما تأکل البهیمة الحشیش. (شامی:۱/۶۶۲)

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسا کہ جانور گھاس کو کھا جاتا ہے ایک دوسری حدیث میں ہے۔ (کماتأکل النار الحطب) جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

''ان النبی علیه الصلاة والسلام قال اذا اتی الرجل المسجد فاکثر من الکلام تقول له الملائکة اسکت یا ولی اللّٰه فان زاد تقول اسکت یا بغیض اللّٰه فان زاد تقول اسکت علیك لعنة اللّٰه.'' (المدخل:۲/۲۲۷)

کہ مسجد میں جب کوئی دنیوی باتیں کرنے لگتا ہے تو فرشتے اس کو کہتے ہیں اے اللہ کے دوست چپ ہو جا پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں او اللہ کے دشمن

خاموش ہو جا پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تجھ پر اللہ کی لعنت ہو خاموش ہو جا۔

❶ ...... لہٰذا مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کے لیے ہی بیٹھنا اور مسجد کو دنیاوی گپ شپ کے لیے بیٹھک بنالینا یہ کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

❷ ...... اگر مسجد میں دنیاوی باتوں کے لیے نہ بیٹھے بلکہ عبادت کی غرض سے مسجد میں ہے اتفاقاً کوئی دنیاوی ضرورت کی بات پیش آ گئی جو آہستہ سے مختصراً کر لی گئی تو گنجائش ہے تاہم بچنا بہتر ہے۔

❸ ...... ایسا شخص جس کا مستقل قیام ہی مسجد میں ہو یا وہ معتکف ہو ایسے شخص کا مسجد میں بقدر ضرورت دنیاوی باتیں کر لینا جائز ہے۔[1]

مسجد میں سوال کرنا

مسجد اللہ رب العزت کا گھر ہے اللہ کے گھر میں کھڑے ہو کر اللہ کے غیر سے سوال کرنا یہ کسی بھی اعتبار سے مناسب نہیں نیز مسجد میں سوال کرنا نمازیوں کے ذکر و دعا و تلاوت قرآن اور وظیفہ میں خلل کا سبب ہے۔

❶ ...... لہٰذا مسجد میں کھڑے ہو کر اپنی ذات کے لیے سوال کرنا مطلقاً حرام ہے کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

❷ ...... جو اپنی ذات کے لیے نہ مانگے جیسے اہلِ مدارس مدارس و مساجد کے لیے چندہ کا

---

[1] شامی میں ہے: والکلام المباح وقیده فی الظهیریة بأن یجلس لأجله وفی الشامیة بان یجلس لا جله فانه حینئذ لا یباح بالاتفاق لان المسجد ما بنی لامور الدنیا. (۱/۶۶۲)

فتح القدیر میں ہے: والکلام المباح فیه مکروه یاکل الحسنات. (۱/۳۶۹)

الاشباہ میں ہے: القعود فی المسجد لا للعبادة ماذون فیه شرعاً الا تریٰ ان اهل الصفة كانوا یلازمون المسجد وینامون فیه ویتحدثون بما لیس فیهم مأثم. ۱۹۰/۳.
والکلام المباح ای مایمنع منه فی المسجدا قول محله ان جلس له کما فی الظهیریة اما ان تحدث بعد صلاة فلا یکره. (اشباہ:۱۹۰/۳)

اعلان کرتے ہیں ان کا یہ عمل جائز تو ہے لیکن ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے نمازیوں کی نماز وعبادت وغیرہ میں خلل واقع نہ ہو آج کل کی مروجہ صورتوں میں ازخود چندہ کا اعلان کرنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ امام صاحب اعلان کر دیں۔

۳ ......سوال کرنے والا گردنوں کو پھلاندتا ہوا لوگوں سے سوال کر رہا ہے اور نمازیوں کی عبادت میں خلل کا ذریعہ بن رہا ہے تو ایسے سائل فقیر کو کچھ دینا اور اس کی مدد کرنا جائز نہیں۔

لہٰذا آج کل جو فقیر فرض نماز کے بعد مسجد میں سوال کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں تو آس پاس والوں کی ذمہ داری ہے کہ آہستہ سے سمجھا کر اس کو بٹھا دیں سب نمازی نہ بولیں ورنہ مسجد میں شور ہو جائے گا نیز ایسے شخص کو مانگنے کے لیے مسجد سے باہر کھڑا کریں تاکہ مانگنے والا دینے والا دونوں ناجائز کام سے بچ سکیں۔[1]

جمعہ وعیدین کی نمازوں میں مساجد کے لیے چندہ کرنا

مسجدیں اللہ رب العزت کا گھر ہیں لہٰذا مسجد کا انتظام چلانے میں سب سے اول بھروسہ اللہ کی ذاتِ عالی پر ہو کہ یہ اللہ کا گھر ہے اللہ ہی اس کے انتظامات واخراجات پورے کرے گا دوسرے اہلِ خیر حضرات کو چاہیے کہ وہ اپنی سعادت وضرورت سمجھتے ہوئے خود سے مسجد کے انتظام و اخراجات میں حصہ لیں اور گر اس سلسلہ میں مخیّر حضرات کو فضائل سنا کر آمادہ کرنا پڑے تو ان کو آمادہ بھی کیا جائے الغرض حتی الامکان کوشش کی جائے کہ مسجد کے لیے جھولی پھیلا کر عمومی طور پر سوال کرنے کی ضرورت نہ پڑے بلکہ عموماً مسجدوں میں ڈبے رکھے ہوئے ہوتے ہیں ان میں یا خزانچی کے پاس خود سے جمع کروا دیں اور اگر عمومی طور پر چندہ کرنا ہی ضروری ہو تو ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے نمازیوں کے خشوع وخضوع اور دھیان میں خلل واقع نہ ہو لہٰذا۔

---

[1] شامی میں ہے: ويحرم فيه السوال ويكره الاعطاء مطلقا وقيل ان تخطى. (۱/۶۵۹)

❶ ...... خطبہ کے دوران چندہ کرنا تو بالکل جائز نہیں کیونکہ سب کے لیے خطبہ سننا واجب ہے۔

❷ ...... مجبوری کی وجہ سے تقریر کے دوران چندہ کیا جاسکتا ہے۔

❸ ...... اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ تقریر وخطبہ کے دوران کچھ وقفہ کر کے چندہ کر لیا جائے تاکہ تقریر وخطبہ دونوں دھیان سے سنے جاسکیں۔

مسجد میں کھانا اور سونا

❶ ...... معتکف ومسافر کے لیے مسجد میں کھانے وسونے کی گنجائش ہے مگر مسجد کے آداب کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے اِدھر اُدھر بستر ڈال کر یا کھانے پینے کے ذرات گرا کر مسجد کو مسافر خانہ نہ بنایا جائے۔

❷ ...... معتکف ومسافر کے علاوہ کے لیے مسجد میں سونا وکھانا مکروہ ہے۔[1]

❸ ...... معتکف ومسافر کے علاوہ مقامی شخص اگر مسجد میں عبادت واعتکاف کی نیت سے کچھ وقت گزارے تو ان کے لیے بھی کھانے پینے اور سونے کی اجازت ہے مگر اس کو مستقل معمول بنالینا اور مسجد کو خواب گاہ وطعام گاہ بنالینا یا صرف اس وجہ سے اعتکاف کی نیت کرنا کہ کھانا وسونا جائز ہو جائے یہ صحیح نہیں بلکہ مقصود عبادت اور ذکر اللہ ہو اس ضمن میں ضرورت کی خاطر مسجد میں یہ کام کر لیے جائیں تو جائز ہے۔[2]

❹ ...... جو لوگ مسجد سے متعلق ہیں یعنی امام ومؤذن خادم وغیرہ اگر ان کے لیے مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو اعتکاف کی نیت سے مسجد میں کھا اور سو سکتے ہیں۔

❺ ...... تبلیغی جماعت والے حضرات جن کا قیام مسجد میں ہوتا ہے ان کو بھی چاہیے کہ

---

[1] شامی میں ہے: ویکرہ النوم والاکل فی المسجد لغیر المعتکف. (۱/۶۶۱)

[2] عالمگیری میں ہے: ویکرہ النوم والاکل فیہ لغیر لمعتکف واذ اراد أن یفعل ذلك فینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیہ ویذکر اللّٰہ تعالٰی بقدر مانوی او یصلی ثم یفعل ماشأ. (۵/۳۲۱)

مسجد کے آداب کا مکمل خیال کرتے ہوئے اعتکاف کی نیت کے ساتھ مسجد میں رہیں اگر مسجد سے متصل کوئی کمرہ وغیرہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اپنے کھانے وسونے کا انتظام وہاں کرلیں اور اگر کوئی کمرہ وغیرہ نہ ہو تو مسجد کے آداب وصفائی کا خیال کرتے ہوئے اعتکاف کی نیت کے ساتھ مسجد میں کھایا اور سویا جاسکتا ہے۔

مسجد میں افطاری کرنے کا حکم

بہتر یہ ہے کہ مسجد سے متصل کوئی ایسی جگہ بنالی جائے جس میں افطاری وغیرہ کرلیا کریں لیکن اگر کوئی مناسب جگہ نہ ملے تو مسجد میں بھی افطار کرنے کی گنجائش ہے مگر دو باتوں کا ضرور خیال رکھا جائے ایک یہ کہ مسجد کی بے حرمتی و بے ادبی نہ ہو کہ مسجد میں کھانے وغیرہ کے ذرات نہ گریں دوسرا یہ کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلیں۔

لیکن وہ لوگ جو رمضان المبارک میں صرف افطار کرنے کے لیے ہی مسجد میں داخل ہوتے ہیں ان کا یہ عمل درست نہیں اسی طرح بعض مساجد میں رمضان المبارک کے مہینہ میں کسی ایک دن پورے محلے والوں کے لیے اجتماعی افطاری کا اہتمام وانتظام کیا جاتا ہے اور اس کے لیے یا تو چندہ کیا جاتا ہے یا کوئی ایک شخص اہتمام کرتا ہے اس میں چونکہ مسجد کی بہت زیادہ بے حرمتی و بے ادبی ہوتی ہے ایک شور شرابا مسجد میں قائم ہوتا ہے کھانے کے ذرات مسجد میں گرتے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر مفاسد بھی ہیں جن کی وجہ سے اس طریقہ سے اہتمام کرنا مناسب نہیں البتہ وہ لوگ جو اعتکاف میں بیٹھے ہوتے ہیں صرف ان کے لیے اجتماعی افطاری کا انتظام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا

جو چیز مسجد سے باہر گم ہوئی ہو یا کوئی گم شدہ چیز مسجد سے باہر ملی ہو تو اس کا مسجد میں اعلان کرنا جائز نہیں ہے کہ حدیث شریف میں ہے۔

"اذا رئیتم الرجل ینشد ضاله فی المسجد فقولوا لا ردها اللّٰه علیك." (مشکوۃ:۶۸)

کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کر رہا ہے تو کہو، اللہ کرے تیری چیز نہ ملے۔

اور جو چیز مسجد میں گم ہوئی ہو یا مسجد میں ملی ہو تو اس کا اعلان مسجد میں کیا جا سکتا ہے آج کل چونکہ گم شدہ بچوں یا گم شدہ چیز کا مسجد سے اعلان کرنے کا رواج ہو گیا ہے اس لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر مسجد سے باہر کسی جگہ لگا دیا جائے جس کے ذریعہ سے اعلان ہو سکے تا کہ کراہت سے نکل جائے۔

جنازہ کا اعلان مسجد سے کرنا جائز ہے۔

مسجد میں دوسری جماعت کا حکم

تکرارِ جماعت کی صورتیں مختلف ہیں۔

❶ ......راستہ کی مسجد ہو اس کے نمازی امام و مؤذن معین نہ ہوں تو ایسی صورت میں دوسری جماعت کرنا جائز و افضل ہے۔

❷ ......محلّہ کی مسجد میں اہلِ محلّہ کے علاوہ دوسروں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اس صورت میں بھی اہل محلّہ کا با جماعت اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھنا جائز و افضل ہے۔

❸ ......محلّہ کی مسجد میں اہل محلّہ نے اذان کے اعلان کے بغیر یا اذان کے بغیر جماعت کی ہو تو اس صورت میں اذان و اقامت کے اعلان کے ساتھ دوسری جماعت کرنا جائز و افضل ہے۔

❹ ......محلّہ کی مسجد میں اہلِ محلّہ نے اذان اور اس کے اعلان کے ساتھ ایک مرتبہ جماعت کر لی اور دوسری جماعت بھی اہلِ محلّہ کی طرف سے اذان کے تکرار کے ساتھ

ہورہی ہو یا دوسری جماعت بغیر اذان کے ہورہی ہو لیکن پہلی جماعت کی حیثیت وہیئت پر ہی ہورہی ہو کہ امام محراب میں یا اس کے محاذات (سامنے) میں کہیں کھڑا ہو جس طرح پہلی جماعت کا امام کھڑا ہوا تھا تو یہ دونوں صورتیں مکروہِ تحریمی ہیں اور اس طور پر مسجد میں دوسری جماعت کرنا جائز نہیں۔

۵ ...... اگر دوسری جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو یعنی محراب اور اس کے محاذاۃ (قریب یا سامنے) سے ہٹ کر امام کہیں اور کھڑا ہو تو بھی اہل محلّہ کے لیے مسجد میں دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے انفرادی نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے آج کل عموماً مارکیٹ و بازار وغیرہ کی مساجد میں یہ رواج عام ہو چکا ہے کہ پہلی جماعت ہو جانے کے بعد آنے والے لوگ اپنی اپنی جماعتیں کراتے ہیں اور کئی جماعت کی نمازیں ہوتی ہیں یہ طریقہ صحیح نہیں کہ یہ سستی اور نماز باجماعت کے عدم اہتمام کی نشانی ہے کہ عموماً لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ پہلی جماعت نکل گئی تو کیا ہوا اپنی دوسری جماعت کروالیں گے اس سے پہلی جماعت کا اہتمام دل سے نکل جاتا ہے لہٰذا اہتمام کے ساتھ مسجد کی جماعت میں شریک ہوں اگر کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی اور امام کے ساتھ جماعت میں نہ مل سکیں تو بعد میں آنے والے باجماعت نماز نہ پڑھیں بلکہ ہر ایک اپنی انفرادی نماز پڑھ لے۔

۶ ...... اگر چند مسافر حضرات سفر کرتے ہوئے تاخیر سے مسجد میں پہنچے کہ باجماعت نماز ادا ہو چکی تھی تو ان کو چاہیے کہ مسجد سے متصل کوئی کمرہ یا کوئی ایسی جگہ جو مسجد سے باہر ہو اس کو تلاش کر کے وہاں باجماعت نماز ادا کرلیں اور اگر مسجد کے علاوہ کوئی ایسی جگہ میسر نہ آئے تو بہتر ہے کہ ہر ایک انفرادی نماز ادا کرلے اور اگر مسجد میں ہی پہلی جماعت کی ہیئت کے خلاف دوسری جگہ پر باجماعت نماز ادا کرلی تو چونکہ وہ اس محلّہ کے نہیں مسافر ہیں اس لیے اس کی بھی گنجائش ہے۔[1]

---

[1] شامی میں ہے: ویکرہ تکرار الجماعۃبأذان واقامۃ فی مسجد محلۃ الا اذا صلی بھما فیہ أولاً غیر اھلہ او واھلہ لکن بمخافتۃ الاذان. ولو کرر اھلہ بدونھما أو کان مسجد

=

مسجد کو گزرگاہ بنانا

❶ ...... مسجد کے کسی حصہ کو مستقل طور پر گزرگاہ بنالینا جائز نہیں کیونکہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن گئی وہ تاقیامت مسجد رہے گی وہ کبھی بھی مسجدیت سے نہیں نکل سکتی اور مسجد کے کسی حصے کو مستقل راستہ بنانا یہ اس کی مسجدیت کو ختم کرنا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

❷ ...... بعض بڑی مساجد ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے دونوں طرف دروازے کھلے ہوتے ہیں ایسی صورت میں بھی مسجد کو گزرگاہ بنانا جائز نہیں کہ آدمی ایک دروازے سے داخل ہوکر دوسرے دروازے سے نکل جائے اور واضح رہے کہ صرف جماعت خانہ یا مسجد کا اندرونی ہال ہی مسجد نہیں بلکہ صحن و برآمدہ بھی مسجد ہے لہٰذا مسجد کے صحن و برآمدہ میں سے بھی گزرنا جائز نہیں۔[1]

اگر کسی کی مسجد کی درمیان سے گزرنے کی مجبوری ہو کہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو ایسی صورت میں پہلے مسجد میں داخل ہوکر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے پھر گزرے تاکہ مسجد کا حق ادا ہو جائے۔

❸ ...... مسجد کی جگہ وسیع ہونے کی صورت میں کچھ جگہ کو راستہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا تو اگر وہ راستہ کی جگہ نماز پڑھنے کی جگہ سے دور ہو اور اس جگہ کو راستہ کے طور پر استعمال کرنے سے مسجد کی عظمت و حرمت پامال نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں اسے عام راستہ بنانا اور اس میں سے لوگوں کا گزرنا جائز ہے لیکن کسی جگہ کو شرعی مسجد کا حصہ قرار دیکر بعد میں اسے راستہ کے لیے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔[2]

طریق جاز اجماعاً. (شامی:۱/۵۵۲،۵۵۳)

وروی عن انس رضی اللّٰہ عنہ ان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کانو اذا فاتتہم الجماعۃ فی المسجد صلوٰ فی المسجد فرادی. (شامی:۱/۳۹۵)

[1] شامی میں ہے: لا یجوز ان یتخذ المسجد طریقاً. (۱/۶۵۶)

[2] شامی میں ہے: کعکسہ وھو ما اذا جعل فی المسجد ممرًا لتعارف اھل الامصار فی الجوامع و جاز لکل احد ان یمر فیہ حتی الکافر الا الجنب والحائض. (۴/۳۷۸)

مسجد میں بلند آواز سے ذکر وتلاوت کرنا

مسجد کا پہلا مقصد نماز کی ادائیگی ہے لہٰذا مسجد میں ایسے طریقہ سے ذکر وتلاوت کرنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو یہ مکروہ ہے اگر نمازیوں کی نماز میں خلل واقع نہ ہو یا اس وقت کوئی نمازی مسجد میں نہ ہو تو بلند آواز سے ذکر وتلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[1]

مسجد میں تعلیم کرنا

چونکہ تعلیم وتعلّم (سیکھنا سکھانا) اعمال کے فضائل ومسائل سیکھنا بھی مسجد کے اعمال میں سے ہے اور اس سے لوگوں کو واقف کرنا بھی ضروری ہے لہٰذا ایسی جگہ پر اور ایسی صورت میں تعلیم کی جائے کہ نمازیوں کو حرج نہ ہو کہ نماز پڑھنے کی جگہ چھوڑ کر برآمدہ یا مسجد کے صحن میں تعلیم کی جگہ مقرر کر لی جائے اگر ایسی جگہ نہ ہو تو مسجد کے کسی گوشہ میں (کنارے میں) اس طرح تعلیم کروائی جائے کہ آواز ضرورت کے بقدر رہے تاکہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔ (از فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۱۶۴)

مسجد میں داخل ہو کر سلام کرنا

جو لوگ مسجد میں عبادت تلاوت ذکر وغیرہ میں مشغول ہوں ان کو سلام کرنا صحیح نہیں اور اگر کچھ لوگ مسجد میں فارغ بیٹھے ہوں تو ان کو اتنی آواز میں سلام کیا جاسکتا ہے کہ جو عبادت میں مشغول ہوں ان کی عبادت میں خلل نہ آئے لہٰذا مسجد میں داخل ہو کر زور سے سلام کرنا صحیح نہیں۔[2]

عالمگیری میں ہے: ان ارادوا ان یجعلو اشیئاً من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذالك وانه صحیح: (۲/۴۵۷)

[1] شامی میں ہے: ویحرم رفع صوت بذکر اجمع العلماء خلفاً وسلفاً علٰی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا أن یشوش جهرهم علٰی نائم او مصل اوقاری. (۱/۶۶۰)

[2] عالمگیری میں ہے: السلام تحیة الزائرین والذین جلسو فی المسجد للقراء ة أو للتسبیح

اور اگر کوئی مسجد میں داخل ہو کر زور سے سلام کرتا ہے تو عبادت کرنے والوں کے ذمہ سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

بغیر عذر کے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے خواہ میت اور نمازی دونوں مسجد میں ہوں یا میت اور کچھ نمازی مسجد سے باہر ہوں باقی نمازی مسجد کے اندر ہوں بہر صورت مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔[1]

حضور علیہ السلام کے مبارک زمانہ میں جنازہ کے لیے مسجد سے باہر ایک جگہ تھی جس کو سب جانتے تھے۔[2]

سلفِ صالحین کی عادت نمازِ جنازہ کے لیے الگ جگہ بنانے کی تھی۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو جب نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی موت کی خبر ملی تو آپ علیہ السلام نکلے اور جنازہ گاہ میں جا کر ان پر نماز پڑھی اگر نمازِ جنازہ مسجد میں صحیح ہوتی تو آپ کو نکلنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ میت بھی مسجد سے باہر تھی لہٰذا مسجد میں نمازِ جنازہ مطلقاً مکروہ ہے ہاں اگر بارش وغیرہ کا کوئی عذر ہو تو مسجد میں نمازِ جنازہ مجبوری کی وجہ سے پڑھی جاسکتی ہے۔

اولا نتظار الصلاة ماجلسو افيه لدخول الزائرين عليهم فليس هذا أو ان السلام فلا يسلم عليهم ولهذا قالوا لو سلم عليهم و سعهم ان لا يجيبوه. (عالمگیری: ۵/۳۲۵)

[1] شامی میں ہے: كرهت تحريماً وقيل تنزيهاً في مسجد جماعة هو اى الميت فيه وحده او مع القوم اختلف في الخارجة عن المسجد وحده او مع بعض القوم والمختار الكراهة مطلقاً بناء علىٰ ان المسجد انما بنى للمكتوبة وتوابعها..... ويؤيده ماذكره العلامه القاسم في رسالته من انه روى ان النبي صلى الله عليه وسلم لمانعى النجاشى الىٰ اصحابه خرج فصلى عليه في المصلى قال ولو جازت في المسجد لم يكن للخروج معنى مع ان الميت لكان خارج المسجد. (۱/۲۲۵،۲۲۶)

[2] مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے: كان للجنازة موضع معروف خارج المسجد. (مرقاۃ: ۲/۳۵۷)

مسجد میں جگہ مخصوص کرنا یا کپڑا بچھا کر قبضہ کرنا

مسجد میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں لہٰذا مسجد میں پہلے پہنچ کر جو شخص جس جگہ بیٹھ جائے وہی اس کا حقدار ہے کوئی دوسرا اس کو اٹھا نہیں سکتا اور نہ ہی مسجد میں اپنے لیے کوئی جگہ مخصوص متعین کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح جو شخص پہلے سے آ کر مسجد میں نہ بیٹھا ہو اور اپنا کپڑا مسجد میں کسی جگہ قبضہ کرنے کی غرض سے رکھ دے تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے اور اس سے اس کا حق بھی قائم نہیں ہوتا ہاں اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھ کر کسی جگہ عبادت کر رہا ہے پھر کسی ضرورت سے وضو وغیرہ کرنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے جانا چاہے اور رومال وغیرہ رکھ کر جگہ روک لے تو یہ جائز ہے لیکن کسی جگہ کچھ وقت ٹھہرے بغیر مثلاً مسجد میں داخل ہوتے ہی کسی جگہ کو روکنے کے لیے رومال رکھ دیا اور وضو وغیرہ کرنے چلے گئے تو ایسی صورت میں صرف رومال رکھنے سے اس جگہ کا مستحق نہیں بنتا۔

مسجد میں بلند آواز سے بات کرنا

مسجد میں بلند آواز سے بات کرنا مکروہ ہے مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو مسجد میں بلند آواز سے بات کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ معلوم بھی ہے کہ کہاں کھڑے ہو۔

لہٰذا مسجد کے احترام و آداب کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے بات نہ کی جائے۔

چھوٹے بچوں کو مسجد میں داخل کرنے کا حکم

اتنے چھوٹے بچے جن سے مسجد کے گندا ہونے کا خطرہ ہو ان کو مسجد میں لے جانا مکروہ ہے اور اگر مسجد کے خراب ہو جانے کا غالب گمان ہو تو لے جانا حرام ہے۔[1]

---

[1] شامی میں ہے: ویحرم ادخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسهم والا فیکره. (۱/۶۵۶)

اور اگر بچے باشعور ہوں اور سرپرست کے ساتھ مسجد کے آداب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوں تو ان کو مسجد لے جانا مکروہ نہیں۔

کنیسہ وگرجہ کو مسجد میں تبدیل کیا جاسکتا ہے

جو جگہ پہلے گرجہ ہو یا غیر مسلموں کی کوئی بھی عبادت گاہ ہو اس کو مسجد میں تبدیل کیا جاسکتا ہے چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان ابن ابی العاص کو حکم دیا کہ اہلِ طائف کے بت کدہ کو مسجد بنادیں۔ (ابوداؤد:۱۷)

مسجد کو کسی نام سے موسوم کرنا

حقیقت میں ساری مساجد اللہ تعالیٰ کی ہیں لیکن پہچان کی غرض سے مسجد کا کوئی نام رکھنا یا مسجد کو کسی نام کی طرف منسوب کرنا جائز ہے پرانے زمانہ سے مساجد مختلف ناموں سے موسوم چلی آرہی ہیں مگر سلف سے اس پر کوئی نکیر منقول نہیں ہے اس لیے مسجد کو کسی نام سے موسوم کرنا جائز ہے۔

کون سی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے

جو مسجد اپنے گھر سے سب سے زیادہ قریب ہو اس میں نماز پڑھنا سب سے افضل ہے۔

اگر دو مسجدیں ہیں دونوں کا فاصلہ برابر ہے تو جس میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہو اور پرانی مسجد ہو اس میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے اگر کوئی شخص اپنے محلّہ کی مسجد کو چھوڑ کر استاد کی مسجد جاتا ہے استاد کا درس سننے کے لیے تو جائز ہے۔ (شامی:۱/۶۵۹)

جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھنا افضل ہے

جمعہ کی نماز اپنے محلّہ کی مسجد کو چھوڑ کر جامع مسجد میں پڑھنا جس میں مجمع زیادہ ہو یہ افضل ہے۔ (از فتاویٰ رحیمیہ:۶/۱۰۴)

نمازی کے آگے سے گذرنے کا حکم

نمازی کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"لو يعلم المار بين يدى المصلى ماذا عليه لكان ان يقف اربعين خيرا له من أن يمر بين يديه." (بخاری شریف:۱/۷۲)

کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو اس کے گناہ کا پتہ چل جائے تو وہ چالیس (سال یا دن یا مہینہ) کھڑے رہنے کو گزرنے سے بہتر سمجھے۔

نمازی کے سامنے سے کتنے فاصلہ سے گزرنا جائز ہے

اگر نمازی کے سامنے سترہ یا کوئی ستون حائل ہو تو اس سترہ یا ستون وغیرہ کے پیچھے سے گذرا جاسکتا ہے اور اگر کوئی سترہ وغیرہ نمازی کے سامنے نہیں ہے اور وہ اتنی چھوٹی مسجد یا کمرہ یا صحن میں نماز پڑھ رہا ہے کہ اس کا کل رقبہ ۱۶۰۰ ہاتھ یعنی ۳۳۴،۴۵۱ مربع میٹر سے کم ہے تو نمازی کے سامنے سے گزرنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ قریب سے گزرے یا دور سے بہر حال گناہ ہے البتہ اگر کھلی فضا میں یا مذکورہ مقدار سے بڑی مسجد یا بڑے کمرے یا بڑے صحن میں نماز پڑھ رہا ہے تو نمازی کے سجدہ کی جگہ پر نظر جمانے سے آگے جہاں تک بالتبع نظر پہنچتی ہے یعنی جس صف میں کھڑا ہے تقریباً اس سے آگے مزید ایک صف چھوڑ کر گزرنا جائز ہے۔[۱]

اور ایک صحیح قول کے مطابق بڑی مسجد میں صرف سجدہ کی جگہ چھوڑ کر اس کے آگے سے گزرنا بھی جائز ہے۔

اس بات کا اہتمام ہو کہ گزرنے والے کو پریشانی نہ ہو

مسجد میں سنت و نوافل پڑھنے والے کو بھی اس بات کا خیال و اہتمام رکھنا چاہیے

---

[۱] شامی میں ہے: ومرور مار فى الصحراء او فى مسجد كبير بموضع سجوده فى الأصح او مروره بين بديه الى حائط القبلة فى بيت و مسجد صغير. (۱/۶۳۴)

کہ ایسی جگہ نماز ادا نہ کرے جو گزرگاہ ہو کہ گزرنے والوں کو وہاں نماز ادا کرنے سے پریشانی و تکلیف کا سامنا ہو آگے کی صفوں میں راستہ سے ہٹ کر یا کسی ستون کی اوٹ میں نماز ادا کرے اگر بالکل عین گزرگاہ یا دروازہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا تو گناہ گار ہوگا۔

نمازی و گزرنے والے کی چار صورتیں

فقہاء نے اس کی چار صورتیں بنائی ہیں:

❶ ...... گزرنے والے کا رکنا ممکن ہو جانا ضروری نہ ہو اور نماز پڑھنے والا بھی کسی گزرگاہ وغیرہ میں نماز نہیں پڑھ رہا ہے تو اس صورت میں گزرنے والا گناہ گار ہوگا نہ کہ نماز پڑھنے والا۔

❷ ...... گزرنے والے کا گزرے بغیر چارہ نہیں وہ رک نہیں سکتا اور نماز پڑھنے والا گزرگاہ پر ہی نماز پڑھ رہا ہے اس صورت میں نمازی گناہ گار ہوگا گزرنے والا نہیں۔

❸ ...... گزرنے والا رک سکتا ہے اس کا جانا کوئی ضروری نہیں اور نماز پڑھنے والا بھی گزرگاہ میں نماز پڑھ رہا ہے تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔

❹ ...... گزرنے والے کا گزرے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اس کا جانا ضروری ہو اور نمازی بھی گزرگاہ میں نماز نہیں پڑھ رہا ہے تو کوئی بھی گناہ گار نہ ہوگا۔ (شامی: ۱/۶۳۵)

باب سوم

تولیت وانتظام

کسی جگہ کے مسجد بننے کی دوصورتیں ہیں:

① ......کوئی شخص اپنی زمین وجائیداد کو مسجد کے لیے وقف کردے۔

② ......اہلِ محلّہ آپس میں رقم جمع کر کے مسجد کے لیے کوئی زمین خرید کر یا علاقہ کی انتظامیہ یا گورنمنٹ مسجد کے لیے کوئی زمین وقف کردے۔

پہلی صورت میں متولی کے انتخاب کا حق واقف کو ہے اگر وہ خود متولی بننا چاہے تو اس کو اختیار ہے کوئی دوسرا شخص اس کی مزاحمت نہیں کرسکتا اور اگر وہ اپنے بعد اپنی اولاد اور خاندان کے لیے وصیت کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہے یا جس شخص کو وہ اپنے بعد تولیت کے لیے مقرر کرے وہ شخص متولی ہوگا۔

دوسری صورت میں اہلِ محلّہ کے آپس کے مشورہ سے جس میں متولی کے اوصاف پائے جاتے ہیں اس کو متولی بنایا جائے۔

متولی کی تعریف

متولی وہ شخص ہے جو وقف شدہ چیز و مال کی نگرانی اور بہتر انتظام کے لیے واقف یا قاضی یا مسلمانوں کی جماعت کی طرف سے مقرر کیا جائے تاکہ وقف شدہ چیز کا انتظام و انصرام بخوبی چلتا رہے۔

متولی کے اوصاف

سب سے پہلے واضح رہے کہ مسجد خدا کا گھر ہے اس کا مالک صرف اللہ رب

العزت کی ذاتِ عالی ہے یہ کسی بھی شخص کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں کہ کوئی شخص اس پر مالکانہ قبضہ جمالے کہ واقف کے وقف کرنے کے بعد وہ جگہ واقف کی ملکیت سے بھی نکل جاتی ہے۔

اور اللہ کے گھر کی حفاظت کرنا اس کی نگرانی کرنا اس کے انتظامات کی فکر کرنا اس کی صفائی وخدمت کی فکر کرنا یہ بہت بڑا خیر کا کام اور اجر وثواب کا ذریعہ ہے اس لیے یہ کام سعادت سمجھ کر اور اپنے آپ کو اس کا محتاج سمجھ کر انجام دینا چاہیے کسی بھی قسم کی بڑائی وتکبر دل میں نہ آنے پائے بلکہ آدمی ہر وقت ڈرتا رہے کہ میرے کسی عمل سے ناراض ہو کر اللہ اس عظیم نعمت سے محروم نہ کر دے کہ یہ شکر وخوف کا مقام ہے لہٰذا جس شخص کو بھی متولی بنایا جائے وہ مسجد کے احکام وآداب سے واقف ہو نماز روزے کا پابند متقی پرہیز گار ہو متبع سنت صحیح العقیدہ ہو اور اس کو وہ اپنے لیے عہدہ ومنصب نہ سمجھے بلکہ اپنے آپ کو مسجد کا خادم شمار کرتے ہوئے اس کو اپنی سعادت سمجھے اور اس خدمت پر اللہ رب العزت سے ثواب کی امید رکھے لوگوں سے شاباش وتعریف کا چاہنے والا نہ ہو۔

نااہل کو مسجد کا متولی یا کمیٹی کا ممبر مقرر نہ کیا جائے

حدیث پاک میں آتا ہے۔

"اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ."

(بخاری، مشکوۃ: ۴۲۹)

کہ جب اہم امور نااہل کے سپرد کر دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

امام ابن تیمیہ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ کے فتاویٰ میں ہے کہ جب نیک آدمی کے ملنے کا امکان ہو تو فاسق کو متولی بنانا جائز نہیں [1]

حضرت گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ نااہل کو کام پر مقرر کرنا خیانت ہے۔

[1] لا یجوز تولیۃ الفاسق مع امکان تولیۃ البر فتاویٰ ابن تیمیہ۔ (۱۵۰/۲)

آج کل ہمارے ہاں ایک ذہن بن گیا ہے کہ مسجد کمیٹی کا صدر اور ممبر ایسے افراد کو منتخب کیا جائے جو کہ مالدار ہوں تا کہ مسجد کی ضروریات پوری ہوتی رہیں یہ انتہائی منفی سوچ اور اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی سے بے اعتمادی کی ایک دلیل ہے مسجد اللہ رب العزت کا گھر ہے اور اللہ رب العزت خود ہی اس کی تمام ضروریات کے کفیل ہیں بشرطیکہ بندہ اللہ رب العزت پر کامل یقین رکھے اور ہر مسئلہ میں اللہ کی طرف رجوع کرے لیکن جب انسانوں کے ذہن چند مالدار افراد پر مرکوز (جم گئے) ہو گئے اور عام مسلمانوں کے دلوں سے مسجد کے لیے خرچ کرنے کا جذبہ نکل گیا تو اللہ کی جانب سے بندوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے جیسا بندوں کا گمان ہوتا ہے اس لیے اللہ نے بھی ہمیں ان مالداروں کا محتاج بنا دیا اور اس منفی ذہنیت کے نتیجہ میں مالداروں کو صرف ان کی مال کی بناء پر جب متولی و کمیٹی کا ممبر بنایا جاتا ہے تو چونکہ وہ مسجد کے احکام و مسائل و آداب سے ناواقف ہوتے ہیں اس لیے اس موقع پر کئی قسم کی دشواریاں و مشکل پیش آتیں ہیں مسجد کے انتظامات بہتر طریقہ سے پورے نہیں ہوتے تولیت و انتظام کا مقصد فوت ہو جاتا ہے لہٰذا اس کام کے اہل و لائق و مناسب و امانتدار خدا ترس انسان کو مسجد کا متولی بنایا جائے اور اس میں سب سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ مسجد کا متولی عالم باعمل ہو تا کہ اللہ کے گھر کا انتظام صحیح چل سکے۔

چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَلَمْ يَخْشَ﴾

(التوبہ:۱۸)

ترجمہ: ”کہ اللہ کی مسجدوں کو صرف وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈریں۔“

مذکورۃ آیت کی تفسیر میں مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ خدائے پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ فاسق فاجر آدمی مسجد کا متولی نہیں بن سکتا کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ دو متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ (ترجمان القرآن۔ از فتاوی رحیمیہ)

اسی طرح مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مساجد کی تولیت وانتظامی امور کی ذمہ داریاں صرف نیک صالح مسلمان ہی کا کام ہے۔

متولی مقرر کرنے کا اختیار کس کو ہے

❶ ......اگر مسجد کا بانی و واقف معلوم ہو اور موجود ہو تو سب سے پہلے متولی بننے کا حقدار وہ خود ہے۔

❷ ......اگر کسی اور کو متولی بنانا ہے تو اس کا اختیار اولاً واقف اور بانی کو ہے کہ وہ جس کو مناسب سمجھیں اور شرعاً وہ مناسب بھی ہو اس کو متولی بنا دیں۔

❸ ......اگر یہ صورت بھی نہ ہو تو متولی مقرر کرنے کا اختیار قاضی کے پاس ہے وہ جسے مناسب سمجھے متولی مقرر کر دے۔

❹ ......جس جگہ حاکم اسلام و قاضی نہ ہو تو اہلِ مسجد و اہلِ محلّہ قاضی کے قائم مقام ہیں وہ باہمی مشورہ سے مناسب و لائق آدمی کو متولی مقرر کر دیں۔

لیکن اس تقرری میں اختلاف کرنا مناسب نہیں اگر اس میں کسی وجہ سے اختلاف ہو تو جو اس کام کے زیادہ لائق و مناسب ہو اور جس کے اندر تولیت کے اوصاف زیادہ پائے جائیں وہ از خود متولی بننے کا زیادہ حقدار ہے البتہ اس میں اتنا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ دنیاوی عہدہ و منصب نہیں ہے کہ اس کے حاصل کرنے میں لڑائی جھگڑا کیا جائے بلکہ یہ ایک اعزاز و ثواب کا کام ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑی ذمہ داری بھی

ہے لہٰذا اس میں کسی قسم کا جھگڑا یا اس کی طلب وخواہش کرنا مناسب نہیں۔[۱]

مسجد کمیٹی کی حیثیت

آج کل مسجد کے انتظامات سنبھالنے کے لیے آٹھ دس آدمیوں پر مشتمل کمیٹی بنانے کا رواج ہو گیا ہے اور اس میں صدر۔ سیکٹری۔ خزانچی وغیرہ کے عہدے مقرر کیے جاتے ہیں بظاہر تو یہ ایک اچھا طریقہ ہے کہ ایک آدمی اپنی ذاتی مصروفیات ومشاغل کے ساتھ مسجد کے تمام کام کی ذمہ داری بخوبی نبھا نہیں سکتا اس لیے مسجد کے انتظامات کو چلانے کے لیے اہلِ محلّہ میں سے چند افراد کو منتخب کر لیا جائے تو یہ اچھا طریقہ ہے لیکن اس میں چند امور کا خیال ولحاظ رکھنا ضروری ہے۔

❶ ...... کمیٹی کے ممبران کا انتخاب بانی وواقف خود کرے اور اگر بانی واقف نہ ہو تو اہلِ محلّہ کے معتبر دیندار ذی رائے وشرفا حضرات کمیٹی کے ممبران کا انتخاب کریں اور ممبران کے انتخاب میں بنیاد دینداری وتقویٰ وپرہیزگاری ہو کسی فاسق فاجر جاہل شخص کو ممبر نہ بنایا جائے۔

❷ ...... اگر باہمی انتظام چلانے کے لیے عہدہ کا تقرر ہو جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں لیکن اس عہدہ کو دنیاوی عہدہ کی طرح اور اللہ کے گھر کی کمیٹی کو عام دنیاوی تنظیموں کی کمیٹیوں کی طرح نہ سمجھا جائے کہ صدر صاحب اپنے کو سیاہ وسفید کا مالک سمجھیں وغیرہ وغیرہ ایسا ہرگز نہ ہو بلکہ ہر ایک کے اندر خدا ترسی کے جذبہ کے ساتھ خانۂ خدا کی خدمت کا مکمل جذبہ ہو اور جس کا جتنا بڑا عہدہ ہے وہ تواضع کے ساتھ سب سے زیادہ اپنے آپ کو مسجد کا خادم سمجھے۔

❸ ...... تمام کمیٹی کے ممبران مسجد کے امام، مؤذن، خادم اور مسجد کے نمازیوں سے خوش

---

[۱] عالمگیری میں ہے: رجل بنى مسجداً وجعله لِلّٰهِ تعالٰى فهو احق الناس بمرمته و عمارته و بسط البوارى و الحصر والقناديل والا ذان والاقامة ان كان اهلاً لذلك فان لم يكن فالرأى فى ذلك اليه. (۱/۱۱۰)

اخلاق سے پیش آئیں بد اخلاقی بدکلامی کسی مسلمان کے ساتھ جائز نہیں۔

❹ ...... کمیٹی مسجد کی خدمت کے لیے بنائی جاتی ہے یہ نہ ہو کہ مہینہ میں ایک مرتبہ صرف مشورہ واجلاس کے لیے ممبران جمع ہو جائیں پھر باقی مہینہ ممبران غائب۔

❺ ...... کمیٹی کے اراکین باہمی مشورہ سے مسجد کے امور کو انجام دیں اور دیگر اہلِ محلّہ و نمازی حضرات کی رائے کو بھی ملحوظِ خاطر رکھیں۔

❻ ...... اگر کمیٹی کے کسی ممبر کی نااہلی ثابت ہو جائے یا وہ مسجد کے انتظامی امور کو سنبھالنے سے عاجز ہو یا اپنی مصروفیات کے باعث مسجد کو کچھ بھی وقت نہ دے سکتا ہو تو ایسے شخص کو کمیٹی سے معزول کر دینا چاہیے۔

❼ ...... کمیٹی کا ممبر کسی ایسے شخص کو نہ بنایا جائے جو نماز ہی نہ پڑھتا ہو یا اس کے متعلق گناہِ کبیرہ میں مرتکب ہونا علانیۃً معلوم ہو۔

مساجد کی رجسٹریشن

مسجد جو کہ اللہ کے لیے وقف ہو چکی اس کو اندورنی و بیرونی سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اور وقف کی حفاظت کے لیے مسجد کو ٹرسٹ اور رجسٹر کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ایک تحفظ کا ذریعہ ہے لیکن جن افراد کے نام ٹرسٹ میں یا رجسٹریشن میں لکھے جاتے ہیں وہ اس سے اس جگہ کے مالک نہیں بن جاتے بلکہ ان کو صرف صحیح طور پر انتظامات چلانے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اگر کسی موقعہ پر ان کی نااہلی یا عدم توجہی ظاہر ہو جائے تو ان کو معزول کر کے ان کی جگہ دوسرے مناسب واہل افراد کو مقرر کیا جا سکتا ہے۔

مسجد کمیٹی کے فرائض و ذمہ داریاں

جیسا کہ گزرا کہ تولیت یا مسجد کمیٹی کا ممبر ہونا کوئی عہدہ و جاگیر نہیں کہ مسجد کی کمیٹی مسجد کے معاملات میں تصرف کرنے میں آزاد ہو بلکہ یہ ایک ذمہ داری و خدمت کا کام

ہے اور اس کے اختیارات کی شریعت نے تعیین کر دی ہے اور اس کے فرائض بیان کر دیئے ہیں جن کی پابندی متولی و کمیٹی کی ذمہ داری ہے اور چونکہ مسجد اور اس کی آمدنی وقف ہوتی ہے اور وقف کے بڑے نازک مسائل و احکام ہوتے ہیں لہٰذا سب سے پہلے متولی و مسجد کمیٹی کو وقف کے احکام و مسائل سے واقف ہونا چاہیے ورنہ وقف کے احکام کے خلاف فیصلے ہوں گے اس لیے کمیٹی کے اراکین کا اس معاملہ میں مستند علمائے کرام و مفتیانِ عظام سے دریافت کرنا اور پوچھنا بے حد ضروری ہے تاکہ صحیح رہنمائی ہو سکے۔

مسجد کا امام و مؤذن متعین کرنے اور صفائی وغیرہ کے لیے خادم رکھنے کی ذمہ داری متولی و مسجد کمیٹی کی ہے مگر ہر کام کے لیے ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو اس کے لائق و مناسب ہو اگر مسجد کمیٹی کسی ایسے شخص کو امام و مؤذن مقرر کرتی ہے جو اس کے مناسب و لائق نہیں تو اہلِ محلّہ کو اسے معزول کر کے امامت و اذان کے لائق شخص کو مقرر کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

مسجد کے عملہ کو مناسب مشاہرۃ (ماہانہ وظیفہ) دینے کی ذمہ داری کمیٹی کی ہے کہ امام و مؤذن و خادم کو ان کی حاجت کے مطابق ان کی قابلیت و تقویٰ کو ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب مشاہرہ دیا جائے کہ آج کے اس مہنگائی کے دور میں وہ اپنی ضرورت بآسانی پوری کر سکیں باوجود گنجائش کے کم دینا نامناسب بات ہے اور ایسی صورت میں وہ جواب دہ ہوں گے۔ (از فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴۴/۴)

اور اگر عام دستور و ضرورت سے بہت زیادہ مشاہرۃ مسجد کے مال میں سے دیا تو متولی و کمیٹی ضامن ہوگی البتہ متولی اپنے پاس سے زیادہ دے سکتا ہے اسی طرح اگر مسجد کے فنڈ میں گنجائش کے باوجود ان کو عام دستور و ضروت سے کم دیا تو بھی کمیٹی گناہ گار ہوگی۔[1]

---

[1] عالمگیری میں ہے: وللمتولی ان یستاجر من یخدم المسجد یکنسه و نحو ذلك بأجر مثله او زیادہ یتغابن فیها. (۴۶۱/۲)

مسجد کی صفائی وستھرائی اور آنے والے نمازیوں کے لیے سہولت کا انتظام بھی متولی وکمیٹی کی ذمہ داری ہے اور اس کے لیے مشاہرہ پر خادم رکھنے کا بھی اختیار ہے۔

مسجد کے لیے جمع ہونے والا روپیہ مسجد کمیٹی کے پاس امانت اور وقف کا پیسہ ہوتا ہے لہٰذا اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا بھی انہی کی ذمہ داری ہے اور چونکہ وقف کے مسائل بڑے نازک ہوتے ہیں ان کو معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کیا جائے

رقم دینے والے نے مسجد کی کسی خاص مصرف کو متعین کر کے اگر رقم دی ہو کہ میری رقم فلاں مصرف میں استعمال کی جائے مثلاً اس سے مسجد کا فرش بنا دیا جائے وغیرہ تو اس رقم کو اسی مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہے اور اگر مصرف کے تعین کے بغیر مطلقاً رقم دی ہے تو مسجد کمیٹی کو اختیار ہے کہ مسجد کے مصارف میں جس جگہ چاہیں استعمال کر لیں۔

مسجد کے لیے جمع ہونے والی رقم اولاً مسجد ومصالح مسجد کی تعمیر پر استعمال ہوگی اور اس سے جو رقم زائد ہو وہ دوسرے مصارف میں استعمال ہوگی۔[1]

مسجد کمیٹی کے لیے مناسب یہ ہے کہ مسجد کی رقم کسی ایسی چیز میں استعمال نہ کریں جس سے صرف خوبصورتی وزینت مقصود ہو کہ فقہاء کی تصریح کے مطابق اس صورت میں خرچ کرنے والے کو ضمان دینا پڑے گا البتہ اگر مقصود مضبوطی ہو اور خوبصورتی ضمن میں آجائے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔[2]

اگر کوئی شخص اپنی رقم صرف اسی مقصد کے لیے دے کہ اس رقم کو فلاں زینت وخوبصورتی میں استعمال کیا جائے تو اس رقم کو اس تعیین شدہ مصرف میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

متولی ومسجد کمیٹی وقف کی آمدنی سے بجلی کا انتظام کر سکتی ہے۔

---

[1] شامی میں ہے: ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو اقرب بعمارته کأمام مسجد ومدرس الی آخر مصالح. (۳۶۶/۴)

[2] فتح القدیر میں ہے: ولا یصرف منه للزینة والشرفات ویضمن ان فعل. (۴۵۰/۵)

مسجد کے لیے مناسب صفیں یا اگر گنجائش ہوتو مناسب قالین خریدا جاسکتا ہے فرش پر اینٹ سیمنٹ مناسب پتھر ٹائل وغیرہ لگائے جاسکتے ہیں۔

صفائی ستھرائی کی خاطر مسجد کا رنگ روغن کروایا جا سکتا ہے البتہ اگر پہلا روغن صحیح ہو خراب نہ ہوا ہو اس کے باوجود ہر سال مسجد کا رنگ کروا دینا (جیسا کہ آجکل بعض مساجد میں رمضان المبارک سے قبل کروانے کا دستور ہے) وقف کی آمدنی سے یہ مناسب نہیں بلکہ اسراف ہے ہاں اگر ضرورت ہوتو کوئی حرج نہیں۔

مسجد کے لیے وقف شدہ اشیاء کی حفاظت کی ذمہ داری بھی متولی و مسجد کمیٹی کی ہے کہ کوئی چیز ضائع نہ ہو جائے کہ وہ مسلمانوں کا مشترکہ مال ہے جو ان کے پاس بطور امانت ہے لہٰذا تمام اشیاء کی حفاظت کا انتہائی درجہ اہتمام کے ساتھ ضروری ہے کہ بجلی پانی وغیرہ بلاضرورت استعمال نہ ہوں۔

مسجد کی رقم متولی وخزانچی و مسجد کمیٹی کے پاس امانت ہے اس کو اپنی ذاتی ضرورت میں خرچ نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کو مسجد کے اوپر ہی لگانا ضروری ہے۔

مسجد کمیٹی امام و مؤذن کو بغیر کسی دینی و شرعی عذر و مجبوری کے معزول نہیں کر سکتی جبکہ اہل محلّہ کے اکثر دیندار حضرات بھی امام مؤذن کے حق میں ہوں البتہ اگر کوئی شرعی مجبوری و عذر ہو تو مکمل صورتحال لکھ کر مستند دارالافتاء سے اس کے متعلق فتویٰ لے کر اس پر عمل کیا جائے اور اس فتویٰ کے مطابق اہل محلّہ بھی کمیٹی کے ساتھ تعاون کریں۔

کسی کے ذمہ مسجد کے حقوق رقم وغیرہ ہوں تو متولی و مسجد کمیٹی کو اسے معاف کرنے کا حق حاصل نہیں۔

اس طرح مسجد کمیٹی کی ذمہ داری صرف اتنی ہی نہیں کہ وہ مسجد کے ظاہری معاملات بجلی پانی صفائی وغیرہ کی فکر کریں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آنے والے نمازیوں کی دینی اعتبار سے فکر کرنا اور اپنی مسجد کا ماحول مسجد نبوی جیسا بنانا مسجد میں حضور ﷺ کی مسجد والے اعمال زندہ کرنا اور اس سلسلہ میں علمائے عظام و دیندار حضرات

سے تعاون کر کے مسجد میں علم وعمل واصلاح کی فضا قائم کرنا یہ بھی مسجد کمیٹی کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔

مسجد کی آمدنی کی کوئی حد نہیں

مسجد کو وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی رہتی ہے کبھی مرمت کی ضرورت ہوتی ہے کبھی تجدیدِ مسجد کی نوبت آجاتی ہے اس لیے جس قدر زیادہ آمدنی ہو بہتر ہے تاکہ مسجد کی ہر ضرورت بآسانی پوری ہو سکے اور امام مؤذن وغیرہ کو معقول تنخواہ دی جاسکے۔

مسجد کی آمدنی ضرورت سے زیادہ ہو تو کیا کیا جائے

اگر امام وغیرہ کو معقول تنخواہ دینے کے بعد اور مسجد کے تمام اخراجات کے بعد بھی مسجد کے پاس اس قدر رقم جمع ہے کہ اس رقم کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے نہ بعد میں ضرورت واقع ہونے کا کوئی امکان ہے اور اس کے ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے تو اس صورت میں وہ رقم قریب کی کسی مستحق مسجد کو دی جاسکتی ہے اور اس سے بہتر صورت یہ ہے کہ اس زائد رقم سے مسجد سے متعلقہ دینی مدرسہ قائم کردیا جائے جس سے مسجد کی آبادی میں اضافہ ہو اور رقم ضائع ہونے سے بچ جائے۔ (از رحیمیہ: ۹/۱۷۷)

مسجد کے لیے صرف حلال مال قبول کیا جائے

مسجد اللہ رب العزت کا گھر ہے اس لیے مساجد میں بالکل پاکیزہ وحلال مال استعمال کرنا ضروری ہے حرام ومشتبہ مال مسجد میں استعمال نہ کیا جائے کہ حدیث شریف میں ہے:

''ان اللہ طیب لا یقبل الا طیباً.'' (مشکوۃ)

تَرجَمہ: ''کہ اللہ پاک ہیں اور پاک مال ہی قبول فرماتے ہیں۔''

لہٰذا متولیان ومسجد کمیٹی کی ذمہ داری ہے کہ صرف حلال وپاکیزہ مال ہی مسجد کے

لیے قبول کریں اور جس کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کی کمائی حرام ہے اور یہ حرام آمدنی میں سے مسجد کے لیے دے رہا ہے ایسی رقم ہرگز قبول نہ کی جائے اور اگر رقم لینے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ رقم حرام کی تھی اتنی رقم اسے واپس کرنا ضروری ہے تا کہ بقیہ رقم حلال ہو جائے۔

جو سامان ضرورت سے زائد ہو

مسجد کا جو سامان ضرورت سے زائد ہو اور وہ وقف کے مشترکہ مال میں سے خریدا گیا ہو تو اگر اس سامان کا تعلق مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہے جیسے اینٹیں گاڈر دروازہ وغیرہ اور بعینہٖ یہ ہی سامان مسجد میں استعمال ہو سکتا ہے تو اس سامان کو نہ بیچا جا سکتا ہے نہ کسی دوسری مسجد میں منتقل کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ سامان اس مسجد میں استعمال نہیں ہو سکتا اور وہ مسجد آباد بھی ہے تو منتظمین اس سامان کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد پر خرچ کر سکتے ہیں اور اگر ایسا سامان ہے جو مسجد کی تعمیر میں داخل نہیں مثلاً قالین دریاں چٹائیاں لاؤڈ اسپیکر کی مشین وغیرہ اور اب اس سامان کی ضرورت نہیں اور اس سامان کا دینے یا اس کے لیے رقم دینے والا کوئی خاص شخص ہو جو کہ معلوم ہو تو ضرورت کے نہ ہونے کے وقت یہ سامان اس دینے والے کی ملکیت میں واپس لوٹ جاتا ہے اس کی اجازت سے اس سامان کو بیچا جا سکتا ہے اگر دینے والا زندہ نہ ہو تو اس کا وارث اس چیز کا مالک ہوگا اور اگر وارث بھی نہ ہو یا مالک معین معلوم نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے یا تمام اہل محلّہ و نمازیوں کی اجازت سے اس کو بیچنا جائز ہوگا۔

اور اگر یہ سامان وقف شدہ مال سے خریدا گیا ہو تو منتظمین و مسجد کمیٹی ایسے سامان کو فروخت کر کے اس کی رقم مسجد کے لیے استعمال کر سکتی ہے۔[1]

---

[1] عالمگیری میں ہے: حصير المسجد اذا صار خلقا واستغنى اهل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان كان الطارح حيا فهو له وان كان ميتا ولم يدع وارثاً ارجو ان لا بأس ان يدفع اهل المسجد الى فقيرا وينفعوا به فى شراء حصير آخر للمسجد و المختار انه لا يجوز
==

مسجد کی رقم مدرسہ پر خرچ کرنا

بعض جگہ پر مسجد کے ساتھ مدرسہ بھی ملحق ہوتا ہے اور دونوں کی کمیٹی ایک ہی ہوتی ہے اسی طرح دونوں کے لیے چندہ بھی اکٹھا ہوتا ہے ایسی صورت میں دینے والے کے سامنے مکمل وضاحت ہو جانی چاہیے آپ کی رقم مسجد و مدرسہ دونوں میں استعمال ہوگی اس وضاحت کے ہو جانے کے بعد یا دینے والے کو معلوم ہو کہ یہاں مسجد و مدرسہ مشترک ہے ایسی صورت میں اس رقم کو مشترک طور پر استعمال کرنا جائز ہے البتہ بہتر و مناسب صورت یہ ہے کہ دونوں کا فنڈ و رسید وڈبہ وغیرہ علیحدہ علیحدہ ہوں اور مسجد کی رقم مسجد میں اور مدرسہ کی رقم مدرسہ میں استعمال ہو اگر کسی نے خاص طور پر مسجد کے لیے رقم دی ہے تو اس رقم کو مدرسہ کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں وقف کی علیحدہ علیحدہ جہات ہیں اور دونوں کے مقاصد علیحدہ علیحدہ ہیں لہٰذا پہلے وضاحت ضروری ہے کہ دینے والا مشترکہ طور پر مطلقاً دے رہا ہے یا کسی مصرف کو متعین کر کے دے رہا ہے اس کے حساب سے اس رقم کا استعمال ضروری ہوگا۔

مسجد میں ذاتی تصرف کرنا حرام ہے

مسجد یا مدرسہ یا کسی بھی نیک کام کے لیے وقف کی گئی زمین یا رقم کو اپنے ذاتی استعمال میں رکھنا یا اس کو اپنی ذاتی جاگیر و ملکیت بنا لینا حرام ہے اور وقف میں ہر نا جائز تصرف جو وقف کے مقاصد کے خلاف ہو یہ خیانت ہے۔

متولی و مسجد کمیٹی امام و مؤذن کو اپنا نوکر نہ سمجھیں

متولی و مسجد کمیٹی اگر دیندار و خدا ترس و باشرع ہوگی تو اہلِ علم و امام و مؤذن وغیرہ کو اپنے سے افضل اور اپنا محسن و خیر خواہ سمجھ کر ان کا اکرام و ادب کریں گے جو کہ بہت

لھم ان یفعلوا ذلك بغیر امر القاضی. (۴۵۸/۲)

ضروری ہے چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''اکرموا حملة القرآن فمن اکرمهم فقد اکرمنی''

حاملین قرآن کی تعظیم کیا کرو جنہوں نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی۔ (الجامع الصغیر للامام السیرطی: ۱/۴۵)

ایک حدیث میں ہے:

''حامل القرآن حامل رأیة الاسلام من اکرمه فقد اکرم اللّٰه ومن اهانه فعلیه لعنة اللّٰه.''

''حاملین قرآن اسلام کے علمبر ہیں جس نے ان کی تعظیم کی اس نے خدا کی تعظیم کی اور جس نے ان کی تذلیل کی اس پر خدا کی لعنت ہے۔''

(الجامع الصغیر للسیوطی: ۱/۱۳۲)

اور اگر صرف مال کی بنیاد پر نااہل یا فاسق و فاجر کو مسجد کا متولی یا کمیٹی کا ممبر بنایا گیا ہوگا تو ایسے لوگ عموماً اہل علم امام مؤذن وغیرہ کو اپنا نوکر سمجھتے ہیں اور سمجھ رہے ہیں جس کے نتیجہ میں لڑائی جھگڑا فساد قائم ہوتا ہے یا امام عالم مؤذن کو ان کی خوشامد و تعظیم کرنی پڑتی ہے جو ان کے مرتبہ کے خلاف ہے کہ فاسق فاجر شخص تعظیم کا مستحق نہیں ہوتا۔

لہٰذا اہل علم امام و مؤذن وغیرہ کا اکرام اور ان کی تعظیم ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جس کے پیچھے ہاتھ باندھ کر اللہ رب ذوالجلال کے حضور عبادت کرتے ہوں اس کی اہانت اور ذلت کسی طور پر بھی جائز نہیں ہوسکتی اور یہ انسانی غیرت کے بھی خلاف ہے لہٰذا متولی و مسجد کمیٹی و نمازی امام و مؤذن و خادم وغیرہ کو ہرگز اپنا نوکر اپنا ماتحت نہ سمجھیں بلکہ وہ اللہ کے گھر کے اونچے درجہ کے خادم ہیں اس وجہ سے ان کا اعزاز و اکرام بے حد ضروری ہے اور جو شخص امام و مؤذن وغیرہ کا اکرام و اعزاز نہ کرے ان کو اپنا نوکر سمجھے وہ متولی یا کمیٹی کا ممبر بننے کا اہل نہیں۔ (از فتاویٰ رحیمیہ: ۲/۱۶۶)

متولی مشورہ سے امام ومؤذن مقرر کرے

حدودِ شرعیہ میں رہتے ہوئے مسجد کا بانی ومتولی امام ومؤذن کے مقرر کرنے میں مختار ہے لیکن پھر بھی متولی ومسجد کمیٹی کو چاہیے کہ وہ دیندار ساتھیوں کے مشورہ سے ایسے شخص کو امامت کے لیے مقرر کریں جو اس منصب کا اہل و مستحق ہو اگر متولی یا واقف یا بانی اپنی مرضی سے ایسے شخص کو امامت واذان کے لیے مقرر کریں جو اس کے اہل نہ ہوں تو اہلِ محلّہ کو اختیار ہے کہ غیر لائق شخص کے بجائے اس منصب کے اہل ولائق شخص کو امامت کے لیے مقرر کریں اور متولی یا کمیٹی کے مقرر کردہ غیر لائق امام کو اہلِ محلّہ کے دیندار نمازی حضرات معزول کر سکتے ہیں البتہ اس میں اتنا خیال رہے کہ کوئی بھی اس کو اپنی ذاتی انا کا مسئلہ نہ بنائے بلکہ دینی ومذہبی وقومی مفاد ورضائے الٰہی کا جذبہ سب کے سامنے ہو۔

مسجد کا منتظم ومتولی تنخواہ لے سکتا ہے

بہتر تو یہ ہے کہ مسجد کی خدمت اس کی تولیت وانتظام بلا معاوضہ فی سبیل اللہ صرف اللہ کی رضا کے جذبہ کے ساتھ انجام دی جائے اگر کوئی ایسا شخص نہ ہو جو کما حقہ مسجد کی خدمت انجام دے سکے یا جو شخص مسجد کی خدمت کر رہا ہے وہ مالی اعتبار سے کمزور وضرورت مند ہے تو ان دو صورتوں میں مسجد کے منتظم کے لیے مناسب مشاہرہ اس کے عمل کے مطابق طے کر دینا اور منتظم کے لیے اس کا لینا درست ہے۔[1]

جو متولی تولیت کے فرائض صحیح صحیح انجام دے رہا ہو کوئی غبن یا خیانت وغیرہ اس سے ثابت نہ ہوئی ہو اہلِ محلّہ اس کے انتظام اور متولیانہ اختیارات سے خوش ہوں تو اس کو تولیت سے کوئی شخص معزول نہیں کر سکتا۔[2]

---

[1] عالمگیری میں ہے: سئل الفقیہ ابو القاسم عن قیم مسجد جعله القاضی قیماً علی غلاتها وجعل له شیأ معلوماً یأخذ کل سنة حل له الأخذان کان مقدار أجر مثله. (۲/۴۶۱)

[2] شامی میں ہے: فلو ماموناً لم تصح تولیة غیره لا یجوز للقاضی عزل الناظر المشروط له

مسجد کی رقم متولی کے پاس سے اگر ضائع ہو جائے

مسجد کی رقم متولی و مسجد کمیٹی وانتظامیہ اور خزانچی کے پاس امانت ہوتی ہے اس کو اس کے صحیح مصرف میں استعمال کرنا سب کی ذمہ داری ہے اگر متولی وخزانچی نے اس رقم کی حفاظت میں کوتاہی نہیں کی اور اپنی رقم کی طرح اس کی حفاظت کی ہے تو اتفاقاً چوری ہو جانے یا گم ہو جانے کی وجہ سے اس پر ضمان وتاوان نہیں آئے گا بصورتِ دیگر متولی و خزانچی پر ضمان وتاوان ادا کرنا لازم ہے۔

اسی طرح اہل محلّہ کے مطالبہ کے وقت آمدنی واخراجات کا حساب کتاب دینا یہ بھی متولی و مسجد کمیٹی پر لازم ہے اس لیے شریعت کے حکم کے مطابق تمام آمدنی و اخراجات کا حساب لکھ لینا ضروری ہے تا کہ تمام معاملات دیانتداری کے ساتھ بآسانی چل سکیں اور مطالبہ کے وقت اہلِ محلّہ کو تفصیل دکھائی جا سکے۔

امام کو معزول کرنے کے اختیارات

مسجد کی منتظمہ کمیٹی اگر معقول عذر یا کسی شرعی عذر کی بنا پر امام کو معزول کرنا چاہے تو اسے اس کا اختیار ہے عام مسلمان کمیٹی کے اختیارات میں مداخلت کا حق نہیں رکھتے۔

البتہ اگر کمیٹی امام و مؤذن کو معزول کرنے میں ظلم کی مرتکب ہو کہ کسی شرعی وجہ کے بغیر یا کسی معقول عذر کے بغیر معزول کر رہی ہو تو عوام کمیٹی کو معزول کر سکتے ہیں اور ان کی جگہ جدید کمیٹی منتخب کی جا سکتی ہے۔ (کفایت المفتی:۱۵۸)

وقف میں ناجائز تصرف کرنے والا متولی واجب العزل ہے

وقف کے مال اور وقف شدہ اشیاء میں کسی بھی قسم کا ناجائز تصرف خیانت ہے اور

النظر بلا خیانه ولو عزله لا یصیر الثانی متولیا. (۳۸۲/۴)

جس متولی سے یا کسی ممبر سے یقینی طور پر خیانت ثابت ہو جائے ایسے خیانت کرنے والے متولی کو معزول کرنا ضروری ہے اور ایسے متولی کو معزول نہ کرنا گناہ ہے لیکن بغیر یقین وثبوت کے کسی پر خیانت کی تہمت نہ لگائی جائے البتہ اگر تجربہ سے اس کا درست ہونا اور پچھلے پر توبہ کرنا ظاہر ہو جائے تو اسے دوبارہ متولی بنایا جاسکتا ہے۔[1]

فاسق وعاجز شخص متولی نہیں بن سکتا

ایسا شخص جو تولیت وانتظام سنبھالنے سے اور وقف کی چیزوں کی حفاظت سے عاجز ہو اپنی نااہلی کی وجہ سے یا کسی مصروفیت کی وجہ سے اس کو مسجد کا متولی نہ بنایا جائے اور اگر ایسا شخص متولی ہو تو اس کو معزول کر دینا چاہیے کیونکہ تولیت سے جو مقصود ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہوگا اسی طرح وہ شخص جس کا کسی کبیرہ گناہ میں مرتکب ہونا ظاہر ہو اسے بھی مسجد کا متولی نہیں بنایا جاسکتا۔[2]

ازخود متولی بننے کا طلب گار

ایسا شخص جو ازخود متولی بننے کا طلب گار ہو بہتر ومناسب یہ ہے کہ ایسے شخص کو متولی نہ بنایا جائے لیکن اگر اہلِ محلّہ اس کو ہی مناسب وامین سمجھیں تو طلب کے باوجود بھی اسے متولی بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[3]

مسجد کی رقم سے دعوت کرنا یا شیرینی بانٹنا

مسجد کے لیے جمع ہونے والی رقم سے رمضان میں ختم قرآن کے موقعہ پر یا کسی

---

[1] شامی میں ہے: (وینزع وجوبا غیر مأمون) مقتضاه اثم القاضی بترکه والاثم بتولیة الخائن ولا شك منه... وکذا تولیة العاجز لأن المقصود لا یحصل به. (۳۸۰/۴)

[2] شامی میں ہے: (ینزع وجوباً غیر مأمون) او عاجزا أو ظهر به فسق کشرب خمر ونحوه...... وکذا تولیة العاجز لان المقصود لا یحصل به. (۳۸۰/۴)

[3] شامی میں ہے: من طلب التولیة علی الوقف لا یعطی له وهو کمن طلب القضاء لا یقلد (۳۸۰/۴)

اور موقعہ پر کھانا کھلانا یا شیرینی بانٹنا جائز نہیں کہ یہ اس رقم کا مصرف نہیں بلکہ اس رقم کو مسجد پر ہی لگایا جائے اور ایسا کرنے والے ناجائز استعمال کی وجہ سے مسجد کی رقم کے ضامن ہوں گے۔

مسجد کی رقم تجارت میں لگانا

مسجد کی رقم و آمدنی چونکہ لوگوں کا وقف کیا ہوا مال ہوتا ہے جو کہ مسجد کے متولی و خزانچی و کمیٹی کے پاس امانت ہوتا ہے اور امانت کی حفاظت کرنا ضروری ہے اس وجہ سے اس رقم کو تجارت میں نہیں لگایا جا سکتا کہ بعض دفعہ یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ یہ رقم ضرورت سے زائد ویسے ہی رکھی ہوئی ہے اگر تجارت میں لگا دی جائے تو مسجد کو نفع ہوسکتا ہے یہ خیال غلط ہے کیونکہ اول تو امانت کے مال میں اس طرح کا تصرف کرنا جائز نہیں دوسرے یہ کہ تجارت میں جس طرح نفع کا احتمال ہے اسی طرح نقصان کا بھی احتمال ہے تو اس سے مسجد کا مال ضائع بھی ہوسکتا ہے اس لیے مسجد کی رقم سے تجارت نہیں کی جاسکتی۔

مسجد کی رقم بینک میں رکھوانا

مسجد کی رقم و آمدنی بینک کے سیونگ اکاؤنٹ میں تو کسی صورت میں بھی رکھوانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے البتہ بامر مجبوری حفاظت کی خاطر کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھوائی جاسکتی ہے اور اگر اس کے علاوہ حفاظت کا کوئی معقول انتظام ہو تو نہ رکھوانا ہی بہتر ہے۔

مسجد کے متفرق مسائل و آداب

❶...... مسجد میں بے وضو داخل ہونا جائز مگر ادب کے خلاف اور مکروہ ہے۔

(بحر الرائق ۳۵۱/۵)

❷...... محلّہ میں چند مسجدیں ہوں اور سب کا فاصلہ برابر ہو تو قدیم تر یعنی پرانی مسجد میں

نماز پڑھنا افضل ہوگا اور اگر فاصلہ برابر نہ ہو تو جو زیادہ گھر سے قریب ہو اس میں نماز پڑھنا بہتر ہوگا۔[۱]

❸......اذان ہو جانے کے بعد جماعت کے ساتھ نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکلنا مکروہ ہے مگر یہ کہ وہ نکلنے والا شخص دوسری مسجد کا امام یا منتظم یا مؤذن ہو تو کوئی حرج نہیں۔

❹......مسجد میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعت پڑھنا مستحب ہے مگر یہ نماز تحیۃ المسجد مکروہ اوقات یعنی فجر کے بعد سے اشراق تک اور عصر کے بعد اور زوال کے وقت اور صبح صادق کے بعد نہ پڑھی جائے بلکہ فجر و مغرب میں نماز سے پہلے اگر وقت ہو تو بیٹھ کر ذکر وغیرہ میں مشغول ہونے سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل جاتا ہے اور ظہر، عصر و عشاء سے پہلے بھی تحیۃ المسجد اس وقت پڑھنی ہے جب کہ فرض نماز با جماعت کھڑے ہونے میں وقت باقی ہو سنت مؤکدہ اور فرض نمازوں میں بھی تحیۃ المسجد کی نیت کی جا سکتی ہے۔[۲]

بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے مگر بیٹھنے سے تحیۃ المسجد ساقط نہیں ہوتا۔

(احسن الفتاویٰ: ۳/۴۸۲)

❺......کوئی شخص گھر یا دوسری مسجد میں نماز پڑھ کر آیا اور اس مسجد میں عشاء یا ظہر کی نماز ہو رہی ہے تو وہ نفل کی نیت کر کے نماز میں شامل ہو سکتا ہے فجر و عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اور مغرب میں تین رکعت نفل نہیں ہوتے اس لیے ان تین نمازوں میں نفل کی نیت سے شامل نہیں ہوا جا سکتا۔

❻......محلّہ کی مسجد جامع مسجد سے بھی افضل ہے۔[۳]

---

[۱] شامی میں ہے: ثم الأقدم افضل لسبقه حكماً الا اذا كان الحادث اقرب الى بيته فانه افضل حينئذ لسبقه حقيقة وحكماً. (۱/۶۵۹)

[۲] شامی میں ہے: وركعتان او أربع وهى افضل لتحية المسجد الا اذا دخل فيه بعد الفجر او العصر فانه يسبح و يهلل ويصلى على النبى ﷺ فانه حينئذ يؤدى حق المسجد. (۱/۱۸)

[۳] شامی میں ہے: و مسجد حيه افضل من الجامع. (۱/۶۵۹)

❼......اگر محلّہ کی مسجد میں جماعت نہ ہوتی ہو تو وہاں اذان واقامت کہہ کر تنہا نماز پڑھنا جامع مسجد کی جماعت سے زیادہ افضل ہوگا۔[1]

❽......مسجد میں قبلہ رخ بیٹھنا مستحب ہے۔

❾......مسجد ہو یا خارجِ مسجد قبلہ کی طرف قصداً پاؤں کرنا مکروہ ہے خواہ جاگنے کی حالت میں ہو یا نیند کی حالت میں اور قبلہ کی طرف پاؤں کو لمبا کرنے کی عادت بنا لینا گناہِ کبیرہ ہے۔[2]

❿......ہاں اگر عذر ہو یا بھول کر قبلہ کی طرف پاؤں لمبے ہو جائیں تو مکروہ نہیں۔

⓫......چھوٹے بچے کو قبلہ رخ لٹانا مکروہ ہے اور لٹانے والے کو گناہ ہوگا۔[3]

⓬......مسجد میں جگہ کی تعین کے لیے پہلے مصلیٰ بھیج دینا پھر خود صفوں کو چیرتے ہوئے اپنے مصلیٰ تک پہنچنا مکروہ تحریمی ہے۔

⓭......پہلی صف میں خالی جگہ ہونے کے باوجود دوسری صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

⓮......مسجد میں نماز کے لیے جگہ مخصوص کرنا مکروہ ہے۔

⓯......جس کے منہ یا زخم سے بدبو آتی ہو یا بدبودار دوائی لگانے سے بدبو آ رہی ہو ان صورتوں میں مسجد نہیں جانا چاہیے۔

⓰......کسی کے کپڑے سے بدبو آ رہی ہو تو اس کو بھی اس حالت میں مسجد میں داخل ہونا مناسب نہیں۔

⓱......چھوٹے بچے اور پاگل جن سے مسجد کے گندا ہونے کا خطرہ ہو ان کو مسجد میں

---

[1] شامی میں ہے: بل فی الخانیة لولم یکن لمسجد منزله مؤذن فأنه یذهب الیه ویؤذن فیه ویصلی ولو کان وحده لان له حقا علیه فیؤ دیه. (۱/۶۵۹)

[2] تقریرات الرافعی علی الشامی میں ہے: اذا اعتاد مدالرجل الیها فلا تقبل شهادته لان الصغیره تکون کبیره بالمداومة فلا ینافی ما هنا من کراهة التنزیهیة. (۱/۴۲)

[3] شامی میں ہے: (کما کره) لبالغ (امساك صبی) لیبول و کما کره مدرجلیه فی نوم اوغیره الیها عمداً لانه اساء ة أدب (عمدا) ای من غیر عذر اما بالعذر او السهو فلا. (۱/۶۵۵)

لے جانا مکروہ ہے اور اگر مسجد کے خراب ہونے کا غالب یقین ہو تو لے جانا حرام ہے۔[1]

۱۸...... اگر بچے باشعور ہوں اور سرپرست کے ساتھ مسجد کے آداب احترام کو ملحوظ رکھتے ہوں تو ان کا مسجد میں جانا مکروہ نہیں ہوگا۔

۱۹...... مسجد کے اندر کنواں کھودنا منع ہے ہاں اگر پہلے سے موجود ہو اور وہ اب مسجد میں آ گیا ہو تو اس کو باقی رکھا جا سکتا ہے اور ضرورت کے وقت مسجد سے باہر کنواں کھودنا چاہیے۔[2]

۲۰...... مسجد کی دیوار یا چھت سے تیمّم کرنا جائز ہے مگر بے ادبی ضرور ہے۔
(فتاویٰ عبدالحیٰ: ۳/۱۳۲)

۲۱...... دنیا کا کوئی بھی کام مسجد میں کرنا مکروہ ہے۔[3]

۲۲...... مسجد میں دستکاری کرنا جائز نہیں مثلاً کپڑا بننا وغیرہ ہاں اگر وہ مسجد کی حفاظت کے لیے بیٹھا ہو اور ساتھ ساتھ دستکاری بھی کر رہا ہو اور مسجد کی حفاظت کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔[4]

۲۳...... مسجد میں فتویٰ کا کام کرنا اور مقدمہ کا فیصلہ کرنا جائز ہے۔

۲۴...... گم شدہ چیز کا اعلان مسجد میں کرنا جائز نہیں ہاں اگر وہ چیز مسجد میں ہی گم ہوئی ہو تو اعلان کیا جا سکتا ہے۔[5]

۲۵...... مسجد میں عقدِ نکاح کرنا سنت ہے۔[6]

---

[1] شامی میں ہے: ویحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم والافیکره. (۱/۶۵۶)

[2] عالمگیری میں ہے: لا یحفر فی المسجد بئر ماء ولو کانت البئر قدیمة تترك کبئر زمزم. (۱/۱۱۰)

[3] شامی میں ہے: لان المسجد ما بنی لامور الدنیا. (۱/۶۶۲)

[4] عالمگیری میں ہے: الخیاط اذا کان یخیط فی المسجد یکره الا اذا جلس لدفع الصبیان وصیانة المسجد فحینئذٍ لا بأس به. (۱/۱۱۰)

[5] شامی میں ہے: ویحرم انشاد ضالة. (۱/۶۶۰)

[6] عالمگیری میں ہے: مباشرة عقد النکاح فی المساجد مستحب. (۵/۳۲۱)

(۲۶)...... مسجد میں فرش بچھانا بجلی جلانا سنت ہے لیکن صرف اس حد تک جتنی ضرورت ہو۔

(۲۷)...... مسجد کے دروازہ کو تالا لگانا مکروہ ہے البتہ اگر سامان کے ضائع و چوری ہوجانے کا خوف ہو تو اس صورت میں تالا لگایا جاسکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ سامان کی حفاظت کے لیے کسی آدمی کو مقرر کردیا جائے تاکہ سامان کی حفاظت بھی ہوتی رہے اور مسجد بھی کھلی رہے۔[1]

(۲۸)...... مسجد کے سامان کے لیے مسجد میں کوئی کوٹھری بنالی جائے تو جائز ہے۔[2]

(۲۹)...... مسجد کی دیواروں یا فرش میں رنگ برنگ کے بیل بوٹے لگانا جو کہ نماز میں خیال کو منتشر کرتے ہوں مکروہ ہے بالخصوص محراب اور قبلہ کی دیوار میں زیادہ مکروہ ہے۔[3]

(۳۰)...... مسجد میں لوبان عود وغیرہ کی دھونی دینا سنت ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم کا یہ ہمیشہ سے دستور رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جمّروھا فی الجمع" کہ جمعوں میں مسجدوں کو دھونی دو۔ (ابن ماجہ، شامی:۱/۶۵۶)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کے روز مسجد میں دھونی دیتے تھے۔

(۳۱)...... جو شخص مسجد کی طرف جانا چاہے اسے چاہیے کہ پہلے اچھی طرح طہارت و وضو کرے اور پھر مسجد کی طرف چلے کیونکہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من خرج من بیته متطهراً الیٰ صلاة مکتوبة فاجره کاجر الحاج المحرم ومن خرج الیٰ تسبیح الضحیٰ

---

[1] شامی و عالمگیری میں ہے: کرہ غلق باب المسجد وقیل لا بأس بغلق المسجد فی غیر اوان الصلاۃ صیانة لمتاع المسجد و ھذا ھو الصحیح. (شامی:۱/۶۵۶، ہندیہ:۱/۱۰۹)

[2] عالمگیری میں ہے: ولا باس بأن یتخذ فی المسجد بیتاً توضع فیه البواری. (۱/۱۱۰)

[3] شامی میں ہے: ویکرہ التکلف بد قائق النقوش و نحوھا خاصا. فی جدارا القبلة و قیل یکرہ فی المحراب دون السقف و المؤخر و ظاھرہ ان المرا دبا لمحراب جدار القبلة. (۱/۶۵۸)

لا ينصبه الا اياه فاجره كأجر المعتمر.'' (مشکوۃ:۷۰)

کہ جو شخص اپنے گھر سے پاک صاف ہو کر فرض نماز کے لیے نکلا تو اس کا ثواب ایک حج کرنے والے کے برابر ہے جو احرام باندھ کر چلا ہو اور جو شخص چاشت کی نماز کے لیے پاک ہو کر مسجد جاتا ہے تو اس کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے۔

۳۲...... مسجد کی طرف جاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم رکھے جائیں کہ جو شخص اپنے گھر سے مسجد کے لیے نکلتا ہے تو فرشتہ ہر قدم پر دس نیکیاں لکھتا ہے۔ (منتخب الکنز)

۳۳...... جو شخص جتنی دور سے چل کر مسجد آئے گا اس کے اس کے لیے اتنا ہی زیادہ ثواب ہے کہ ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ نماز میں ثواب اس شخص کے لیے ہے جو زیادہ دور سے چل کر آتا ہے۔

۳۴...... مسجد کے دروازہ پر پہنچ کر یہ دعا پڑھیں (اللهم أفتح لى ابواب رحمتك) اور سیدھا پاؤں رکھ کر مسجد میں داخل ہوں۔

۳۵...... مسجد میں انتہائی ادب و وقار اور عظمت کے ساتھ داخل ہوں بعض بزرگانِ سلف سے منقول ہے کہ جب وہ مسجد کے دروازہ پر پہنچتے تو خوف کی وجہ سے چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جب لوگ دنیا کے کسی حاکم کے دربار میں جاتے ہیں تو ان پر اس کا رعب چھا جاتا ہے اور ڈرتے ہیں کہ کوئی بات عدالت کے آداب اور حاکم کی شان کے خلاف نہ ہو جائے کیا میں احکم الحاکمین کے دربار کی اتنی بھی وقعت نہ کروں جتنی ایک ادنیٰ حاکم کی کی جاتی ہے اس خوف سے میرا رنگ زرد ہو جاتا ہے کہ کہیں اس دربار کی شان کے خلاف کوئی بات صادر نہ ہو جائے۔

۳۶...... جتنی دیر مسجد میں رہیں انتہائی ادب و وقار اور سنجیدگی کے ساتھ رہیں اور ڈرتے رہیں کہ اللہ کے گھر کی ذرہ برابر بھی بے ادبی نہ ہو جائے۔

۳۷...... دنیا کی بات بالکل نہ کریں کسی کو اونچی آواز سے نہ پکاریں۔

(۳۸)...... نماز ذکر و دعا تلاوت وغیرہ میں مشغول رہیں۔

(۳۹)...... جب مسجد سے باہر نکلنے لگیں تو پہلے بایاں پاؤں مسجد سے باہر نکالیں اور دعا پڑھیں (اللهم إني أسئلك من فضلك و رحمتك)

(۴۰)...... مسجد میں صفوف کے اتصال کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے مثلاً اگر مسجد میں جماعت ہورہی ہے اور صفوف سے علیحدہ کوئی شخص درمیان میں چند صفیں چھوڑ کر امام کے پیچھے اقتداء کرے تو یہ اقتدا درست ہو جائے گی اور نماز ادا ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ جماعت میں صفوں کو متصل کرنا اور درمیان کی گنجائش کو بھرنا واجب ہے اور اس کے خلاف کرنے پر حدیث میں سخت وعیدیں اور صفیں ملانے کا ثواب حدیث میں مذکور ہے اور مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ میں اقتداء کے لیے اتصالِ صفوف شرط ہے۔[1]

(۴۱)...... فنائے مسجد (یعنی جو جگہ نماز جنازہ یا عید کی نماز کے لیے بنائی گئی ہو وغیرہ) کا حکم صرف اتصال صفوف میں مسجد کا ہے اس کے علاوہ اس پر مسجد کا کوئی حکم نہیں لگتا۔[2]

واضح رہے کہ یہاں فنائے مسجد سے مراد یہ ہے کہ اس جگہ اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ نہ ہو۔[3]

(۴۲)...... خاص خاص راتوں میں مثلاً رمضان میں ختم قرآن کی رات یا شب معراج وغیرہ میں مساجد پر چراغاں کرنا بتیاں لٹکانا وغیرہ یہ ہندوؤں کی دیوالی کے ساتھ مشابہت ہے نیز اس چراغاں کی وجہ سے مسجد کھیل تماشہ کی جگہ بن جاتی ہے چھوٹے

---

[1] شامی میں ہے: لا يمنع من الاقتداء الفضاء الواسع في المسجد وقيل يمنع فانه وان افاد المعتمد عدم المنع لكنه محمول على غير المسجد الكبير جداً وكون الراجح عدم المنع مطلقا يتوقف على نقل صريح. (۵۸۵/۱)

[2] شامی میں ہے: وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقاً بالناس لا في حق غيره وبه يفتى. (۶۵۷/۱)

[3] شامی میں ہے: الفنا وهو المكان المتصل به ليس بينه وبينة طريق. (۶۵۷/۱)

بچے اور نااہل لوگ جمع ہو کر شور مچاتے ہیں۔ (مأخوذ از آداب المساجد مؤلفہ مفتی شفیع)

۲۳ ...... کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ اپنے گھر کا دروازہ مسجد کی دیوار میں کھول لے اگرچہ یہ شخص مسجد میں درس دیتا ہو البتہ مسجد ہی کا کوئی مکان امام کے لیے بنایا گیا ہو تو اس میں دروازہ مسجد کی طرف رکھا جا سکتا ہے۔

۲۴ ...... مسجد میں بیٹھ کر تعویز بیچنا جس میں تورات یا انجیل یا قرآن پاک کی آیتیں لکھی ہوں یہ جائز نہیں۔[1]

۲۵ ...... جو معلم اجرت پر بچوں کو پڑھا رہا ہے اگر وہ گرمی یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے مسجد میں بیٹھا ہے تو مکروہ نہیں اور بعض نے اجرت پر پڑھانے کو مطلقاً مکروہ لکھا ہے۔[2]

۲۶ ...... مسجد کی بجلی مسجد ہی کے لیے خاص ہے اس کو بلا ضرورت استعمال کرنا یا مسجد و مصالح مسجد کے علاوہ کسی اور مصرف میں استعمال کرنا درست نہیں۔

۲۷ ...... معتکف و مسافر کے لیے مسجد میں کھانے پینے اور سونے کی گنجائش ہے لہٰذا تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں قیام کرنا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر ہوتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ وہ ساتھ ساتھ اعتکاف کی بھی نیت کر لیں اور اس کا بھی اہتمام کریں کہ اگر مسجد سے ملحق کوئی حجرہ وغیرہ ہو تو کھانے اور سونے کا عمل اس میں کیا جائے اگر اس کمرہ میں گنجائش ہو۔ (احسن الفتاویٰ: ۶/۴۴۸)

نیز مسجد کی صفائی ستھرائی اور اس کے آداب کا مکمل خیال رکھیں۔[3]

---

[1] عالمگیری میں ہے: رجل يبيع التعويذ فى المسجد ويكتب فى التعويذالتوراة والانجيل والفرقان ويأخذ عليه المال ويقول دفع الى الهدية لا يحل له ذلك. (۳۲۱/۵)

[2] عالمگیری میں ہے: واما المعلم الذى يعلم الصبيان بأجر اذا جلس فى المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر او غير هالا يكره وفى نسخة القاضى الامام جعل مسئله المعلم كمسئلة الكاتب والخياط. (۱۱۰/۱)

[3] عالمگیری میں ہے: ويكره النوم والاكل لغير المعتكف واذا اراد ان يفعل ذلك ينبغى ان ينوى الاعتكاف فيد خل فيه ويذكر الله بقدر مانوى او يصلى ثم يفعل ماشاء. (۳۲۱/۵)

۴۸...... مسجد میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے اور یہ عمل ویسے ہی مکروہ وناپسندیدہ ہے اور مسجد میں اس عمل کی کراہیت اور بڑھ جاتی ہے۔[1]

۴۹...... مسجد میں سر اور داڑھی میں کنگا کرنا آداب مسجد کے خلاف ہے اور اگر بال و پانی کے قطرات مسجد میں نہ گریں تو گنجائش ہے لیکن بہرحال نہ کرنا بہتر ہے۔
(خیر الفتاویٰ: ۲/۷۷۳)

۵۰...... مؤذن مسجد کے موقوفہ مکان میں رہ سکتا ہے۔[2]

۵۱...... وضو کرنے کے بعد اس بات کا اہتمام ہو کہ پانی کی کے قطرے اعضاء سے یا داڑھی سے نیچے مسجد میں نہ گریں اگرچہ وہ پانی پاک ہے اس کا مسجد میں گرنا ناجائز وحرام نہیں البتہ قصداً نہ گرائے جائیں احتیاط کی جائے۔

۵۲...... مسجد میں نعرہ لگانے سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے خیر القرون سے ایسا عمل ثابت نہیں۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۷۵۷)

۵۳...... مسجد کی صفیں اگر ناکارہ و بوسیدہ ہو جائیں اور مسجد والوں نے اسے بے کار کر کے فارغ کر دی ہیں تو انہیں کوئی بھی لے جانا چاہے تو لے جا سکتا ہے۔[3]

۵۴...... کسی بھی شخص کو بلاوجہ شرعی مسجد میں آنے سے روکا نہیں جا سکتا مسجد میں داخل ہونا ہر مسلمان کا حق ہے ہاں اگر واقعۃً کوئی شدید شرعی مجبوری ہو تو اور بات ہے۔

۵۵...... سفر سے واپس لوٹنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ پہلے مسجد جا کر دو رکعت نماز پڑھے پھر گھر کی طرف جائے کہ یہ آپ ﷺ کی سنت ہے۔

۵۶...... جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لیے صبح سے ہی مسجد چلے جانا چاہیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] عالمگیری میں ہے: ان لا یفرقع اصابعه فیه. (۵/۳۲۱)

[2] عالمگیری میں ہے: وللمؤذن ان یسکن فی بیت هو وقف علی المسجد. (۵/۲۰۱)

[3] خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: حشیش المسجد اذا خرج من المسجد امام الربیع ان لم یکن له قیمة لا بأس بطرحه خارج المسجد ولا بأس برفعه والانتفاع. (۴/۴۲۵)

”اول بدعة أحدثت فی الاسلام ترك البكور الی الجامع یوم الجمعة.“

کہ اسلام میں جو سب سے پہلی بدعت پیدا ہوئی وہ جامع مسجد کی طرف جلدی جانے کا چھوڑ دینا ہے۔ (اعلام الساجد:۲۵۲)

باب چہارم

امامت واذان کے مسائل

امامت کا بیان

تمام اعمالِ خیر میں سب سے اہم اور مہتم بالشان چیز نماز ہے نماز کا مرتبہ اعمال میں ایسا ہے جیسے انسان کے جسم میں دل کا درجہ ہے اسی لیے نماز جیسے اہم رکن کی امامت شریعت میں بڑا اہم اور عظیم الشان کام ہے کہ آپ ﷺ ساری زندگی امامت فرماتے رہے اور امامت کی فضیلت وعظمت کے اعتبار سے یہ ہی بات کافی ہے کہ امام رسول اللہ ﷺ کا نائب اور تمام مقتدیوں کی نماز کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے امام مقرر کرنے کے سلسلہ میں کچھ ضابطے اور کچھ شرائط مقرر کی ہیں اور واضح کر دیا کہ اس اہم اور عظیم الشان منصب کا حامل کون شخص ہوسکتا ہے؟ اور امام مقرر کرتے وقت کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور امام کے کیا اوصاف ہونے چاہیے لہٰذا مسجد کے متولی وکمیٹی اور مقتدی حضرات کو چاہیے کہ جس شخص میں امامت کی لیاقت ہو اور امامت کے اوصاف پائے جاتے ہوں اس کو امام مقرر کیا جائے اگر امامت کے مستحق شخص کے میسر ہونے کے باوجود کسی غیر مستحق وغیر لائق شخص کو امام بنایا گیا تو سب نمازی سنت کے چھوڑنے کے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اپنے میں سے بہتر کو امام بنایا جائے

”عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ

اجعلو ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم.'' (دارقطنی، معارف الحدیث: ۲۱۷/۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں جو اچھے اور بہتر ہوں ان کو امام بناؤ کیونکہ امام تمہارے رب اور تمہارے درمیان نمائندہ ہوتے ہیں۔

اس حدیث شریف سے واضح ہو رہا ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کے حضور پوری جماعت کی نمائندگی کرتا ہے اس لیے مکمل جماعت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس اہم اور مقدس مقصد کے لیے بہترین آدمی کو منتخب کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات کے زمانہ میں جب آپ نماز پڑھانے سے معذور ہو گئے تو علم وعمل کے لحاظ سے امت کے افضل ترین فرد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کے لیے مقرر فرمایا۔

امامت کی ترتیب

''عن ابن مسعود الانصاری رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یؤم القوم اقرؤھم لکتاب اللّٰہ فان کانوا فی القرأۃ سواء فاعلمھم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواء فاقدمھم سنا ولا یؤمن الرجل الرجل فی سلطانه ولا یقعد فی بیته علٰی تکرمته الا بأذنه.'' (رواہ مسلم، مشکوۃ: ص۱۰۰)

''ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جماعت کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہو اگر اس میں سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کرے جو سنت وشریعت کا زیادہ علم رکھتا ہو اور اس میں بھی سب

برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کرے جو ہجرت میں مقدم ہو اگر اس میں بھی سب برابر ہو تو پھر وہ شخص امامت کرے جو عمر کے لحاظ سے مقدم ہو اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کے حلقۂ سیادت وحکومت میں اس کا امام نہ بنے اور اس کے گھر میں اس کے خاص بیٹھنے کی جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔"

اس حدیث کی روشنی میں امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جس کو قرآن کے ساتھ خاص تعلق خاص شغف ہو اور اس کا خصوصی علم اور اس کی مہارت ہو اور حافظِ قرآن ہو کہ قرآنِ مجید اللہ کی کتاب ہونے کی وجہ سے فضیلت وشرافت کا معیار ہے اور جس کا جس قدر قرآن کے ساتھ تعلق ہے وہ اسی قدر رسول اللہ ﷺ کی خاص وراثت کا حامل وامین ہے۔ اس کے بعد فضیلت وشرافت کا دوسرا معیار سنت اور شریعت کا علم ہے۔

فضیلت کا تیسرا معیار ہجرت کو ذکر کیا گیا لیکن چونکہ یہ چیز نبی ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی اس لیے فقہائے کرام نے اس کی جگہ صلاح وتقویٰ کو فضیلت و فوقیت کا تیسرا معیار قرار دیا ہے کہ جو زیادہ متقی ہو اسے امام بنایا جائے۔

لہٰذا کوشش کی جائے کہ امام ان تمام صفات کا جامع ہو قرآن کے علم سے واقف اس پر عامل متبع سنت وشریعت تقویٰ وطہارت کا حامل ہو۔

امام ذمہ دار ہے

امامت بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے اس کے لیے صلاحیت کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "الامام ضامن." امام ذمہ دار ہے۔ (ترمذی)

یعنی امام کی نماز اگر فاسد ہوئی تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی امام کی نماز

اگر واجب یا سنت چھوڑنے کی وجہ سے مکروہ ہوئی تو سب کی نماز مکروہ ہوگی سنن و مستحبات کے چھوڑنے کی وجہ سے ثواب میں کمی ہوئی تو اس کا وبال بھی امام کے سر پر ہوگا۔

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"یصلون لکم فان أصابوا فلکم وان أخطأوا فلکم وعلیھم." (بخاری:۱/۹۶)

ائمہ تم کو نماز پڑھائیں گے اگر ٹھیک اور درست پڑھائی تو تم کو اور ان کو پورا ثواب ملے گا اور اگر غلط نماز پڑھائی تو وبال ائمہ کے سر پر ہوگا۔

اس لیے قابل و لائق عالم باعمل شخص کو امام مقرر کرنا چاہیے اس سلسلہ میں مولوی سیّد عبدالاحد مرحوم اپنی مشہور کتاب (مسلمان کی ڈائری) میں رقم طراز ہیں۔

مسجد کا امام عالم باعمل بزرگ ہونا چاہیے اگر ایسا نہ ملے تو جسے قرآن زیادہ یاد ہو اور اچھا پڑھتا ہو ایسا امام رکھا جائے آج کل ایسے امام کا ملنا چنداں مشکل نہیں لیکن اب ایسے امام کی تلاش زیادہ ہوتی ہے جو متولی کے اشاروں پر چلے اور متولی ایسے ہوتے ہیں جو کسی طرح بھی مسجد کے اہتمام کے اہل نہیں آخر یہ کیا بات ہے کہ ہمیں اپنے معمولی کام کے لیے ملازم کی تلاش ہوتی ہے تو ہم بڑی احتیاط برتتے ہیں اور ہر طرح دیکھ بھال کر اپنی پسند کا ملازم رکھتے ہیں لیکن جب مسجد کے لیے امام کی ضرورت و تلاش ہوتی ہے تو ہم مسجد کے لائق نہیں بلکہ اپنے مطلب کا امام ڈھونڈتے ہیں۔

اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ امام سند یافتہ عالم نہ سہی ضروری مسائل سے واقف بھی ہے یا نہیں قاری و حافظ نہ سہی لیکن کم از کم قرآن صحیح پڑھتا ہے یا نہیں کس عقیدہ کا پیروکار ہے اور کون سے مسلک کا حامی ہے مقلد بھی ہے یا شتر بے مہار نہ تحقیق ہے نہ تفتیش نتیجہ یہ کہ جو مؤذن بننے کا اہل نہیں وہ امام بن جاتا ہے اور جو دنیا میں کسی مصرف کا نہ ہو وہ مؤذن بنتا ہے جب متولی مسجد کی ذمہ داری اٹھانے کے اہل نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ

اپنی مرضی کا نااہل امام ہی تلاش کریں گے گھوم پھر کر دیکھ لیجیے نااہل متولی اور نااہل امام کی جوڑی آپ کو اکثر نظر آئے گی۔ (از مسلمان کی ڈائری)

متولی کی ذمہ داری ہے کہ عالم باعمل کو امام مقرر کریں

مساجد کا نظام اور اس کی آبادی صرف اس کی ظاہری تزیین و تعمیر اس کے نقش و نگار اور اس کے فلک بوس (اونچے) میناروں سے نہیں اس کی صحیح آبادی اللہ کی عبادت خدا کا ذکر اور مسجد کے اعمال سے ہے ان باتوں کے پیشِ نظر مساجد کا نظام صحیح بنانا خدا ترس امام صالح مؤذن اور باصلاحیت واہل متولیوں کی ذمہ داری ہے۔

امام حقیقت میں پوری بستی اور پوری قوم کا پیشوا ہوتا ہے لہٰذا امام بہترین عالم باعمل مسائل واحکام نماز سے خوب واقف ہو قرآنِ مجید تجوید کے ساتھ صحیح پڑھنے والا ہو خوش الحان (اچھی آواز) ہو متقی پرہیز گار خداترس خوش اخلاق ملن سار ہو اس کے اندر دین کا درد امت کا غم ہو اپنی اور اپنی قوم کی اصلاح کی فکر ہو مواعظِ حسنہ و تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ مسلمانوں میں دین کا شوق خوفِ خدا انابت الی اللہ عبادت کا ذوق وشوق دنیا کی بے رغبتی، آخرت کا فکر ان کی دلوں میں پیدا کرنے والا ہو نیکی کا حکم کرنے والا نواہی و منکرات پر نکیر کرنے والا ہو غمی کا موقعہ ہو یا خوشی کا موقعہ ہو ہر موقعہ پر قوم کی صحیح رہنمائی اور اسلامی تعلیمات سے واقف کرے بدعات و رسومات کی نشاندہی اور اس پر برملا روک ٹوک کرے مسلمانوں کے ساتھ ایسی ہمدردی و خوش اخلاقی سے پیش آئے کہ چھوٹے بڑے اپنے پرائے سب اس کے دلدادہ اور دل و جان سے اس پر قربان ہو جائیں حتیٰ کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی اس سے مشورہ و رہنمائی حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کریں اپنے اعمال واقوال سے لوگوں میں اسلام کی محبت اور دین کی ایسی عظمت پیدا کرے کہ ان کو اپنی اور اپنے اہل وعیال اور مسلمانوں کی اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے۔

غرضیکہ امام کو اپنی پوری ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے اور امامت کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر محض رضائے الٰہی کے لیے (نہ کہ دنیا کے بے حیثیت ٹکوں کے لیے) ان تمام خدمات کو انجام دے فقہائے کرام نے اگرچہ ضرورت کی بناء پر امامت وغیرہ کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اجرت اور تنخواہ کو ہرگز مقصود نہ بنائیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو حضور اقدس ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور سلفِ صالحین کے طرزِ عمل کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں اور ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (البقرہ: آیت ٤١) کا مصداق نہ بنیں۔

امامت کے لیے کم از کم شرعاً معیار

امامت کے لیے شرعاً کم از کم یہ معیار ضروری ہے۔

❶ ..... قرآن مجید کا آخری پارہ مکمل یا نصف پارہ تجوید کے ضروری قواعد کی رو سے صحیح یاد ہو۔

❷ ..... پانی وضو غسل اور نماز کے ضروری مسائل کا علم رکھتا ہو نماز کے مفسدات مکروہات مستحبات وفرائض اور واجبات کی تفصیلات سے آگاہ ہو۔

❸ ..... اعمال میں کوئی علامتِ فسق داڑھی منڈانا یا کتروانا جماعت کی پابندی نہ کرنا وغیرہ کسی گناہ کبیرہ کا ظاہری مرتکب نہ ہو مفسد نہ ہو یہ ادنی معیار ہے اور کسی نئے امام کے تقرر کے لیے کم از کم اتنا معیار ہونا ضروری ہے کہ مقامی مستند علماء اس کو اس معیار کے مطابق پائیں۔[1]

---

[1] مراقی الفلاح میں ہے: اذا اجتمع قوم ولم یکن بین الحاضرین صاحب منزل اجتمعو افیه ولا فیهم ذوظیفة و هوا مام المحل ولا ذوسلطان کأ میر ووال وقاض فالأعلم باحکام الصلاة الحافظ مابه سنة القراء ة و یجتنب الفواحش الظاهرة وان کان غیر متبحر فی بقیة العلوم احق بالأمامة. (۲۹۹)

امام کے پیچھے کیسے لوگ کھڑے ہوں

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"لیلینی اولوا الاحلام منکم والنہیٰ." (مشکوۃ:۹۸)

"چاہیے کہ تم میں سے عقلمند لوگ میرے قریب کھڑے ہوں۔"

اس لیے مناسب یہ ہے کہ امام کے پیچھے ایسے لوگ کھڑے ہوں جو علم والے مسائل سے واقفیت رکھنے والے ہوں کہ امام اگر غلطی کرے تو اس کو مطلع کر سکیں یا اگر کسی وجہ سے امام کی جگہ نماز مکمل کرنے کی نوبت پیش آئے تو فوراً آگے بڑھ کر نماز مکمل کر سکیں۔

امام کی ذمہ داری

"عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من أم قوماً فلیتقّ اللّٰہ ولیعلم أنه ضامن مسئول لماضمن وان احسن کان له من الأجر مثل اجر من صلّٰی خلفه من غیران ینقص من اجورهم شیئی ومن کان من نقص فهو علیه."

(رواہ الطبرانی، امامت کے مسائل: ص۳۲)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص جماعت کی امامت کرے اس کو چاہیے کہ خدا سے ڈرے اور یقین رکھے کہ وہ مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے یعنی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے بارے میں بھی سوال ہوگا اگر اس نے اچھی طرح نماز پڑھائی تو نماز پڑھنے والے سب مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا اور اس سے مقتدیوں کے اجر وثواب

میں بھی کوئی کمی نہیں آئیگی اور نماز میں جو کمی وقصور ہے اس کا بوجھ تنہا امام پر ہوگا۔"

امام کے اوصاف

امام میں مندرجہ ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔

❶ ...... اس شخص میں خود امامت کی خواہش نہ ہو لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ کوئی دوسرا آدمی اس منصب کو انجام دینے والا موجود ہو اگر کوئی دوسرا شخص یہ اہلیت نہ رکھتا ہو تو پھر خواہش کرنا درست ہے۔

❷ ...... قرآن وسنت سے خوب آگاہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے اپنا معاملہ تم اپنے فقیہوں کے سپرد کرو اور قاریوں کو اپنا امام بناؤ۔ (از امامت کے مسائل:۳۶)

❸ ...... امامت کے سب سے زیادہ لائق وہی ہے جو سب سے زیادہ عالم ہونے کے ساتھ اس پر عمل بھی کرے اور اس کو خدا کا خوف بھی ہو آپ ﷺ کا ارشاد ہے تمہاری امامت وہ لوگ کریں جو تم میں بہتر ہوں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں تمہارے نمائندے ہیں۔ (رواہ الدار القطنی والبیہقی)

کہ دیندار امام اور علم وفضل رکھنے والے لوگ اللہ کو جاننے اور اس سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اور وہ اپنی نماز اور مقتدیوں کی نماز کو سمجھتے ہیں اور نماز کو خراب کرنے والی باتوں سے بچتے ہیں۔

❹ ...... امام لوگوں کی عیب جوئی اور غیبت سے اپنی زبان کو روکے اور دوسروں کو نیکی کا حکم دے اور خود بھی اس پر عمل کرے دوسروں کو برائی سے منع کرے اور خود بھی اس سے رکتا رہے نیکی اور نیک لوگوں سے محبت رکھے اوقاتِ نماز سے واقف ہو حرام باتوں سے اجتناب کرتا ہو حرام کام سے اپنے ہاتھوں کو روکنے والا ہو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی طلب

کرنے والا ہو دنیا کی حرص وطمع ولالچ اس میں نہ ہو حلیم وصابر ہو شر وفساد سے دور رہنے والا ہو اللہ پہ یقین رکھنے والا اس سے ڈرنے والا ہو وہ ہمیشہ اس بات کو محسوس کرے کہ امامت جیسے عظیم المرتبت کام کو اس کے سپرد کر کے اس کی آزمائش کی گئی ہے امامت کا درجہ بہت بلند و بالا ہے اس لیے امام کے سامنے ہمیشہ امامت کی عظمت و مرتبت رہنی چاہیے۔

❺...... امام دیانتہً اپنے آپ کو مقتدیوں کی اصلاح کا ذمہ دار سمجھے اور ان میں دینی اعتبار سے جو بھی کمی دیکھے اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

ائمہ حضرات کی مسجد کے اعتبار سے ذمہ داریاں

قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک امت و معاشرہ کی اصلاح میں اہم ترین کردار مساجد کا رہا ہے کہ قرونِ اولیٰ میں مساجد فجر سے لے کر عشاء تک تعلیمی حلقوں سے اور عشاء کے بعد سے فجر تک عبادتی ماحول سے آباد ہوتی تھیں محلّہ کے ہر فرد کا مکمل تعلق مسجد اور اس میں ہونے والے علم و عمل کے حلقوں سے تھا جس کی وجہ سے پورا محلّہ علم و عمل کا گہوارہ امن کا مرکز رحمت و برکت سے آباد تھا اور ان تمام چیزوں میں اہم کردار مساجد کے ائمہ اور محلّہ کے علمائے کرام کا ہوتا تھا لہٰذا سلف کی اقتداء کرتے ہوئے ائمہ کرام کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنی مساجد میں صبح تا شام تعلیمی حلقے قائم کریں اور ایسا ماحول مسجد میں بنائیں کہ کسی وقت بھی مسجد کو تالا نہ لگے کئی احادیث و آثار سے مسجد کے اندر تعلیم و تعلّم کے حلقے قائم کرنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس میں بیٹھنے کے فضائل ارشاد فرمائے اور نہ سیکھنے والوں کے لیے وعیدیں ارشاد فرمائیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شاگرد نے یوں بیان کیا۔

”عهدی بهذا المسجد وانه كمثل الروضة اخترمنها ما شئت.“

''کہ اس مسجد میں میرا وہ دور گزرا ہے جب یہ باغیچہ کے مانند تھی تم اس کے جس حصہ میں چاہو بیٹھ جاؤ۔'' (المحدث الفاصل:۱۸۰)

علامہ ابن الحاج المدخل میں تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد میں تعلیم کے حلقہ کا قائم ہونا افضل ہے کیونکہ اس میں طلب علم کا ارادہ کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں کے حق میں زیادہ فائدہ ہے بخلاف مدرسہ کے وہاں صرف علم کا طالب یا استفتاء لینے والا ہی آئے گا اس لیے مسجد کے بجائے مدرسہ میں حلقہ لگانے سے علم کی اشاعت کم ہوگی[1] صحابہ تابعین متقدمین علماء کے حلقہ درس مسجد میں ہی لگا کرتے تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ (روضۃ المساجد:۹۸)

۲ مسجد آباد کروانے کی ذمہ داری

ائمہ حضرات کو چاہیے کہ مقتدیوں کو مسجد کے آباد کرنے کے فضائل بتلائیں تا کہ ان میں مسجد کے آباد کرنے کا جذبہ پیدا ہو اور ہر مسلمان کا تعلق مسجد سے جڑے اللہ نے مسلمانوں کا گھر مسجد کو بنایا ہے اور جو مسجد کا عادی ہو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ﴾

''اللہ کی مساجد کو ایمان والے ہی آباد کرتے ہیں۔''

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد فأشهد واله بالایمان.''

(مسند احمد:۳/۷۶)

---

[1] المدخل لابن الحاج میں ہے: اخذ الدرس فی المسجد افضل لا جل كثرة الانتفاع بالعلم لمن قصده ومن لم يقصده بخلاف المدرسة فانه لا يأتى اليها غالبا الا من قصد العلم أو الاستفتاء فاخذه فى المدرسة اقل رتبة فى الانتشار منه فى المسجد. (المدخل ۲/۱۰۲)

جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کا عادی ہے تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دے دو۔

③ مقتدیوں کی نمازوں کی اصلاح کی ذمہ داری

امام چونکہ حضور اقدس ﷺ کا نائب ہے اس لیے جس طرح حضور اکرم ﷺ امت کی تربیت کی فکر فرماتے تھے اسی طرح نائب یعنی امام کو بھی چاہیے کہ وہ امت کی تربیت کی فکر کرے اور اسلام کے احکام میں سب سے اہم و بنیادی حکم نماز کا ہے لہٰذا مقتدیوں کے وضو و نماز کی غلطیوں کی اصلاح کر کے ان کو صحیح طریقہ سکھائے ابوداؤد شریف میں ہے:

"ان رجلا جاء الٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقد توضأ وترك علٰی قدمہ مثل الظفرفقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أرجع فأحسن وضؤك."

(ابوداؤد:۱/۲۶)

ایک آدمی وضو کر کے آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وضو کے دوران ایک ناخن کے برابر جگہ خشک چھوڑ دی تو آپ ﷺ فرمایا واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔

ایک دفعہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا لیکن رکوع سجدہ پورا نہیں کر رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کتنے عرصہ سے تم ایسی نماز پڑھ رہے ہو اس نے کہا کہ چالیس سال سے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے چالیس سال سے ٹھیک نماز نہیں پڑھی اور اگر تم ایسی نماز پڑھتے ہوئے مر وگے تو اس حالت پر نہیں مرو گے جس پر حضور ﷺ پیدا کیے گئے پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر نماز

سکھانے لگے پھر فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ چاہے وہ نماز میں قیام مختصر کرے لیکن رکوع سجدہ پورا کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۳۲۲)

حضرت حکیم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہمیں نماز سکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو تو پہلے اللہ اکبر کہو اور اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ لیکن کانوں سے اوپر نہ لے کر جاؤ۔ (طبرانی:۱/۳۹۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر اس طرح التحیات سکھاتے تھے جیسا کہ استاد مکتب میں بچوں کو سکھاتا ہے۔ (ابوداؤد:۱/۱۱۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے التحیات سکھائی اور ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں التحیات سکھائی تھی۔ (کنز العمال:۸/۴۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہمیں التحیات اس طرح سکھاتے تھے جیسے ہمیں قرآن کی کوئی سورہ سکھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ:۱/۳۲۸)

لہٰذا مساجد کے ائمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقتدیوں کے وضو، نماز، تجوید، قرأتِ قرآن کی اصلاح کی فکر کریں۔

④ دینی اعتبار سے لوگوں کی اصلاح کی ذمہ داری

مؤثر و عام فہم و آسان وعظ ونصیحت وتقریر اور درس کے ذریعہ امام لوگوں کی اصلاح کرتا رہے اور وعظ ونصیحت میں نرمی اختیار کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء کے وعظ ونصیحت کے طرز کو ملحوظ خاطر رکھیں بات مثبت انداز میں سمجھائی جائے اجتماعی کمی کو اجتماعی طور پر بیان کیا جائے اگر کسی کی انفرادی کمی سامنے آئے تو اسے پیار ومحبت سے انفرادی طور پر سمجھا دیا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”من وعظ اخاه سراً فقد نصحه وزانه ومن وعظ علانیته

فقد فضحه و شانه.'' (حلیۃ الاولیاء:۱/۱۴۹)

کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو تنہائی وعلیحدگی میں نصیحت کی تو نصیحت کرنے والے نے اس کو زینت بخشی اور جس نے مسلمان بھائی کو سب کے سامنے نصیحت کی تو نصیحت کرنے والے نے اس کو ذلیل ورسوا کر دیا۔

اور روز کسی نہ کسی نماز کے بعد ایک حدیث اور اس کی مختصر تشریح یہ بہت ہی مؤثر و سہل ذریعہ ہے وعظ ونصیحت کا۔

معاملات ومعاشرت ومعیشت سنت و بدعت ورسم ورواج ہر اعتبار سے عوام الناس کو حق بات سمجھائیں اور عوام الناس کو غلط وباطل سے صحیح وحق پر لانے کی کوشش کریں اور ان کے لیے اللہ رب العزت سے دعا مانگتے رہیں کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ نے حکم دیا کہ:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝﴾ (الم نشرح:۷،۸)

امام کا مسجد میں درسِ قرآن دینا

قرآن مجید کو اللہ رب العزت نے انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے نازل کیا ہے اور اس کی ایک ایک آیت کے اندر ایسی تاثیر رکھی ہے جو طالبِ حق کی رہنمائی اور اس کے اندر انقلاب پیدا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے اس لیے مساجد کے ائمہ کرام کو چاہیے کہ روز ورنہ ہفتہ میں ایک دفعہ اپنی مساجد میں بھرپور طریقہ سے درسِ قرآن کا اہتمام کریں اور تجربہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ درسِ قرآن زیادہ مؤثر ونفع بخش ثابت ہو رہا ہے بنسبت یومیہ درسِ قرآن کے کہ اس کی وجہ سے لوگوں میں اہتمام وشوق باقی رہتا ہے۔ آج کل جتنے فتنہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ظاہر ہو رہے ہیں سب درسِ قرآن کا سہارا لے کر عام مسلمانوں کو فتنہ میں مبتلا کر رہے ہیں اور اس میں کمی ہمارے ائمہ کی بھی ہے کہ وہ اپنی مساجد میں درسِ قرآن کے عنوان کو

اہمیت نہیں دیتے اور بعض ائمہ جو درسِ قرآن دیتے بھی ہیں وہ بھی کوئی خاص تیاری سے نہیں دیتے جس کا خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا لہٰذا درسِ قرآن کے نظام کو مضبوط کرنے اور اعلیٰ سے اعلیٰ اس نظام کو چلانے کی بہت ضرورت ہے تاکہ قرآن کا پیغام سب انسان سمجھ سکیں اور تمام باطل فتنوں سے ہماری سادہ لوح عوام کی حفاظت ہوسکے۔

اور اگر امام مسجد یہ سمجھتا ہو کہ میں اس خدمت اور اس عظیم کام کو پورے طور پر انجام نہیں دے سکتا تو اسے چاہیے کہ کسی اور عالم باعمل شخص کو مقرر کرے جو ہفتہ میں ایک مرتبہ درسِ قرآن دے دیا کرے اور اپنے دیگر بیانات ومجالس میں عوام الناس کو اس کے فضائل سنا کر اس میں بیٹھنے کی ترغیب دی جائے اور محلّہ کے نمازیوں، مقتدیوں اور اراکین کمیٹی سب کو چاہیے کہ امام کے ساتھ اس سلسلہ میں بھرپور تعاون کریں۔ اور اس عظیم سلسلہ کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنیں نہ کہ رکاوٹ کا۔

دین کے احکام ومسائل سکھانے کی ذمہ داری

حدیث شریف میں آتا ہے۔ ''العلماء ورثة الانبیأ.''

علماء انبیاء کے وارث ہیں جس طرح ہر نبی اپنی قوم کے لیے داعی وھادی ومعلم ومصلح وامین وناصح وخیر خواہ ہوا کرتا تھا وارث انبیاء ہونے کی وجہ سے یہ تمام صفات ہر عالم وامام میں ہونی چاہیے کہ وہ مکمل خیر خواہی ورضائے الٰہی کے جذبہ کے ساتھ اپنے علاقہ ومحلّہ کے تمام انسانوں کی رشد وہدایت واصلاح وفلاح (کامیابی) کی مکمل فکر کرنے والا ہو اس سلسلہ میں اپنے علاقہ کے لوگوں کو دینی مسائل واحکام سے آگاہ کرنا اور دین کا اتنا علم سکھانا جس سے وہ حلال وحرام جائز وناجائز کی تمیز کرسکیں یہ بھی علماء وائمہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے محلّہ کے بچوں جوانوں بوڑھوں سب کو دین سیکھنے کا شوق دلائیں اور دین سیکھنے کا جذبہ ان کے اندر پیدا کریں آج کل بعض مساجد میں اسکول کی

تعطیلات (چھٹیاں) میں دو ماہ کا تربیتی کورس کروایا جاتا ہے اسی طرح بڑوں کے لیے ۴ ماہ کا کورس بھی ہو رہا ہے الحمدللہ اس کے مثبت نتائج سامنے آرہے ہیں الغرض جس طرح ممکن ہو لوگوں کو دین کے قریب لاکر ان کو دینی احکام ومسائل سکھائے جائیں۔

اور اس سلسلہ میں سب سے سہل وآسان ترتیب یہ ہے کہ اگر کسی بھی نماز کے بعد خصوصاً عصر کی نماز کے بعد دعا سے پہلے ایک مسئلہ بھی روز بتلا دیا جائے تو انشاء اللہ ایک سال میں تین سو ساٹھ مسئلہ ہو جائیں گے اور ایک مسئلہ کا سمجھنا وذہن نشین کرنا بھی آسان ہوگا۔

امام کا ماہانہ کا وظیفہ لینا

تمام انسانوں اور تمام مخلوقات کے رازق حق تعالیٰ اور اللہ کی ذات ہے اور وہ اپنے وعدہ کے مطابق سب کو روزی دیتا ہے اور پالتا ہے بشرطیکہ انسان کا اللہ کی ذات عالی پر توکل اعتماد ہو اور اسی کے خزانوں پر نظر ہو اس لیے ہم اللہ کے وعدوں کو اور نبی ﷺ کے ارشادات کو اپنا حرز جان بنائیں جو اخلاص ورضائے الٰہی کے جذبہ کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ واحیائے دین کے لیے محنت کرے گا اللہ اسے دنیا والوں سے اچھا کھلائیں گے اور عافیت کی روزی عطا فرمائیں گے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝٢ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق:۲،۳)

”جو اللہ سے ڈرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے نجات کی راہ نکالتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں کی اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔“

اور امامت پر تنخواہ لینے کا جہاں تک تعلق ہے اس کے بارے میں مفتی عبدالرحیم صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ فتاویٰ رحیمیہ میں لکھتے ہیں کہ اسلام میں منصب امامت کی بڑی

اہمیت ہے یہ ایک باعزت باوقار وعظمت اہم دینی شعبہ ہے اور امام اللہ رب العزت اور مقتدیوں کے درمیان قاصد وایلچی ہوتا ہے اس لیے جو سب سے بہتر ہو اس کو امام بنایا جائے۔۔۔۔اصلاً تو امامت پر اجرت وتنخواہ لینا جائز نہیں ہے کہ یہ طاعت ہے اور طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے مگر متاخرین فقہاء نے ضرورت کے پیش نظر اجرت ومشاہرہ لینے دینے کو جائز قرار دیا ہے۔[1]

اس لیے خادمین مسجد ومدرس وامام کو ان کی حاجت علمی قابلیت وتقویٰ وصلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے مشاہرۃ دینا چاہیے مسجد ووقف کی آمدنی میں گنجائش ہو تو اس میں سے اور اگر گنجائش نہ ہو تو مسلمانوں سے چندہ کر کے ان کی ضرورت کے مطابق مشاہرۃ کا انتظام کرنا چاہیے مفتی صاحب آگے اپنے فتویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں امام مسجد اگر حقیقتاً ضرورت مند ہو اور معقول مشاہرہ (تنخواہ) کے بغیر اس کا گزر بسر مشکل ہو رہا ہو تو مناسب انداز سے متولیان مسجد اور محلّہ کے بااثر لوگوں کے سامنے اپنا مطالبہ بھی پیش کر سکتا ہے اور ذمہ داران مسجد وبااثر لوگوں کو خود ہی اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔

البتہ اماموں کا ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے منصب امامت کی توہین لازم آتی ہو ہرگز جائز نہ ہوگا امام منصب امامت کے وقار وعظمت وقدر وقیمت کا محافظ وامین ہے ایسا طریقہ جس سے منصب امامت کی تذلیل وتنقیص لازم آتی ہو ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔انتہیٰ۔(فتاویٰ رحیمیہ)

حضرت مفتی صاحب کے اس فتویٰ سے یہ مستفاد ہوا کہ اصل تو یہ ہے کہ امامت طاعت ہے اور طاعت اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے لیکن پھر بھی متاخرین کے فتویٰ کے مطابق امام کے لیے امامت پر بقدر ضرورت تنخواہ لینا جائز ہے۔یعنی تنخواہ مقصود نہ ہو مقصود اللہ کی رضا کا جذبہ اور دین کی محنت ہو حضور ﷺ کی سیرت طیبہ اور سلف

---

[1] ردالمحتار میں ہے: ولا لأجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقة والأمامة والاذان. (۵۵/۶)

صالحین کے طرزِ عمل کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں متولیانِ مسجد اور دوسرے نمازیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ امام کے لیے مشاہرہ کا بندوست کریں اگر وہ از خود اتنا بندوست نہیں کرسکتے جو بقدرِ ضرورت کافی ہو تو امام کو اپنے لیے مطالبہ کرنے کا حق ہے لیکن طریقہ وانداز ایسا نہ ہو جس سے منصب امامت کی توہین لازم آتی ہو احسن طریقہ سے مطالبہ کیا جائے۔

نماز پڑھانے سے متعلق امام کی ذمہ داری

حضرت مولانا فضل الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں کہ امامت بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے اس کے لیے صلاحیت کے ساتھ بہت احتیاط کی ضرورت ہے حضور ﷺ نے فرمایا الامام ضامن۔ امام ذمہ دار ہے۔ (ترمذی: ۱/۵۱)

امام کی نماز اگر صحیح ہوگی تو مقتدیوں کی نماز بھی صحیح ہوگی اور اگر امام کی نماز فاسد ہوئی تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگی اور امام کی نماز اگر مکروہ ہوگی تو مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی اور سنن و مستحبات کے چھوڑنے کی وجہ سے ثواب میں کمی ہوئی تو اس کا وبال بھی امام کے سر پر ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"یصلون لکم فان اصابوا فلکم وأن اخطأوا فلکم وعلیھم." (بخاری: ۱/۹۶)

"ائمہ تم کو نماز پڑھائیں گے اگر ٹھیک اور درست پڑھائی تو تم کو اور ان کو پورا ثواب ملے گا اور اگر کوئی غلطی کی تو اس کا وبال ائمہ کے سر پر ہوگا اور تمہیں بھی نقصان ہوگا۔" انتہیٰ

اس لیے ائمہ کرام انتہائی احتیاط وانتہائی اہمیت کے ساتھ نماز کے معاملہ میں خاص خیال رکھیں کہ امامت اور اس کے مسائل باقاعدہ ایک سیکھنے کی چیز ہے فقہائے کرام نے اس کے لیے اپنی کتابوں میں مستقل عنوان قائم کیا ہے لہٰذا مکمل توجہ کے ساتھ امامت کو

سیکھا جائے اور اس ذمہ داری کو نبھایا جائے تاکہ اپنی نماز اور مقتدیوں کی نماز صحیح اور سنت کے مطابق ہو جائے اور ہر قسم کی غلطی سے بچایا جا سکے۔ اس سلسلہ میں مولانا قاری محمد رفعت قاسمی کی کتاب امامت کے مسائل بہتر کتاب ہے۔

صفوں کی نگرانی

مصلّیٰ پر پہنچتے ہی امام کو دیکھنا چاہیے کہ صفیں درست اور مرتب ہیں یا نہیں اور شریعت کے قوانین پر پوری اترتی ہیں یا نہیں ویسے تو مقتدی کی اپنی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ شرعی ہیئت کے ساتھ کھڑے ہوں مگر امام کا بھی فریضہ ہے کہ وہ نگرانی کرے حضور ﷺ نے اس کی برابر تاکید فرمائی اور کبھی بھی صف کی ناہمواری برداشت نہیں فرمائی بلکہ بذات خود آپ صفوں کو درست اور برابر فرماتے اور صفوں کے نادرست و سیدھا نہ ہونے پر ناراضگی کا اظہار فرماتے اور صفوں کی درستگی سے مطمئن ہونے کے بعد نماز شروع فرماتے۔

نعمان بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوى يعنى صفوفنا اذا قمنا للصلاة واذا استوينا كبرّ." (ابوداؤد: ۱/۱۰۴)

"کہ آپ ﷺ ہماری صفوں کو برابر فرماتے تھے جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور جب ہم برابر ہوتے تو آپ علیہ السلام تکبیر کہتے تھے۔"

نیز نعمان بن بشیر سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لتسون صفوفكم اويخالفن الله بين وجوهكم."

(ابوداود: ۱/۱۰۴)

"کہ اپنی صفوں کو درست کرو ورنہ تمہارے چہروں کو اللہ تعالیٰ پھیر دیں

گے۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

"ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا قام الی الصلاۃ اخذہ بیمنیہ ثم التفت فقال اعتدلوا سووا صفوفکم ثم أخذہ بیسارہ فقال اعتدلوا سووا صفوفکم."

(ابوداؤد:۱/۱۰۵)

"کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے دائیں طرف متوجہ ہوکر فرماتے ٹھیک طور پر کھڑے ہوجاؤ اور اپنی صفوں کو درست کرلو اور پھر بائیں طرف متوجہ ہوکر فرماتے درست ہوجاؤ اور اپنی صفوں کو درست کرو۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اقیمو الصفوف وحاذوابین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفا وصلہ اللّٰہ ومن قطع صَفًّا قطعہ اللّٰہ."

(ابوداؤد:۱/۱۰۴)

"صفوں کو درست کرو اور اپنے کندھوں کو ایک دوسرے کے قریب کرو اور خالی جگہوں کو پر کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجاؤ اور شیطان کے لیے (صفوں کے بیچ میں) کشادگی مت چھوڑو اور جو صف میں جڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جوڑتا ہے اور جو صف کو کاٹتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دور کرے گا۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

"عن نافع ان عمر بن الخطاب کان یأمر بتسویۃ الصفوف

فاذا جاءنا فاخبروہ ان قد استوت کبرّ.'' (موطأ امام مالک:۱۴۲)

''کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفوں کی درستگی کا حکم دیا کرتے تھے جب ان کو صفوں کی درستگی کی اطلاع دی جاتی تو پھر تکبیر کہتے۔''

صفوف کا درست ہونا نماز کے کمال میں سے ہے صفیں جس قدر سیدھی وہموار ہوں گی اور نمازی جتنا مل کر کھڑے ہوں گے اسی قدر نماز میں کیف ونشاط پیدا ہوگا اور باہمی اجتماعیت کا مظاہرہ ہوگا اس لیے ائمہ کرام کو صفوں کی درستگی اور صفوں کے درمیان خلاء نہ ہونے کا مکمل اہتمام کرانا ضروری ہے۔

نماز سنت کے مطابق پڑھائیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صلّوا کما رأیتمونی أصلی.'' (بخاری:۱/۸۸)

''مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو۔''

حضرت مولانا رفعت قاسمی مسائل امامت میں تحریر فرماتے ہیں نماز پڑھانے والوں کو اس کا بہت اہتمام کرنا چاہیے کہ نماز سنت کے مطابق پڑھائیں اس لیے کہ قبولیت کے لیے اولین شرط سنت کے ساتھ مطابقت ہے اسی طرح ائمہ کرام مقتدیوں کو نماز کے مسائل سمجھائیں اور ان سے کہیں کہ ایک آدمی نماز پڑھے محنت کرے وقت بھی خرچ کرے لیکن وہ نماز فاسد ہو اس میں واجب چھوٹ رہا ہو یا سنت ادا نہ ہو رہی ہو جس کی وجہ سے غیر مقبول ہو تو یہ بڑے خسارہ کی بات ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اگر نماز ٹھیک نکلی تو وہ آدمی کامیاب اور بامراد ہوگا اور اگر نماز خراب نکلی تو وہ آدمی ناکام ونامراد ہوگا۔

اس حدیث میں خسارہ اور ناکامی کی وعید نماز پڑھنے پر نہیں ہے بلکہ نماز کے ٹھیک

اور درست نہ ہونے پر ہے اس لیے نمازیوں کو اس کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ ان کی نماز رسول اللہ کے طریقہ کے مطابق ہے یا نہیں۔ (مسائل امامت: ۱۶۸)

فرض نماز کے بعد دعا

فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنے کی بڑی فضیلت ہے اور یہ قبولیتِ دعا کا وقت ہے اور اس کا مسنون و افضل طریقہ یہ ہے کہ امام و مقتدی دونوں آہستہ دعا مانگیں یہ طریقہ اخلاص سے بھرا ہوا خشوع و خضوع عاجزی والا نیز دل پر اثر انداز قبولیت کے قریب اور ریا کاری سے دور ہے کہ دعا میں اصل اخفاً (آہستہ دعا مانگنا) ہے ارشادِ باری ہے:

﴿ٱدْعُوا۟ رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ۝٥٥﴾ (اعراف: ۵۴)

ترجمہ: ''اے بندو اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے رہو بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس آیت میں اللہ رب العزت نے دعا کے آداب بیان فرمائے۔''

① ...... دعا عاجزی و گریہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔

② ...... دعا آہستہ مانگنی چاہیے نیز حدیث شریف میں ہے۔ ''خیرا الدعاء الخفی'' بہتر دعا خفی (آہستہ) ہے۔ امام رازی و امام بیضاوی و تفسیر روح البیان و مظہری وغیرہ تفاسیر میں دعا میں اخفاء کو اصل و افضل قرار دیا ہے اسی طرح فقہاء نے اپنے فتاویٰ میں آہستہ دعا کرنے کو اصل و سنت قرار دیا ہے۔

① ...... لہٰذا قرآن و حدیث کی روشنی میں مفسرین محدثین فقہاء کے اقوال سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ امام و مقتدی و منفرد ہر ایک کے لیے آہستہ دعا مانگنا افضل ہے امام کا زور سے دعا مانگنے کی عادت بنا لینا خلافِ اولیٰ و مکروہ ہے روایات میں جہراً دعا مانگنا ثابت نہیں۔ (از فتاویٰ رحیمیہ: ۳۲۷)

④......اگر مقتدیوں کو دعا سکھلانا مقصود ہو تو کبھی کبھی بلند آواز سے دعا مانگنا بھی جائز ہے۔[۱]

③......دعا میں مقتدی کا شرکت کرنا مستحب ہے لیکن اگر مقتدی کو کچھ ضرورت ہے کوئی ضروری کام ہے تو اس کے سلام کے فوراً بعد چلے جانے میں کوئی گناہ نہیں اور اس پر کوئی طعن نہیں کرنا چاہیے اور اگر وہ دعا کے ختم تک انتظار کرے تو یہ اچھا ہے۔

⑤......نماز کے بعد مقتدی جو چاہے دعا مانگے یہ ضروری نہیں کہ امام کی دعا پر آمین کہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم:۲/۲۰۱)

لہٰذا اماموں کو چاہیے کہ سنت کی عظمت واہمیت کو پہچانیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں آجکل فرضوں کے بعد اجتماعی دعا کا ایسا طریقہ رائج ہوا ہے کہ لوگ اسے نماز کی سنت سمجھنے لگے ہیں اور اسی طرح دعا نہ کرنے والوں کو ملامت کا ہدف بنایا جاتا ہے اور باقاعدہ زور سے دعا مانگنے پر اصرار کیا جاتا ہے حالانکہ جن نمازوں کے بعد سنتِ مؤکدہ ہیں ان میں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ امام فرائض کے سلام کے بعد سنتوں کے لیے کھڑا ہو جائے اس میں "اللھم انت السلام" سے زیادہ تاخیر مکروہ ہے اور جو اوراد واذکار فرضوں کے بعد کے منقول ہیں وہ سنتوں کے بعد کے ہیں۔

البتہ فجر وعصر میں طویل دعا مانگی جاسکتی ہے لیکن اس میں بھی اجتماعی دعا کا اہتمام اور جہر کا التزام روایات سے ثابت نہیں بلکہ دعا میں اصل اخفاء ہے لہٰذا فجر وعصر کے بعد بھی سراً (آہستہ) دعا مانگی جائے۔

ائمہ کی جانب سے دعا بالجہر کا اتنا اہتمام کہ اس کو لازمی وضروری سمجھا جانے لگے درست نہیں ہے مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں امام کا زور سے دعا مانگنا بھی

---

[۱] فتاویٰ بزازیہ میں ہے: يدعوا الامام جهراً لتعليم القوم و يخافته القوم اذا تعلم القوم يخافت هو ايضاً وان جهر فهو بدعة. (فتاویٰ بزازیہ مع الہندیہ:۴/۴۲)

فتح الباری میں ہے: والمختار ان الامام والماموم يخفيان الذكر الا ان احتيج الى التعليم. (فتح الباری:۳/۲۸۲)

مکروہ ہے اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے اولویت و بہتری اس کے خلاف میں ہے۔

(از رحیمیہ: ۴/ ۳۳۱)

اس لیے ائمہ کرام کو چاہیے کہ اولاً نرمی اور احسن طریقہ سے لوگوں کو مسئلہ سمجھائیں دعا آہستہ ہو اور کبھی کبھی مقتدیین کو سکھلانے کی نیت سے زور سے ہو جائے اور کبھی صرف انفرادی دعا ہو تا کہ عوام کے سامنے صحیح و سنت طریقہ بھی آ جائے اور اس کے مطابق عمل بھی ہو جائے البتہ اس مسئلہ میں اتنا تشدد و غلو کہ نماز کے بعد دعا کو بالکلیۃ بدعت قرار دینا اور بالکل اس کو رد کر دینا یا اس کو اتنا لازمی و ضروری سمجھنا کہ نہ کرنے والے کو ہدفِ ملامت بنانا اور امام کو جہراً دعا کرنے پر مجبور کرنا یہ سب امور خلافِ شریعت ہیں اس معاملہ میں اعتدال سے کام لیں کہ کوئی چیز ضروری و فرض نہیں کہ اس کے ہونے یا نہ ہونے سے نماز میں کوئی فرق آئے نماز سلام پر ختم ہو جاتی ہے امام و مقتدی کا تعلق سلام پر منقطع ہو جاتا ہے اس لیے سنت و صحیح طریقہ کو رائج کرنے کی کوشش کی جائے۔
فقط واللہ اعلم

دعا کے ختم پر کلمہ کہنا

دعا کے آخر میں آمین اور درود شریف کے علاوہ کچھ پڑھنا ثابت نہیں اس لیے منہ پر ہاتھ پھیرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنے کا دستور بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/ ۳۲۷)

نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرنا

مصافحہ و معانقہ اپنے وقت پر مسنون ہیں اور شریعت میں مصافحہ کا وقت ملاقات کا شروع ہے نہ کہ نمازوں کے بعد ملا علی قاری فرماتے ہیں شرعی مصافحہ کا وقت شروع ملاقات کا وقت ہے لوگ بلا مصافحہ ملتے ہیں علمی باتیں کرتے ہیں پھر جب نماز پڑھ لیتے ہیں اس وقت مصافحہ کرتے ہیں یہ کہاں کی سنت ہے۔ (مرقاۃ: ۴/ ۵۷۵)

لہٰذا نمازوں کے بعد امام مصافحہ سے اجتناب کرے مگر ایسا طریقہ اختیار نہ کرے

جس سے لوگوں میں غصہ اور نفرت پھیلے ملا علی قاری فرماتے ہیں جب کوئی مسلمان بے موقعہ مصافحہ کے لیے ہاتھ دراز کرے تو ہاتھ کھینچ کر اس کا دل نہ دکھائے اور بدگمانی کا سبب نہ بنے آہستگی سے سمجھائے مسئلہ کی حقیقت سے آگاہ کرے۔

(از فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۷۳)

لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جہاں نماز کے بعد امام سے تمام مقتدیوں کے مصافحہ کرنے کا رواج ہو اگر نماز کے بعد کسی مقتدی کو امام سے کوئی کام ہے تو چونکہ وہ اس کی امام کے ساتھ اوّل ملاقات ہے لہٰذا پہلے وہ مصافحہ وسلام ہی کرے یہ اس مذکورہ طریقہ میں داخل نہیں جو کہ بدعت ہے بلکہ یہ مصافحہ بروقت ہے۔

امامت کے مکمل مسائل و جزئیات و امام کے اوصاف و ذمہ داریوں کے لیے ملاحظہ کیجیے:

① مولانا رفعت قاسمی صاحب کی کتاب امامت کے مسائل
② مفتی حنیف صاحب کی کتاب تحفۃ الائمہ
③ نیز مستند مفتیان کرام کے فتاویٰ جات

جزاکم اللہ خیراً

امامت کے بقیہ مسائل

امامت کے لیے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے اگر کوئی دوسرا شخص اس ذمہ داری کو اس کی جگہ اٹھانا چاہتا ہے تو اس سے اس معاملہ میں نہ جھگڑے اکابرِ ملت اور سلفِ صالحین کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے امام بننے سے اپنے آپ کو بچایا اور اپنے بجائے ایسے لوگوں کو امامت کے لیے بڑھا دیا جو بزرگی اور تقویٰ میں ان کے برابر نہیں تھے۔

اس طرزِ عمل سے ان کے مقصد یہ تھا کہ خود ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں امامت میں ان سے کوئی قصور و کوتاہی نہ ہو جائے۔

(غنیۃ الطالبین: ۸۶۵)

امام کی تقرری میں اگر اختلاف ہو جائے

اگر کسی کو امام مقرر کرنے میں اہلِ مسجد کے دو فریق (گروہ) ہو جائیں ایک فریق ایک امام کو چاہتا ہے دوسرا دوسرے امام کو تو جس فریق کا تجویز کردہ امام زیادہ لائق و راجح ہوگا تو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہوگا اور اگر دونوں امام برابر کے لائق ہوں تو اکثریتِ رائے کا اعتبار ہوگا جس امام کے متعلق رائے اکثر ہوگی وہ امام راجح ہوگا۔ (از عالمگیری)

کیا امام کو چھٹی کا حق حاصل ہے

شامی کتاب الوقف میں ہے کہ امام کے لیے اپنی ضروریات یا راحت کے لیے ایک ہفتہ یا اس کے قریب یعنی پندرہ دن سے کم تک غیر حاضری عرفاً و شرعاً جائز ہے پھر آگے تصریح ہے کہ سال بھر میں ہفتہ دو ہفتہ غیر حاضری ہو تو معاف ہے۔ لہٰذا اس سے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ امام کی کبھی کبھی غیر حاضری معاف ہوگی۔ (از فتاویٰ دار العلوم: ۳/۸۴)

غیر حاضری کے زمانہ کی تنخواہ

جس قدر غیر حاضری عرفاً معروف ہو یعنی پندرہ دن سے کم تک تو اس صورت میں المعروف کالمشروط کے قاعدہ کے تحت اس کی تنخواہ لینا درست ہے اور امامت بھی درست ہے تنخواہ کاٹنا جائز نہیں ہاں اگر وہ مہینہ سے زائد کی چھٹی لے کر چلا جائے تو اس صورت میں یہ معاملہ معاہدہ پر ہوگا اگر غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ طے پائی ہے تو لینا درست ہے ورنہ نہیں۔[1]

کیا امام چوبیس گھنٹہ کا پابند ہے

امام و مؤذن جو تنخواہ لیتے ہوں وہ اجیر کے حکم میں ہیں لہٰذا اگر امام و مؤذن سے

---

[1] شامی میں ہے: امام یترک الامامة لزیارة اقرباء ه فی الرساتیق أسبوعاً او نحوه او لمصیبة أو لاستراحة لابأس به و مثله عفو فی العادة و الشرع. (۴/۴۱۹)

متولی کا چوبیس گھنٹے کا معاہدہ ہوا ہو تو اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا اور اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تو ایسی پابندی ظلم و ناجائز ہے۔

امام سے اگر مقتدی ناراض ہوں

حدیث شریف میں آتا ہے کہ تین آدمی کی نماز ان کے کانوں سے بھی تجاوز نہیں ہوتی ان میں ایک وہ امام ہے کہ لوگ اس سے ناراض ہوں۔ (مشکوۃ: ۱۰۰)

فتاویٰ شامی میں ہے کہ اگر کوئی شخص امامت کرتا ہے اور نمازی اس سے کراہیت کرتے ہیں یعنی اس کو امامت کے لیے پسند نہیں کرتے اور اس ناگواری کی وجہ امام میں کوئی خرابی ہے یا اس سے افضل و اعلیٰ شخص موجود ہے جو اس سے زیادہ امامت کا مستحق ہے تو اس کی امامت مکروہِ تحریمی ہے اور اگر کوئی ایسی بات نہ ہو بلا وجہ لوگ اس سے کراہیت کرتے ہوں تو اس کراہیت کا وبال نمازیوں پر ہوگا۔ (شامی: ۱/۵۲۲)

لہٰذا اگر امام کی کسی خرابی یا کسی شرعی و معقول عذر کی وجہ سے مقتدی امام سے ناراض ہوں تو ایسے امام کو امامت چھوڑ دینی چاہیے اس بارے میں جھگڑا کرنا اور اپنے آپ ہی کو امامت کا مستحق سمجھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ (از رحیمیہ: ۴/۱۴۹)

مقررہ وقت سے پہلے نماز پڑھانا

نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے نماز پڑھانا تو کسی حال میں جائز نہیں اور اگر نماز کا وقت تو داخل ہو گیا لیکن کسی عارض کی وجہ سے وقتِ مقررہ سے دو چار منٹ پہلے امام نے نماز پڑھا دی اور جماعت کے پابند نمازی بھی آ چکے تھے تو اس میں مضائقہ نہیں اگر جماعت کے پابند نمازی نہیں آئے تھے تو وقتِ مقررہ تک ان کا انتظار کیا جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۱۳۷)

کیا امام پر متعین وقت کا اہتمام ضروری ہے

حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک اور قرونِ اولیٰ میں نیز حضرات فقہائے کرام

کے دور میں نہ دنیوی مشاغل زیادہ تھے اور نہ ہی گھڑیاں تھیں اس لیے جماعت کا یہ اصول رہا کہ وقت ہو جانے کے بعد اذان ہو جاتی اور اس کے بعد نمازیوں کا اجتماع ہو گیا جماعت ہوگئی اس زمانے میں ایک طرف دنیوی مشاغل میں مصروفیت انہماک اور دوسری جانب دین سے غفلت اور بے اعتنائی کے پیش نظر گھڑیوں کی سہولت سے استفادہ ضروری ہو گیا لہٰذا آجکل کے حالات کے پیشِ نظر گھڑی سے وقت کا تعین اور امام کے لیے وقتِ معین کی پابندی ضروری ہے۔

حضور علیہ السلام اور صحابہ کے زمانہ میں لوگوں کے اجتماع کو ملحوظ رکھا جاتا تھا اب چونکہ گھڑی کے معین وقت پر ہی نمازی جمع ہوتے ہیں لہٰذا مناسب یہ ہے کہ معین وقت سے تاخیر نہ کی جائے اس کے علاوہ پہلے زمانہ کے امام تنخواہ نہیں لیتے تھے اور اس زمانہ کا امام عموماً تنخواہ دار اجیر ہوتا ہے اس لیے بھی اس پر متعین وقت کی پابندی لازم ہے البتہ نمازیوں کو ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

❶ ...... اگر بمقتضائے بشریت (انسان ہونے کے ناطے) چار پانچ منٹ تاخیر ہو جائے تو بے صبری و چیخ و پکار کے بجائے صبر و تحمل سے کام لیں اور اس تاخیر کو کسی عذر پر محمول کر کے زبان درازی و طعن سے پرہیز کریں۔

❷ ......اگر امام ہمیشہ تاخیر سے آنے کا عادی ہو تو اس کو اچھے اور نرم انداز میں سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

❸ ......اگر سمجھانے کے باوجود بھی امام کی روش نہیں بدلتی تو منتظمہ امام کو معزول کر سکتی ہے مگر اس صورت میں بھی امام کے متعلق بدگمانی اور اس کی غیبت ہرگز جائز نہیں۔

(احسن الفتاویٰ: ۳/۳۰۱)

نماز کے اوقات متعین کرنے کا حق

نماز کا وقت متعین کرنے اور اس میں ردّ و بدل کرنے کا حق امام کا ہے دوسرے حضرات (متولی) وغیرہ امام کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب مشورہ دے سکتے

ہیں زبردستی کرنا مناسب نہیں البتہ امام صاحب نماز کا وقت مقرر کرنے میں نمازیوں کی بھی سہولت کا خیال رکھیں اور نیز یہ مقرر کرنے کا حق امام کو اس وجہ سے ہے کہ نماز کا وقت مقرر کرنے کے لیے نماز کے وقت کی ابتداء وانتہا کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اس چیز کو اہل علم بخوبی سمجھ سکتے ہیں اس لیے اس ردوبدل کے لیے امام صاحب ہی زیادہ موزوں ہیں سب ان کو اپنا امیر اور بڑا سمجھیں۔

اذان وجماعت کے درمیان فاصلہ

اذان وجماعت میں اتنا فاصلہ رکھا جائے کہ نمازی اپنی حاجت طبعی وغیرہ سے فارغ ہوکر نماز میں شریک ہوسکیں اور جماعت کے افراد زیادہ ہوجائیں اس کا بھی خیال رکھا جائے۔

مقتدیوں پرامام کے اعتبار سے ذمہ داریاں

ہر عالم حافظ قرآن متقی پرہیزگار کی قدر وعظمت کرنا اس کا احترام واکرام کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں حاملین قرآن ومحافظین دین ہیں ان کا اعزاز واکرام وتوقیر (عظمت) کرنا انتہائی ضروری ہے احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”اکرموا حملة القرآن فمن اکرمهم فقد اکرمنی“

”حاملین قرآن کی عزت کیا کرو جس نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی۔“ (الجامع للسیوطی:۱/۴۵)

اسی طرح حدیث شریف میں ہے جو چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا بڑوں کی عزت نہیں کرتا عالموں کا حق نہیں پہچانتا وہ ہم میں سے نہیں۔

آجکل مسجد کے امام وموذن کو اپنے سے درجہ میں کم تر سمجھا جاتا ہے اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور محلہ والے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بے چارہ غریب ہمارا محتاج

ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ فقیروں والا سلوک کیا جاتا ہے حالانکہ وہ عالم وحافظ قرآن ہے اتنے اہم علم کو اس نے اپنے سینے میں محفوظ کیا ہے اور اس علم کی روشنی میں وہ تمام اہل محلّہ کی ہدایت کی فکر کرتا ہے اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرتا ہے ان کو دینی مسائل سے آگاہ کرتا ہے ان کے بچوں کو قرآن جیسی عظیم ونفع مند تعلیم دیتا ہے لیکن چونکہ دین کی اہمیت وعظمت وقدر وقیمت دل میں نہیں دینار روپیہ پیسہ مال کی قدر وقیمت دل میں ہے اس وجہ سے دین واہل دین کی بے اکرامی بگاڑ بدامنی وقتل وغارت گری وفساد کی صورت میں نکلتا ہے پھر جب کوئی پریشانی آتی ہے تو دوڑتے ہوئے اسی مولوی کے پاس آتے ہیں دعا کردو وظیفہ بتادو تعویذ دے دو اور اس کے پاس آنے میں اپنے مسائل کا حل سمجھتے ہیں حالانکہ وہی مولوی بیچارہ پہلے برا تھا پھر بھی علماء کا ظرف دیکھو بغیر طعن وتشنیع کے اپنے پرائے سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اور ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں بہر حال یہ تو نیابت نبوت کی وجہ سے علماء کی ذمہ داری ہے کہ سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں لیکن مقتدی وعوام الناس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی مسجد کے ائمہ کرام سے بھرپور تعلق رکھیں ان کا اکرام واحترام کریں حتی المقدور ان کی خدمت کریں ان سے دینی علم حاصل کریں اور مندرجہ ذیل امور کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔

❶ ...... امام وعالم کی عزت وتوقیر کی جائے اس کی ہتک وتوہین وبے عزتی سخت گناہ ہے۔

❷ ...... اپنے تمام دینی مسائل میں امام وعالم کی طرف رجوع کیا جائے اور ان سے پوچھ پوچھ کر زندگی گزاری جائے البتہ مسائل معلوم کرنے میں ان کی فراغت کا خیال رکھا جائے آرام کے وقت یا دیگر مصروفیت میں خلل انداز نہ ہوا جائے۔

❸ ...... امام بھی دیگر انسانوں کی طرح ایک انسان ہے اس سے بھی خطاء وغلطی واقع ہوسکتی ہے اگر کوئی غلطی امام سے ہوجائے تو اکیلے میں چھوٹا بن کر اس سے اس کی غلطی کو

بیان کر دیا جائے اگر نماز ہی کی کوئی غلطی ہے تو پوری مسجد میں شور مچانے کے بجائے امام کے قریب جا کر اس کو بتا دیا جائے وہ مسئلہ کو زیادہ بہتر جانتا ہے جو بھی صورتحال ہوگی وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

❹ ...... اگر امام کسی کبیرہ گناہ میں ملوث پایا جائے تو اس کی تشہیر اور امام کی تذلیل نہ کی جائے بلکہ ذمہ داران علیحدہ سے امام کو سمجھا دیں اگر امام اس سے رک جائے اور توبہ کرے تو بہت اچھا اور اگر سمجھانے کے باوجود وہ اپنے اس گناہ پر قائم رہے تو خاموشی و پیار و محبت سے اسے امامت سے معزول کر دیا جائے۔

❺ ...... غیبت عیب جوئی چغل خوری کسی مسلمان کی ویسے بھی حرام ہے پھر امام جس کے پیچھے پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں اس کی غیبت وغیرہ کرنا سخت ترین گناہ ہے اس سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے۔

❻ ...... اگر امام کی کوئی نامناسب بات سامنے بھی آئے تو مناسب تاویل کر کے اس سے چشم پوشی کی جائے آجکل لوگ سمجھتے ہیں کہ امام تو فرشتہ ہے اس سے تو کوئی غلط بات صادر ہو ہی نہیں سکتی اگر کوئی ذراسی بات بھی نظر آجائے تو اس کو ایسا اچھالتے ہیں کہ الامان والحفیظ محلّہ کا ہر فرد خواہ وہ نمازی ہو یا نہ ہو امام کے پیچھے لگ جاتا ہے امام کے ساتھ یہ سلوک بالکل نامناسب ہے اگرچہ امام کو مکمل احتیاط و اہتمام کرنا چاہیے کہ وہ عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ایک بہت بڑے منصب پر فائز ہے اس لیے وہ ہر گناہ والی بات و نامناسب چیزوں سے بچے تاکہ لوگوں کو زبان درازی کا موقعہ ہی نہ ملے تاہم پھر بھی اگر انسان ہونے کی حیثیت سے نامناسب بات صادر ہو جائے تو بھی حتی الامکان اس کو چھپانے و دبانے کی کوشش کی جائے برملا اس کو بیان نہ کیا جائے اور اس کی وجہ سے امام کی حقارت و نفرت دل میں نہ آئے ہاں اگر وہ کسی غلط بات پر مصر ہو تو اس کا حکم لکھ دیا گیا۔

❼ ...... امام کی ضرورت و حاجت کا حتی الامکان خیال رکھیں کہ اس نے اپنی تمام

تر مصروفیات و مشغولیات کو آپ کے لیے وقف کر دیا ہے اور پنجوقتہ نماز پڑھانے کی وجہ سے وہ آپ کا پابند ہے اور آپ کے اور اللہ کے درمیان ایک واسطہ ہے لہٰذا اپنا فائدہ اور اپنی ضرورت سمجھتے ہوئے امام کے ساتھ حتی المقدور تعاون کرنا یہ مقتدیوں کی ذمہ داری ہے اسی طرح متولی و مسجد کمیٹی کی ذمہ داری ہے کہ امام کو حسب وسعت اتنا مشاہرہ دیں کہ اس کی ضرورت بآسانی پوری ہو سکے اگرچہ امام کی مکمل توجہ اللہ کی ذات عالی کی طرف ہو لوگوں سے مکمل استغناء ہو عوام سے کچھ بھی لینے کی نیت نہ ہو نہ سوال ہو نہ اشراف ہو صرف اللہ رب العزت کی رضا کے لیے خدمت کا جذبہ ہو لیکن مقتدی اور متولی کی ذمہ داری ہے کہ وہ امام کی ہر ضرورت کا مکمل خیال رکھیں اور اس خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھیں کہ اللہ نے اپنے نیک بندوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے احسان بالکل نہ جتلائیں۔

❽ ......امام و مؤذن کو اپنا نوکر نہ سمجھیں بعض اوقات متولیان مسجد یا بعض مقتدی امام و مؤذن کے ساتھ ایسا نامناسب سلوک کرتے ہیں کہ گویا جیسے کہ وہ ان کا نوکر و خادم ہے اور ان کا ساتھ حاکمانہ برتاؤ کرتے ہیں بعض دفعہ اپنے ذاتی کاموں کے لیے بھی ان کو استعمال کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ ہماری مرضی کے مطابق کام کریں اگرچہ وہ خلاف شرع ہی کیوں نہ ہو یہ سب باتیں نامناسب اور اپنے لیے نقصان دہ ہیں لہٰذا امام کے ساتھ مکمل عزت اور احترام سے پیش آئیں ہر موقعہ پر ان کا ادب ملحوظ خاطر رکھیں۔

اذان کی شرعی حیثیت

اذان ایک عبادت اور مہتم بالشان اسلامی شعار (علامت) ہے اور مسجد کے اجتماع میں اذان کو بڑا دخل ہے اور یہ ایک ایسا شعار دین ہے جس کی وجہ سے وہ جگہ جہاں اذان ہوتی ہے وہ دارالاسلام کے حکم میں آجاتی ہے اور جو علاقہ والے اذان دینا چھوڑ دیں ان سے قتال اور جہاد کا حکم ہے چنانچہ ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ لکھتے ہیں۔ کہ بلا شبہ اذان

شعائر اسلام ہے اور اس کا چھوڑنا جائز نہیں اگر اہل شہر اس کے چھوڑنے پر اجماع کرلیں تو سلطان ان سے لازمی طور پر قتال کرے گا۔[1]

ابن الہمام فرماتے ہیں کہ ترکِ اذان پر اتفاق چونکہ ان کی طرف سے دین کا استخفاف (ہلکا سمجھنا) ہے اور دین کے علَم (جھنڈا) کو گرانا ہے اس لیے کہ اذان دین کی نشانیوں میں سے ہے۔[2]

اذان ایک دعوت ہے

اذان شعبہائے نبوت میں سے ایک شعبہ ہے اس لیے کہ اذان کے ذریعہ ایک عظیم الشان عبادت اور ایک مہتم بالشان رکن کی طرف ترغیب و دعوت دی جاتی ہے خیر و بھلائی اس کے ذریعہ متعدی (آگے بڑھتی ہے) ہوتی ہے اور اللہ کا کلمہ بلند ہوتا ہے جس سے شیطان بے تحاشہ بھاگتا ہے۔

اذان سے شیطان بھاگتا ہے

اذان چونکہ مسجد میں نمازیوں کے آنے کے لیے دعوت ہے اور شیطان ہر نیک کام کا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرے اس لیے اللہ رب العزت نے اذان میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ اس سے شیطان پناہ مانگتا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول ان الشیطان اذا سمع النداء بالصلاة ذهب حتی یکون مکان الروحاء." (مشکوۃ:٦٦)

---

[1] فتح الباری میں ہے۔ ان الاذان شعائر الاسلام وانه لا یجوز ترکه وان اهل بلد اجتمعوا علی ترکه کان للسلطان قتالهم علیه. (فتح:۲/۷۹)

[2] فتح القدیر میں ہے: الاجتماع علی ترکه من استحفافهم بالدین یخفض اعلامه لان الاذان من اعلام الدین. (فتح القدیر:۱/۳۰۹)

کہ میں نے آپ علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب شیطان نماز کی اذان سنتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ مکان روحاء پر آ کر رکتا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ مقام روحاء مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اذان سنتے ہی وہ پریشان اور گھبرا کر چلتا بنتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اذان سن نہ سکے اذان جب ختم ہوتی ہے تو پھر پلٹ کر آتا ہے تکبیر کے وقت پھر چلتا بنتا ہے اس کے بعد پھر آ کر وسوسہ پیدا کرتا ہے اور بھولی ہوئی بات یاد کراتا ہے یہاں تک کہ نماز کی رکعتوں کی تعداد میں احتمال میں پڑ جاتا ہے کہ کتنی رکعت ہوئیں۔ (مشکوۃ:۶۴)

اس حدیث کو نقل کر کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اعتراض و جواب دیا ہے کہ شیطان اذان سے تو بھاگتا ہے مگر کیا وجہ ہے کہ تلاوت قرآن و نماز سے نہیں بھاگتا حالانکہ ان دونوں کا درجہ نسبتاً بڑھا ہوا ہے: جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کلمات اذان میں ایک ایسی عظمت وہیبت رکھی ہے جو اس کو خوف زدہ و مرعوب کر دیتی ہے پھر اذان نماز سے کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ نماز کا تتمہ ہے ہاں البتہ اتنی بات ہے کہ اس میں عجب وریا نہیں بخلاف نماز و تلاوت قرآن کے کہ دونوں اپنی بے پناہ فضلیت کی وجہ سے آدمی کو عجب وریأ میں ڈال دیتی ہیں جس سے شیطان کو وسوسہ کا راستہ مل جاتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات:۱/۱۷۶)

حافظ ابن حجر نے بھی اس سلسلہ میں مختلف جوابات نقل کئے ہیں وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ شیطان اذان سے اس لیے بھاگتا ہے کہ قیامت کے دن مؤذن کے حق میں گواہی نہ دینی پڑے کیونکہ جو بھی مؤذن کی آواز سنتا ہے آدمی ہو یا جن اس کو گواہی دینی پڑے گی اور بعض کہتے ہیں کہ اذان سے متنفر ہو کر بھاگتا ہے۔ (فتح الباری:۲/۵۸)

اذان کی ابتداء

مسلمانوں کو نماز کے لیے کیسے جمع کیا جائے اس مسئلہ پر نبی علیہ السلام کے زمانہ

میں مشورہ ہوا جس مجلس مشاورت میں صحابہ کرام کے علاوہ خود آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے ہرایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی کسی نے کہا کہ آگ روشن کردی جائے کسی نے نرسنگھا پھونکنے کی تجویز پیش کی کسی نے ناقوس بجانے کا مشورہ دیا آپ نے ان مشوروں میں سے کسی کو منظور نہیں فرمایا کیونکہ ان میں سے ہرایک میں غیر کے طریقہ کی پیروی تھی کہ آگ جلانا مجوس کا طریقہ ہے یہود نرسنگھا پھونکتے ہیں عیسائی ناقوس بجاتے ہیں کوئی بات طے ہوئی بغیر مجلس برخاست ہوگئی صحابہ متفکر پریشان تھے اسی اثناء میں حضرت عبداللہ بن عبدربہ نے خواب دیکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے ہے یہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا کہ ناقوس فروخت کروگے اس نے مقصد دریافت کیا اس کا کیا کروگے انہوں نے کہا کہ اس سے نمازیوں کو نماز کے لیے بلاؤں گا اس نے کہا تم کہو تو تم کو اس کام کے لیے اس سے اچھی شکل بتادوں انہوں نے کہا کہ اچھا سکھادو اس نے اذان و اقامت کے مرتب کلمات بتا دیے یہ جب نیند سے بیدار ہوئے آپ کی خدمت میں آئے واقعہ بیان کیا آپ علیہ السلام نے خواب کی تصدیق فرمائی اور فرمایا (انها لرؤيا حق ان شاء الله) کہ خدا نے چاہا تو یہ حق خواب ہے جاؤ اور حضرت بلال کو یہ کلمات سکھادو کہ وہ تم سے آواز میں بلند ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس آواز کو سنا تو چادر کھینچتے ہوئے حاضر ہوئے اور فرمانے لگے۔

”یا رسول الله والذی بعثك بالحق لقد رأيت مثل مأ ارى فقال رسول صلى الله عليه وسلم فلله الحمد.“

(مشکوۃ:۶۴)

”یارسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا میں نے وہی دیکھا جو ان کو دکھلایا گیا یہ سن کر آپ ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔“

یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ احکام شرعیہ کا مدار حکمتوں و مصلحتوں پر ہے حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ اذان صرف اعلام اور آگاہی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ شعائر دین میں سے ایک مستقل شعار بھی ہو اس طرح سے جو لوگ غافل ہوں یا خبردار لیکن مسجد سے دور رہتے ہیں ان کے سروں پر اذان پکاری جائے اور اس شعار دین کی عزت و توقیر کی جائے اور جو جماعت اسے قبول کرے اس کے متعلق یہ علامت قرار پا جائے کہ یہ دین الٰہی کے تابع اور اس کے منقاد ہیں اور اسی وجہ سے کلمات اذان ذکر اللہ اور شہادتین سے مرتب ہیں اور ان میں ایسے کلمات بھی ہیں جن میں صراحۃً نماز کی طرف دعوت پائی جاتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/۱۹۱)

اذان دینے کی فضیلت

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تاریخ اسلام میں جو مرتبہ و مقام حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اور یہ مقام ان کو اسی وجہ سے حاصل ہوا کہ وہ مسجد نبوی کے خاص مؤذن تھے اور سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اذان کی خدمت یہی انجام دیتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی اور اس کے علاوہ بے شمار احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دینے کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔

آپ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

"المؤذن اطول الناس اعناقاً یوم القیامة." (مشکوۃ: ۶۴)

"کہ قیامت کے دن مؤذن کی گردن سب سے زیادہ بلند ہوگی۔"

❷ ...... آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

"لا یسمع مدی صوت المؤذن جن ولا أنس ولا شئی الا شهد له یوم القیامة." (بخاری، مشکوۃ: ۶۴)

"مؤذن کی آواز جو بھی سن لے جن ہو یا انسان یا کوئی بھی چیز وہ قیامت

کے دن مؤذن کے لیے گواہی دے گی۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"المؤذن يغفرله مدى صوته و يشهد له كل رطب ويابس وله اجر مثل من صلّٰی." (مشکوۃ:۶۵)

جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے وہ مؤذن کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ہر تر وخشک چیز اس کے لیے گواہی دیں گے اور اس کو وہ تمام نمازی (جو اس کی آواز پر آتے ہیں) ان سب کے برابر اجر ملے گا۔

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لو يعلم الناس مافى النداء والصف الاوّل ثم لم يجدون الا ان يستهموا عليه لا ستهموا." (بخاری:۱/۸۶)

اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے پہلی صف واذان دینے کی فضیلت اور بغیر قرعہ کے یہ چیز نہ مل سکے تو وہ اس کو قرعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

ان تمام احایث مبارکہ سے اذان دینے کی اہمیت وفضیلت خوب واضح ہوتی ہے کہ مؤذن جس طرح اذان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان کرتا ہے اور اس کی وحدانیت کا ترانہ گاتا ہے اسی طرح اللہ رب العزت اس کو بے پناہ اجر بھی عطا فرماتے ہیں کہ اس کو قیامت کے دن امتیازی شان حاصل ہوگی اور ہر وہ چیز جس نے اس کی آواز سن لی وہ اس کے حق میں گواہی دے گی اور اگر کسی نے صرف اللہ کی خوشنودی کے خاطر سات سال تک اذان دی تو اس کو دوزخ سے خلاصی مل جائے گی جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"من اذن سبع سنين محتسبا كتب له براءة من النار."

(مشکوۃ:۶۵)

"کہ جس شخص نے سات سال تک صرف اللہ سے ثواب کی امید رکھتے

ہوئے اذان دی تو اس کے لیے آگ سے براءت (چھٹکارا) لکھی جائے گی۔"

اذان کی اہمیت وفضیلت کے پیش نظر فقہاء نے لکھا ہے کہ اذان متقی پرہیزگار عالم اور افضل شخص کو دینی چاہیے حدیث نبوی ﷺ میں ارشاد ہے:

"ولیؤذن لکم خیارکم" چاہیے کہ تم میں جو بہتر اور صالح ہو وہ اذان کہے۔

(ابوداؤد:۱/۸۷)

عالمگیری میں ہے کہ مؤذن عاقل سمجھ دار متقی نیک اور طریقہ سنت سے واقف ہونا چاہیے۔[1]

نورالایضاح میں ہے بہتر یہ ہے کہ اذان علماء کے سپرد کی جائے اس لیے کہ اذان جماعت اور اس کی طرف دعوت دینے کے باب میں سے ہے لہٰذا اذان کو دوسروں کے حوالے نہ کیا جائے اور خلاصہ میں ہے کہ اگر مؤذن اوقات نہ جانتا ہو تو وہ مؤذنین کے ثواب کا مستحق نہ ہوگا اور اللہ کے گھر کا مؤذن تعلیم یافتہ ہو خصوصاً نماز واذان کے مسائل سے واقف ہو اوقات نماز صبح صادق صبح کاذب، زوال، سایہ اصلی، مثل، مثلین، شفق احمر، شفق ابیض کا جاننے والا ہو بلند آواز، خوش الحان، اذان کے کلمات صحیح ادا کرنے والا ہو۔

موجودہ دور میں اذان

ہمارے زمانہ میں اذان دینا چھوٹا کام سمجھا جاتا ہے بڑے لوگ اذان دینے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں اور مؤذن جو مساجد میں اذان دینے کے لیے مقرر ہوتے

---

[1] عالمگیری میں ہے: وینبغی ان یکون المؤذن رجلا عاقلاً صالحا تقیا عالماً بالسنة. (۱/۵۳)

نور الایضاح میں ہے: افا دهذا ان الاولی ان یتولی العلماء الا ذان لانه من باب الجماعة والدعوة الیها فلا یفوض الی غیر هم علی مامر وفی الخلاصة المؤذن اذالم یکن عالماً بالاوقات لایستحق ثواب المؤذنین. (نورالایضاح:۴۵)

ہیں ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کو اپنا زر خرید غلام سمجھتے ہیں اور اس پر اپنا حکم چلانے میں ذرہ برابر بھی نہیں جھجکتے اور یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کے گھر کا مؤذن ہے اور ہمیں جماعت کی طرف دعوت دینے کی اہم ذمہ داری ادا کرتا ہے اور مؤذن کے وارد شدہ فضائل کا کچھ بھی خیال نہیں کرتے خوش حال لوگوں نے دین غریبوں کو بخش دیا ہے اور خود بری الذمہ ہو کر بیٹھ گئے ہیں اور حال یہاں تک پہنچ گیا کہ دین کے ماننے والے اذان اور اذان دینے والے کو عار سمجھتے ہیں۔ "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون." حالانکہ یہ وہ مرتبہ ہے جو پہلے زمانہ میں بڑے بڑے علماء اور ذی ثروت اصحاب نے بخوشی قبول کیا اور اس میں اپنی پوری زندگی گزار دی۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق اگرچہ صحیح بات یہی کہ آپ نے بذات خود اذان نہیں دی لیکن آپ ﷺ نے جو اذان دینے کے فضائل بیان کئے ہیں اور ان کے لیے دعا فرمائی ہے۔ "اللھم ارشد الائمة واغفر للمؤذنین." کہ اے اللہ امام کو رشد و ہدایت عطا فرما اور مؤذنین کو معاف فرما۔ (ابوداؤد)

اس کی روشنی میں ہر مسلمان کا جذبہ ہونا چاہیے کہ وہ اذان کی سعادت حاصل کر کے ان فضائل کا مستحق بن جائے۔

لائق و مناسب مؤذن مقرر کرنا

گزشتہ اوراق سے اذان کی اہمیت وعظمت بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اذان دین اسلام کی علامت اور اسلام کے شعائر میں سے ہے اور اس کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں اس لیے اذان بہتر و لائق شخص کو دینی چاہیے جبکہ ہمارے زمانہ میں مساجد کے متولی کی جانب سے جو مؤذن مقرر کیے جاتے ہیں ان میں گزشتہ اوصاف ناپید ہوتے ہیں سستا اور کم سے کم تنخواہ لینے والا مؤذن تلاش کیا جاتا ہے خواہ وہ اذان کے مسائل و اوقات صلاۃ سے واقف ہو یا نہ ہو اذان صحیح دے سکتا ہو یا نہ دے سکتا ہو بعض دفعہ اذان

کے کلمات کہیں لمبے اور کہیں مختصر کر کے اذان کی روح کو ہی فنا کر دیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں اس لیے مساجد کے متولیان کرام کو چاہیے کہ اذان کی اہمیت وعظمت کو مدنظر رکھتے ہوئے لائق ومناسب شخص کو اذان کے لیے مقرر کریں اور اس کے لیے متولی کا خود باصلاحیت ولائق ہونا ضروری ہے کیونکہ مساجد کے نظام کو صحیح اور بہتر سے بہتر بنانے کا مدار عام طور پر متولیوں پر ہوتا ہے اگر متولی تولیت کے اوصاف سے متصف ہوگا تو وہ امام ومؤذن ایسے تلاش کرے گا جو اپنے اپنے اوصاف سے متصف ہوں پھر ان کی صحیح قدر اور ان کو خدمت کرنے کا موقعہ فراہم کرے گا اور دینی کام کے انجام دہی میں ان کا معین ومددگار ہوگا۔

اذان پر اجرت

جیسا کہ گزرا کہ متقدمین نے عبادات اذان امامت، تلاوت قرآن پر اجرت کی اجازت نہیں دی ہے البتہ متاخرین نے حالات کے پیش نظر اجازت دی ہے کہ دونوں وقتوں کے حالات وواقعات مختلف تھے اس لیے ہر ایک نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے فیصلہ دیا۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امامت اذان اور خطبہ دینے پر اجرت قبول کرنے میں علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے یہ سب امور عبادت میں داخل ہیں اور عبادت پر معاوضہ ثواب کے لیے مبطل (ضائع کردینے والا ہے) لہٰذا جائز نہیں ہوسکتا دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ان خاص عبادات پر اجرت نہیں لی جاتی بلکہ یہ اجرت تو اس لیے ہے کہ ان کو مخصوص مقام اور وقت متعین میں یہ پابندی ادا کرنی پڑتی ہے اور یہ مسلم بات ہے کہ جگہ اور وقت کی خصوصیت عبادت نہیں ہے اور نہ یہ شرط عبادت میں داخل ہے بلکہ یہ بالکل خارج چیز ہے لہٰذا اجرت اس پابندی پر جائز ہے۔

(تفسیر عزیزی:۱۳۸)

علامہ ابن عابدین فتاویٰ شامی میں لکھتے ہیں اگر اذان وامامت وغیرہ کی وجہ سے

امام ومؤذن دوسرے معاش سے محروم رہیں تب تو اس کو بقدر ضرورت لینا جائز ہے اور اگر یہ ذمہ داریاں دوسرے ذریعہ معاش میں رکاوٹ نہیں تو مشاہرۃ قبول نہ کرنا چاہیے۔

اور آج کے زمانہ میں عموماً مؤذن وامام مسجد کے پابند ہوتے ہیں لہٰذا متولیان کو چاہیے کہ وہ حتی الوسع مؤذن کو اس کو پابندی کی معروف اجرت دیں تاکہ اس کی ضرورت باسانی پوری ہوسکے ہاں اگر کوئی شخص صرف اللہ کی رضا کے لیے بغیر اجرت کے اس اہم کام کو انجام دینا چاہے تو بہت اچھی بات ہے اور جو مؤذن اجرت لے وہ اس کو اذان کی اجرت نہ سمجھے کہ اذان کا اجر تو صرف اللہ رب العزت ہی دے گا ہاں اپنی پابندی کی اجرت سمجھ کر لے سکتا ہے۔

اذان کی شرعی حیثیت

پانچوں نمازوں کے لیے اذان واقامت سنتِ مؤکدہ ہے اسی طرح جمعہ کے لیے دو اذانیں اور ایک اقامت سنت مؤکدہ ہے ان کے علاوہ کسی اور نماز کے لیے اذان واقامت کہنا مسنون نہیں۔[1]

اذان دینے کا مسنون طریقہ

اذان دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اذان کہنے والا وضو کر کے کسی اونچی جگہ پر قبلہ رو کھڑا ہو اگر لاؤڈ اسپیکر ہے تو اونچی جگہ کھڑا ہونا ضروری نہیں جہاں لاؤڈ اسپیکر ہے وہیں قبلہ رو کھڑا ہو اور شہادت کی انگلیوں سے کانوں کے دونوں سوراخ بند کرے اور بلند آواز سے ''اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر'' دو مرتبہ کہے اور ٹھہر جائے پھر دوسری مرتبہ ''اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر'' کہے اور ٹھہر جائے پھر ''اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ'' کہے اور ٹھہرے پھر ''اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ'' کہے اور ٹھہر جائے پھر دو مرتبہ ''اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ'' دو سانسوں میں کہے اس کے بعد صرف چہرہ داہنی طرف

---

[1] شامی میں ہے: وھو سنة مؤكدة للفرائض الخمس ولا یسن لغیرھا. (۳۸۴/۱)

پھیرتے ہوئے "حی علی الصلاۃ" کہے پھر دوبارہ چہرے کو داہنی طرف پھیرتے ہوئے "حی علی الصلاۃ" کہے پھر چہرہ بائیں طرف پھیرتے ہوئے "حی علی الفلاح" کہے پھر دوبارہ اسی طرح "حی علی الفلاح" کہے پھر قبلہ کی طرف چہرہ کر کے "اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر" کہے پھر "لا الہ الا اللّٰہ" کہے فجر کی اذان میں "حی علی الفلاح" کے بعد "الصلاۃ خیر من النوم" کا دو مرتبہ اضافہ کرے۔

اقامت کا مسنون طریقہ

اقامت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کلمہ کے آخر کو ساکن پڑھے خواہ اس کے آخر میں حرکت ہو یا سکون ہو پہلے ایک سانس میں چار مرتبہ "اللّٰہ اکبر" کہے پھر ٹھہرے اور دو مرتبہ "اشھدان لا الہ الا اللّٰہ" کہے پھر سانس توڑ کر دو مرتبہ "اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ" کہے پھر دو دفعہ "حی علی الصلاۃ" پھر دو دفعہ "حی علی الفلاح" کہے ایک سانس میں "قد قامت الصلاۃ" دو مرتبہ پھر "لا الہ الا اللّٰہ" کہے۔ اقامت واذان میں آخری حرکتوں کو ظاہر نہیں کرنا بلکہ وقف کرنا ہے۔ مثلاً "قدقامت الصلاۃ" میں تا پر پیش پڑھنا "الصلاۃُ" یہ طریقہ صحیح نہیں ہر آخری حرف کو ساکن پڑھا جائے حضرتِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا "اذا اذنت فترسل فاذا اقمت فاحدر" کہ جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر (یعنی ہر کلمہ پر سانس توڑو اور کلمات کھینچ کھینچ کر ادا کرو) اور جب اقامت کہو تو رواں کہا کرو۔ یعنی ہر کلمے پر سانس نہ توڑو اور کلمات کی ادائیگی کو بھی لمبا نہ کرو۔

قابلِ توجہ امر: بعض لوگوں میں رواج ہو گیا ہے کہ ساری تکبیر ایک یا دو تین سانس میں کہہ ڈالتے ہیں یہ غلط طریقہ اور خلافِ سنت ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

"امر بلال ان يشفع الاذان و يوتر الاقامة."

"کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے متماثل (ایک جیسے کلمات) کو دو سانس میں کہا کریں۔"

لہٰذا اذان میں ترسل یعنی کلمات کو لمبا کر کے ادا کرنا اور ہر کلمہ کے بعد ٹھہرنا مسنون ہے اور ترسل (یعنی لمبا کرنا) نہ کرنے کی صورت میں دوبارہ اذان کہنا مستحب ہے۔

اسی طرح اقامت میں حدر یعنی ہر کلمہ پر سانس نہ توڑنا کلمات کی ادائیگی کو لمبا نہ کرنا سنت ہے البتہ حدر ترک کرنے کی صورت میں اقامت دوبارہ نہ کہی جائے۔[1]

کلماتِ اذان کو کھینچنا

اذان کے کلمات میں جن حرفوں پر کوئی مد نہیں ان کو کھینچنا حرام اور لحن جلی ہے مثلاً اللہ اکبر کو کھینچ کر آللہ اکبر یا اللہ اکبار یا اشہد کے الف کو کھینچ کر آشہد کہنا یا محمد کو موحمد کہنا یا موحامد کہنا یا رسول کو راسول پڑھنا یہ سب ناجائز ہے اور ایسی اذان کا لوٹانا ضروری ہے۔

لیکن اذان کے کلمات میں سے جن کلمات پر مد اصلی ہے جیسے "اللّٰه اكبر" میں لفظِ "اللّٰه الصلاة خير من النوم" میں "الصلاة" یا جہاں مد منفصل ہے جیسے "لا اله" یا جہاں مد عارضی وقفی ہے جیسے "الا اللّٰه رسول اللّٰه" ان کلمات کو اذان میں کھینچنا نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحسن ہے البتہ اتنا خیال رہے کہ کھینچنے میں آواز کا اتار

---

[1] شامی میں ہے: ان السنة أن يسكن الراء من اللّٰه اكبر الاول او يصلها باللّٰه اكبر الثانيه فان سكنها كفى وان وصلها نوى السكون فحرك الراء باالفتحة فان ضمّها خالف السنته. (۳۸۶/۱)

شامی میں ہے: ويترسل فيه بسكتة بين كلمتين ويكره تركه وتندب اعادته ثم قال ويحدر فيها فلو ترسل لم يعد ها فى الاصح. (شامی: ۳۸۷/۱)

چڑھاؤ کرنا اور راگ پیدا کرنا مکروہ ہے۔[1]

اذان واقامت کے کلمات کو ساکن کرنا

اذان واقامت کے تمام کلمات کے آخر کو ساکن کرنا مسنون ہے حرکت دے کر پڑھنا خلافِ سنت ہے البتہ پہلے "اللّٰہ اکبر" کی را پر پیش لگا کر دوسرے "اللّٰہ اکبر" سے ملا کر اس طرح کہہ سکتے ہیں۔ "اللّٰہ اکبرُ اللّٰہ اکبر" لیکن پہلے "اللّٰہ اکبر" کی را پر ضمہ لگا کر بغیر ملائے پڑھنا "اللّٰہ اکبرُ اَللّٰہ اکبر" یہ خلافِ سنت ہے۔

اسی طرح بعض لوگ ناواقفیت سے اقامت کے پہلے کلمے پر اعراب پڑھتے ہیں یعنی اس طرح پڑھتے ہیں "اللّٰہ اکبرُ اللّٰہ اکبر. أشھد ان لا الہ الا اللّٰہُ" اور "قد قامت الصلاۃُ" یہ طریقہ خلافِ سنت ہے۔

وقت سے پہلے اذان واقامت کہنا

اذان چونکہ لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے مشروع کی گئی ہے اس لیے وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں ہے اگر کسی نے غلطی سے وقت سے پہلے اذان دے دی تو پہلے غلطی کا اعلان کرے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے اور لوگ دھوکہ میں نہ پڑیں پھر وقت ہونے پر دوبارہ اذان دے تا کہ اذان کا مقصد پورا ہو۔

حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے:

"ان بلالا اذن قبل طلوع الفجر فأمره النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ان یرجع فینادی الا ان العبد قدنام زاد موسٰی

---

[1] مراقی وطحطاوی میں ہے: (ویتمھل) یترسل(فی الاذان) بالفصل بسکتة بین کل کلمتین و قیل بتطویلِ الکلمات و کل ذلك مطلوب فی الاذان فیطول الکلمات بدون تغن و تطویب. (مراقی وطحطاوی:۱۹۶)

فرجع فنادی." (مشکوۃ: ص ۶۷)

کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبحِ صادق سے پہلے اذان دے دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ دوبارہ اعلان کریں کہ سنو بندہ سو گیا تھا چنانچہ حضرت بلال نے دوبارہ اعلان کیا۔

اذان واقامت کے درمیان فصل

مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں اذان واقامت کے درمیان وقفہ کرنا چاہیے تاکہ نمازی اپنی طبعی حاجتوں سے فارغ ہو کر جماعت میں شرکت کرسکیں البتہ مغرب کا وقت چونکہ مختصر ہے نیز مغرب کی نماز میں جلدی کرنا بھی مطلوب ہے اس لیے اس میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اذان کے بعد دعائے مسنونہ کے بقدر ٹھہر کر اقامت شروع کردینی چاہیے۔

آجکل بعض مساجد میں مغرب کی اذان واقامت کے درمیان فصل کرنے کا رواج ہو گیا ہے تاکہ مقتدی پہنچ جائیں اس سلسلہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

کہ تاخیرِ مغرب کے تین درجہ ہیں:

❶ ......دو رکعت سے کم یہ کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔

❷ ......دو رکعت سے زائد ستاروں کے ظہور سے پہلے تک درمختار کی روایت کے مطابق یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

❸ ......جس میں ستارے ظاہر ہو جائیں یہ مکروہ تحریمی ہے۔

لہٰذا سب سے اعلیٰ وبہتر صورت یہ ہے کہ مؤذن مغرب کی نماز میں اذان و اقامت کے درمیان کھڑے کھڑے تین چھوٹی آیات کے بقدر یا دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے برابر وقفہ کرے اس سے زیادہ وقفہ نہ کرے البتہ چونکہ آجکل لوگ اذان سن کر

ہی نکلتے ہیں اس لیے اگر دو رکعت کے بقدر اذان و اقامت کے درمیان وقفہ کرلیا جائے تو اس کی گنجائش و اجازت ہے البتہ بہتر نہیں۔[1]

مسجد کے اندر اذان دینا

آجکل عام طور پر لاؤڈ اسپیکر پر اذان ہوتی ہے تاکہ آواز بلند ہوکر دور دور تک پہنچ جائے اس لیے مسجد کے اندر اذان دینا بھی جائز ہے اس میں کچھ کراہیت نہیں اور مسجد سے باہر اذان کہنے کا جو حکم ہے وہ آواز پہنچانے کے لیے ہے لہٰذا کراہیت کا تعلق مسجد یا مسجد کے نہ ہونے کے ساتھ نہیں بلکہ تبلیغِ صوت سے ہے اگر مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے سے آواز کا پہنچانا حاصل ہو جاتا ہے تو کوئی کراہت نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۹۴)

مقررہ مؤذن ہی اذان کہے

اگر کوئی عذر نہ ہو تو پانچوں وقتوں کی اذان مقررہ مؤذن ہی کو کہنی چاہیے کسی اور شخص کا اذان کہنا مناسب نہیں کیونکہ اہلِ محلّہ مؤذن کی آواز سے آشنا ہوتے ہیں اور دوسرے شخص کی آواز سن کر دھوکہ ہوسکتا ہے ہاں اگر کبھی کوئی شخص ثواب کے لیے اذان دینا چاہے تو مقررہ مؤذن سے پہلے اجازت لے اس کے بخوشی اجازت دینے پر کوئی دوسرا اذان دے سکتا ہے لیکن اس کو معمول نہ بنایا جائے۔[2]

اقامت کون کہے

افضل یہ ہے جو اذان کہے وہی اقامت کہے کسی اور شخص کے اقامت کہنے پر اگر

---

[1] شامی میں ہے: ویجلس بینهما بقدر مایحضر الملازمون مراعیا لوقت الندب (الا فی المغرب) فیسکت قائما قدر ثلاث آیات قصار و یکره الوصل اجماعاً. (۱/۳۸۹)

[2] بدائع الصنائع میں ہے: ومنها ان یکون مواظباً علی الاذان لان حصول الاعلام لاهل المسجد بصوت المواظب ابلغ من حصوله بصوت من لا عهد لهم بصوته فكان افضل. (۱/۳۷۳)

مؤذن کو ناگواری ہوتی ہے تو دوسرے شخص کا اقامت کہنا مکروہ ہے کیونکہ اقامت کہنا مؤذن کا حق ہے البتہ اگر مؤذن کی غیر حاضری میں یا اس کی بخوشی اجازت سے دوسرا شخص اقامت کہے تو بلا کراہت جائز ہے۔[1]

تنخواہ لینے کی صورت میں اذان واقامت کا ثواب

ثواب کا مدار نیت پر ہے لیکن اگر مؤذن کے پیش نظر رضائے الٰہی ہے اور تنخواہ صرف گزارہ کے لیے قبول کرتا ہے تو اذان و اقامت کا ثواب ضرور ملے گا لیکن اگر نیت مال کے حاصل کرنے کی ہے اور تنخواہ کے خاطر اذان و اقامت کہتا ہے کہ اگر تنخواہ نہ ملے تو اذان و اقامت کہنا چھوڑ دے تو ایسے مؤذن کو اذان و اقامت کا ثواب نہیں ملے گا۔[2]

پاگل، بے وقوف، ناسمجھ بچے کا اذان کہنا

پاگل و بے وقوف، ناسمجھ بچے، عورت کا اذان کہنا مکروہ ہے اگر ان میں سے کسی نے اذان کہہ دی تو اس کا لوٹانا بہتر ہے اور اگر ان میں سے کسی نے اقامت کہہ دی تو اقامت نہیں لوٹائی جائے گی۔[3]

---

[1] عالمگیری میں ہے: والافضل ان یکون المؤذن هو المقیم و ان اذن رجل واقام آخر ان غاب الاول جاز من غیر کراهة وان کان حاضراً اویلحقه الوحشة بأقامة غیره یکره وان رضی به لا یکره عندنا. (۱/۵۴)

[2] شامی میں ہے: ان کان قصده وجه الله تعالٰی ولکنه لمراعاته للاوقات والاشتغال به یقل اکتسابه عما یکفیه لنفسه وعیاله فیأخذ الأجرة لئلا یمنعه الاکتساب عن اقامة هذه الوظیفة الشریفة ولولا ذالك لم یأخذ اجراً فله الثوب المذکور بل یکون جمع بین عبادتین وهما الا ذان والسعی علی العیال وانما الاعمال بالنیات. (۱/۳۹۲)

[3] شامی میں ہے: ویکره اذان امراء ة وسکران ولو لمباح کمعتوه مثله المجنون وصبی لا یعقل. (۱/۳۹۲)

سمجھدار بچے کا اذان واقامت کہنا

سمجھ دار بچے کا اذان واقامت کہنا درست ہے لیکن بالغ مرد کا اذان دینا افضل ہے۔[1]

مؤذن خوش الحان وبلند آواز ہو

مؤذن بلند آواز وخوش الحان ہونا چاہیے حضور علیہ السلام نے حضرت بلال کا انتخاب اسی لیے فرمایا تھا کہ وہ بلند آواز تھے اور ابو محذورة کو اس لیے منتخب فرمایا تھا کہ وہ خوش الحان تھے۔ نیز مؤذن اوقاتِ نماز سے باخبر ہو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خصلتان معلقتان فی اعناق المؤذین للمسلمین صیامهم وصلاتهم"

"کہ دو باتیں مؤذنین کی گردن پر مسلمانوں کے لیے بندھی ہوتی ہیں۔ روزہ، نماز۔" (مشکوٰة: ۶۷)

مؤذن پر ذمہ داری

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "الامام ضامن والمؤذن مؤتمن" کہ امام ذمہ دار ہے اور مؤذن پر لوگوں نے اذان کے بارے میں اعتماد کیا ہے لہٰذا اس کو چاہیے کہ وہ اپنی ذاتی مصالح اور خواہشات کی رعایت کے بغیر صحیح وقت پر اذان دے۔ (معارف الحدیث: ۳/۱۵۸)

قابل توجہ امر

مذکورہ بالا ہدایت کے برخلاف آجکل عام طور سے کم سے کم تنخواہ والا مؤذن تلاش

---

[1] عالمگیری میں ہے: اذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراهة فی ظاهر الروایة لکن اذان البالغ افضل. (۱/۵۴)

کیا جاتا ہے اس کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا کہ اذان اسلام کا ایک اہم شعار ہے مؤذن اللہ جل شانہ کا گویا منادی ونقیب ہے لہٰذا اذان کے لیے ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہے جو خوش الحان ہو صحیح اذان دے سکتا ہو تا کہ اس کی اذان سے اسلام کی شان وشوکت ظاہر ہو اور سامعین کے قلوب متأثر ومتوجہ ہوں اور اذان کی برکتیں ظاہر ہوں۔

آپ علیہ السلام کی دعا ہے اے اللہ اماموں کو راہ راست عطا فرما اور مؤذنین کی مغفرت فرما تو اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما کر ہم لوگوں میں تنافس (ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ) پیدا فرما دیا۔

"قال ان بعد کم زمانا سفلهم موذنوهم" اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے بعد کے زمانہ میں کم درجہ کے لوگ مؤذن ہوں گے (یعنی بجائے تنافس کے معزز لوگ اذان سے جان چرانے لگیں گے)۔

کنز العمال کی روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ "سیأتی علی الناس زمان یترکون الاذان علی ضعفائهم وتلك لحوم حرمها الله علی النارلحوم المؤذین." کہ ایک وقت لوگوں پر ایسا آئے گا کہ وہ اذان کی ذمہ داری اپنے معمولی اور کمزور لوگوں پر چھوڑیں گے حالانکہ وہ گوشت یعنی مؤذنین کا گوشت اللہ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے۔ (مگر لوگ اتنی بڑی فضیلت کی چیز سے پہلو تہی کریں گے اور اذان کہنے کو عیب سمجھنے لگیں گے)

اذان واقامت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

اذان سے پہلے اعوذ باللہ بسم اللہ سرّا یا جہراً پڑھنا ثابت نہیں اس لیے اعوذ باللہ بسم اللہ نہ بلند آواز سے پڑھے نہ پست آواز سے۔

اذان واقامت سے پہلے دورد شریف پڑھنا

اذان واقامت سے پہلے بلند آواز سے یا آہستہ آواز سے درود شریف پڑھنا بھی

بدعت ہے۔[1]

رسول اللہ کہے جانے پر انگوٹھا چومنا

اذان واقامت میں اشہد ان محمداً رسول اللہ کہے جانے پر سنت وعبادت سمجھ کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے نہ آپ علیہ السلام نے اس کا حکم دیا ہے نہ صحابہ کرام وتابعین عظام سے انگوٹھے چومنا ثابت ہے اور اس سلسلہ میں جتنی روایتیں آپ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں وہ سب بے اصل اور بے بنیاد ہیں۔[2]

اذان کے بعد بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھنا

اذان کے بعد آہستہ سے درود شریف پڑھ کر دعاء وسیلہ کرنا سنت ہے اور حدیث سے ثابت ہے مگر اذان کے بعد بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھنا ناجائز وبدعت ہے۔[3]

جمعہ کے دن کونسی اذان پر کاروبار بند کرنا ضروری ہے

جمعہ کے دن پہلی اذان پر کاروبار بند کرنا واجب ہے اور پہلی اذان ہو جانے کے بعد کاروبار کرنا مکروہ تحریمی ہے اب ایک علاقہ میں مختلف مساجد میں مختلف اوقات میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو جس مسجد میں اذان سننے والا جمعہ پڑھنا چاہتا ہے جب اس مسجد کی پہلی اذان ہو جائے تو اس کے بعد کاروبار وغیرہ بند کر دیا جائے خرید وفرخت کی کراہیت اور جمعہ کی طرف جانے کے وجوب کا حکم اس مسجد کی اذان کے ساتھ متعلق

---

[1] طحطاوی میں ہے: ومن المکروهات الصلاة علی النبی صلی اللہ علیه وسلم فی ابتداء الاقامة لانه بدعة. (۱۱۵)

[2] شامی میں ہے: وذکر ذلك الجراحی وأطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا الشئی. (۱/۳۹۸)

[3] فقہ السنۃ میں ہے: الجهر بالصلاة والسلام علی الرسول صلی اللہ علیه وسلم عقب الاذان غیر مشروع بل هو محدث مکروه. (۱/۱۰۴)

ہو گا جس مسجد میں وہ جمعہ پڑھنا چاہتا ہے۔

اذان واقامت کا جواب دینا

جوشخص بھی اذان سنے خواہ وہ مرد ہو یا عورت پاک ہو یا ناپاک اس کے لیے اذان کا جواب دینا افضل ومستحب ہے احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو مؤذن کی اذان کا جواب دے اور یہ کہنا دل کی سچائی سے ہو تو جواب دینے والا جنت میں داخل ہو گا۔

کیونکہ اذان میں دو پہلو ہیں ایک یہ کہ اذان نماز باجماعت کا اعلان اور اس کا بلاوا ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ ایمان کی دعوت وپکار اور دین حق کا منشور ہے پہلی حیثیت سے اذان سننے والے ہر مسلمان مرد پر ضروری ہے کہ وہ اذان سنتے وقت اس ایمانی دعوت کے ہر جز اور کلمہ کی اپنے دل اور اپنی زبان سے تصدیق کرے تا کہ پوری اسلامی آبادی پر اذان کے وقت اپنے ایمان واعتقاد کی تجدید ہو سکے اس اعتبار سے اذان کا جواب دینا انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اس جواب دینے کے ذریعہ انسان وقت پر مسجد کی باجماعت نماز میں حاضر ہو سکے گا اور دن رات میں پانچ مرتبہ اس کے ایمان کی تجدید ہو سکے گی بظاہر اس وجہ سے اس عمل پر جنت میں داخلہ کی بشارت ہے۔

اذان کا جواب دینے کا حکم

اذان کے الفاظ کا جواب دینا تو واجب نہیں بلکہ افضل ومستحب ہے البتہ ہر مسلمان مرد پر ضروری ہے کہ اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو وہ اذان سن کر اس کا جواب دینے یعنی نماز کے لیے تیار ہو جائے اور ایسے وقت میں مسجد پہنچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے۔[1]

---

[1] شامی میں ہے: ان الاجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الاجابة بالقدم. (شامی:۱/۳۹۶)

اذان کا جواب دینے کا طریقہ

جواب دینے کا طریقہ یہ ہے کہ جب مؤذن ایک کلمہ کہہ کر رکے تو جواب دینے والا وہی کلمہ دھرائے اور جب مؤذن "حیّ علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" کہے تو جواب دینے والا "لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ" کہے اور فجر کی اذان میں جب مؤذن "الصلاۃ خیر من النوم" کہے تو جواب دینے والا صدقت وبررت کہے۔[1]

اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے

جس طرح زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے اسی طرح اقامت وتکبیر کا جواب دینا بھی مستحب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مکبّر جو کلمہ کہے جواب دینے والا بھی وہی جملہ کہتا رہے البتہ "حیّ علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" میں "لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ" کہے اور "قد قامت الصلاۃ" کے جواب میں "اقامھا اللّٰہ وادامھا" کہے۔[2]

اذان واقامت کے جواب دینے کا مسنون وقت

اذان واقامت کے جواب کا مسنون وقت یہ ہے کہ جب مؤذن ایک کلمہ کہہ کر فارغ ہو جائے تو سننے والا اس کلمہ کا جواب مؤذن کے ساتھ ساتھ دے مؤذن سے پہلے اذان واقامت کے کلموں کا جواب دینا درست نہیں۔

البتہ اگر کوئی شخص خاموشی سے اذان سنتا رہے اور ختم ہونے کے بعد پوری اذان کا

---

[1] نورالایضاح میں ہے: واذا سمع المسنون منه امسك و قال مثله وحوقل فی الحیعلتین وقال صدقت وبررت او ماشاء اللّٰه عند قول المؤذن الصلاة خیر من النوم. (٦٠)

[2] شامی میں ہے: ویجیب الاقامة ندبا کالا ذان ویقول عند قد قامت الصلاة اقامها اللّٰه وادامها. (۱/۴۰۰)

ایک ساتھ جواب دے تو بھی درست ہے بشرطیکہ زیادہ دیر نہ ہوئی ہو اگر زیادہ دیر ہوگئی تو جواب دینے کی سنت ادا نہیں ہوگی۔[1]

جن حالات میں اذان کا جواب ضروری نہیں

دینی تقریر سننے کی حالت میں دینی سبق پڑھنے پڑھانے کی حالت میں کھانے میں مشغول ہونے کے حالت میں اذان کا جواب دینا ضروری نہیں لیکن ان حالات میں بھی کسی نے جواب دیا تو یقیناً ثواب کا مستحق ہوگا۔

تلاوت کرتے وقت اذان کا جواب دینا

تلاوت کے دوران اذان شروع ہو جائے تو تلاوت بند کر کے اذان کا جواب دینا مستحب ہے لیکن اگر حافظ سبق یاد کرنے کے لیے یا پارہ یاد کرنے کی غرض سے قرآن پڑھ رہا ہو تو تلاوت چھوڑ کر اذان کا جواب دینا ضروری نہیں۔[2]

مذکورہ مسائل سے واضح ہوا کہ اذان شروع ہو جانے پر تقریر یا درس یا سبق روکنا ضروری نہیں البتہ اگر لوگ باتیں کر رہے ہو یا دنیاوی کوئی جلسہ وغیرہ ہو رہا ہو تو رک جانا ضروری ہے تا کہ اذان کا جواب دے سکیں۔

اذان واقامت کی آواز نہ سنے تو جواب دینا ضروری نہیں

اگر اذان واقامت کی آواز نہ سنے بہرا ہونے کی وجہ سے یا دور ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے تو اذان واقامت کا جواب دینا ضروری نہیں ہے اگرچہ معلوم ہو کہ

---

[1] شامی میں ہے: فلو سکت حتی فرغ کل الاذان ثم اجاب قبل فاصل طویل کفی اصل سنته الاجابته. واستفید من هذا ان المجیب لا یسبق المؤذن بل یعقب کل جمله منه بجمله منه. (۲۶۶/۱)

[2] شامی میں ہے: لأن تکرار القرأة انما هو للاجر فلا یفوت بالاجابة بخلاف التعلم فعلی هذا لو یقرأ تعلیماً او تعلماً لا یقطع. (شامی:۳۹۶/۱)

اذان واقامت ہو رہی ہے۔[1]

حاضرین مسجد بھی اذان کا جواب دیں

جو شخص مسجد میں حاضر ہو اور اذان کی آواز سنے تو اگرچہ اس کے ذمہ عملی جواب دینا ضروری نہیں کہ وہ پہلے ہی سے مسجد میں حاضر ہے البتہ زبانی جواب دینا اس کے لیے بھی مستحب ہے اگر وہ درس وتدریس وغیرہ میں مشغول نہ ہوں۔[2]

اذان واقامت سننے کی حالت میں سلام وکلام کرنا

اذان واقامت سننے کی حالت میں بات چیت کرنا یا کسی کو سلام کرنا مناسب نہیں اسی طرح کوئی سلام کرے تو جواب دینا بھی ضروری نہیں۔

اذان واقامت سن کر کھڑا ہونا

اذان سن کر نماز کی تیاری کے لیے کھڑا ہو جانا مستحب ہے لیکن زبان سے جواب دینے کے لیے کھڑا ہونا مستحب اور مسنون نہیں البتہ اقامت سنتے ہی نماز کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے۔

چند اذانوں کا جواب دینا

ایک محلہ کی چند مسجدوں سے اذان کی آواز سنیں تو عملی جواب دینا یعنی نماز کے لیے جانا تو ایک ہی مسجد کی طرف ہوگا البتہ زبان سے تمام اذانوں کا جواب دینا مستحب ہے کیونکہ سب اذانیں مسنون ہیں اور مسنون اذان کا جواب دینا مستحب ہے نیز اللہ

---

[1] طحطاوی میں ہے: فلو لم یسمع لبعرا ولصمم لا تشرع الامتابعة ولو علم انه اذان. (۱۱۹)

[2] شامی میں ہے: ولو کان فی المسجد حین سمعه لس علیه الاجابته ولو کان خارجه اجاب بالمشی الیه بالقدم ولو اجاب باللسان بد لا یکون مجیباً وھذا بناً علٰی ان الاجابته مندوبة لقدمه لا بلسانه. (۱/۲۶۷)

جل شانہ کے منادی (مؤذن) کے ساتھ حسنِ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام مسجدوں کی اذان کا جواب دیا جائے ورنہ کم از کم پہلی اذان کا جواب تو دیا ہی جائے۔[1]

---

[1] شامی میں ہے: (اجاب الاوّل) بخلاف ما اذا کان من محلات مختلفة تامل ویظهر فی اجابته الکل بالقول لتعدد السبب وهو السماع. (۳۲۹/۱)

طحطاوی میں ہے: واذا تعدد الاذان یجیب الاوّل مطلقاً سراً وکان اذان مسجده أم لا.(۱۷)

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا (القرآن)

اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ (الحديث)
دین سراسر خیر خواہی ہے

ھدایت یا گمراھی

مع اضافہ جات

وجوابِ خیرخواھی

- الھدیٰ انٹرنیشنل قرآن وحدیث کی روشنی میں
- ڈاکٹر صاحبہ کا انٹرویو حقیقت کے آئینہ میں
- الھدیٰ کے متعلق استفتاء اور اس کے مصدقہ جوابات
- کتاب خیر خواہی بجواب ھدایت یا گمراہی کا علمی تعاقب

مرتب

مُفتی مُطیع الرحمن

تصدیق و پسند فرمودہ

اکابر علمائے کرام

اِدارۃُ النَّصِیحۃ

مکان نمبر 746، پی آئی بی کالونی کراچی
موبائل: 0321-2044292

اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

یومیہ تعلیمی جائزہ

حفظ وناظرہ کرنے والے طلباء وطالبات کے لئے

تعلیم قرآن کی اہمیت
بچے وبچیوں واساتذہ کی محنت وصلاحیت
میں ہر اعتبار سے ترقی کے لئے
بچوں کی روزمرہ محنت کا جائزہ

سبق، سبقی پارہ، منزل پارے کی نوعیت
علمی وعملی واخلاقی صلاحیتوں میں اضافہ
ہدایات برائے اساتذہ، والدین، طلباء
امتحانی جائزہ

یہ جائزہ کاپی قرآن مجید حفظ وناظرہ پڑھنے والے سعادت مند طلباء وطالبات کے لئے انتہائی آسان انداز میں مرتب کی گئی ہے تاکہ بچوں کی علمی وعملی واخلاقی کیفیت اس کاپی کے ذریعہ استاد، والدین، انتظامیہ سب کے سامنے آسکے انشاء اللہ اس سے بچوں کے اوقات کی حفاظت اور ان کی ترقی ہوگی اور سب کو اپنے مقصد کے حصول میں آسانی ہوگی۔

مرتب
مفتی مطیع الرحمن
فاضل جامعة العلوم الاسلامیه
(بنوری ٹاؤن)

مکان نمبر 746، پی آئی بی کالونی کراچی
موبائل: 0321-2044292

دعا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، پاکستان

الغفور ایک نظر میں

- الغفور میں عصر حاضر کے مسائل اور امت مسلمہ کو درپیش پریشانیوں کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں پڑھیے۔
- الغفور کے مطالعہ سے آپ اپنی دینی معلومات میں اضافہ اور دین پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کیجئے۔
- الغفور میں روزمرہ زندگی کے اعمال کا طریقہ اور فضائل پڑھ کر اپنی زندگی سنت کے مطابق بنائیے۔
- الغفور میں تاجر حضرات کیلئے مستقل سلسلہ بعنوان تجارت سنت کے مطابق کیجئے۔
- الغفور میں بچوں اور خواتین کیلئے سبق آموز مضامین پڑھیے۔
- الغفور کے ذریعہ دین کی تبلیغ ونشرواشاعت کے عظیم کام میں حصہ لیجئے۔

اس رسالے کو خود بھی پڑھیے اور اپنے احباب و متعلقین میں بھی اس کا تعارف کروایئے یہ آپ کی جانب سے تبلیغ بھی ہوگی اور آپ کیلئے صدقہ جاریہ بھی ہوگا۔

عمدہ طباعت اعلی ورق خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ

خط وکتابت کا پتہ 1 دفتر الغفور جامع مسجد شیخ سالم لنک روڈ، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 5868530 (042) موبائل: 0300-4655336, 0300-4439708

2 الغفور کراچی مکان نمبر 746 پی آئی بی کالونی، کراچی، موبائل: 0321-9258029, 0321-2044292

آیات قرآنیہ سے مدلل واحادیث نبویہ سے مزین

ایمان وصحیح عقائد کا بیان
کفر وشرک کا بیان
بدعات ورسومات اور گناہ کبیرہ کا بیان

مرتب

مفتی مطیع الرحمٰن

مکان نمبر 746، پی آئی بی کالونی کراچی
موبائل: 0321-2044292